نرم گرم

تالیف: خلیل احمد نینی تال والا

نرم گرم

پیش لفظ

یہ میری الحمداللہ ساتویں تصنیف ہے جس کا نام میں نے نرم گرم تجویز کیا ہے جس میں بیشتر حصہ میرے سفر ناموں پر مشتمل ہے جو تقریباً تیں سالوں پر محیط ہے اپنے ان سفر ناموں میں جو کچھ میں نے دیکھا سیکھا جوں کا توں اپنے قارئین کی نظر کر رہا ہوں خصوصاً جس طرح پوری دنیا ترقی کر رہی ہے ۔بد قسمتی سے ہمارے حکمران اسی تیزی سے پاکستان کو تنزلی کی طرف دھکیل رہے ہیں انکو صرف اپنے اقتدار سیاسی گٹھ جوڑ عیاشیاں لوٹ مار کا بازار گرم کر کے اپنے مفادات کی حفاظت کرنا ہے اب اس لوٹ مار کرپشن میں سب ہی شامل ہیں۔کم زیادہ ہو سکتا ہے مگر میرے خیال میں صرف جنرل پرویز مشرف اس میں ڈائریکٹ تو ملوث نہیں تھے مگر اُن کی کابینہ اور اتحادی اُن کی کثر پوری کر رہے تھے ۔یہی باتیں پاکستان کی بدنامی کا باعث تھیں اور ہیں انہوں نے اپنی آنکھیں اُن کی طرف سے تو بند رکھیں مگر اپنی کرسی کو مضبوط بنانے میں ہر جائز اور ناجائز ذرائع استعمال کئے خصوصاً چوھدری برادران کی نوازشات سر فہرست رہی ہیں۔اسی وجہ سے اُن کے اقتدار کا سورج غروب کرانے میں آخری ایام میں تابڑ توڑ غلطیوں کی وجہ سے اُنکی نیک نامی کو گہن لگا خصوصاً اکبر بگٹی کا قتل چیف جسٹس افتخار چودھری کی معطلی اور لال مسجد پر یلغار اور کراچی میں 12 مئی کا قتل عام بہت مہنگا ثابت ہوا۔پھر الیکشن نے رہی سہی کثر مسلم لیگ (ق) کی ناکامی نے اُن کا اقتدار لے ڈوبی پھر جمہوریت کی بحالی کرپشن کی آخری حدیں چھو گئیں جو ایک دور سے نکل کر دوسرے دور میں داخل ہو چکی ہیں۔پہلے دور میں افواجِ پاکستان کی طرف سے اس کرپشن اور لاقانونیت دہشت گردی کی روک تھام نہ ہونے کے برابر تھی۔مگر شکر ہے پشاور کے معصوم بچوں کی شہادت نے سب بڑوں کی آنکھیں کھول دیں اور جنرل راحیل شریف صاحب نے جو دہشت گردی کے خلاف بیڑا اٹھایا تھا۔اس کے اثرات اور ثمرات آنے شروع ہو گئے ہیں کاش وہ کرپشن کی طرف بھی اُسی طرح توجہ دیں جس کی وجہ سے آج پاکستان کھوکھلا ہو چکا ہے ہر طرف سے ہم بھیک کا پیالہ لئے در در پر دستک دے رہیں جس سے پاکستان اور اس کے بیس کروڑ عوام کا وقار مجروح ہو رہا ہے

یہی دولت ہمارے حکمرانوں ،سیاست دانوں ، بیوروکریٹس حضرات کے اکاؤنٹس میں موجود ہیں ان سے نکلوانا اگر چہ مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں ہے اگر ایسا کیا گیا تو ہم دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں کرپشن دہشت گردی سے کم نہیں ہے مجھے امید ہے میرے قارئین کو یہ 300 سے زائد صفحات پر مشتمل 70 مضامین پسند آئیں گے جو پوری دنیا کا نقشہ پیش کر رہے ہیں ساتھ ساتھ دلچسپ واقعات سے بھی وہ لطف اندوز ہونگے ۔مجھے خوشی ہے میری چھٹی تصنیف صوبے کیوں ضروری ہیں نہ صرف پاکستان پوری دنیا میں بسنے والے دیارِ غیر کے پاکستانی بھائیوں نے بھی بہت سراہا مجھے خطوط اور ای میلو سے اس کی پزیرائی بھی کسی خاص طور قائد تحریک جناب الطاف حسین صاحب نے تو میری تقریب رونمائی میں بذات خود ٹیلیفونک خطاب بھی کیا اور میری اس ادنیٰ کوشش کو آئندہ کا سنگِ میل بھی قرار دیا میری کتاب 'صوبے کیوں ضروری ہیں" کی رونمائی میں کنیڈا میں مارکھم شہر کے میئر فرانک اسکارپٹی اور کنیڈا کے ایم پی پاکستانی نژاد خالد عثمان ،کنیڈا میں پاکستان کے ہائی کمشنر کے علاوہ محمد اقبال میمن، شاکر رحمت اللہ کے علاوہ کافی تعداد میں مقیم پاکستانیوں نے شرکت کی اس کتاب کی میزبانی تسلیم الٰہی زلفی صاحب نے کی ۔لندن میں بیرسٹر ظہور احمد بٹ اور انکے رفقاء اس کتاب کی رونمائی میں شریک ہوئے ۔میں نے ماضی کی طرح اپنی کتابوں کی تمام فروخت سے وصول ہونے والی آمدنی حسب سابق معذور بچوں کے ادارے دارالسکون کراچی کو بھجوادی ہے اور اس تصنیف کی بھی آمدنی اسی ادارے دارالسکون کو بھجوادی جائے گی ۔ 50 کتابیں فروخت کے لئے دارالسکون میں بھی رکھوادی جائیں گیں اور 50 کتابیں صوبے کیوں ضروری ہیں وہ بھی قارئین کی آسانی کے لئے وہاں دستیاب ہیں اس کا پتہ دارالسکون 3 / H / 159، کشمیر روڈ پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس کراچی فون نمبر:021-34550381 / 021-34554139 پر آپ خرید سکتے ہیں ماضی کی طرح ہمدرد پریس کے مالک محترم جناب اسلم مرزا صاحب کا بھی شکر گزار ہوں وہ اس کی کتابت اور طباعت میں مکمل تعاون کرتے ہیں اللہ انکو بھی اس کا اجر عطا فرمائے ۔(آمین)

اس کتاب کے بارے میں ممتاز شخصیات کے تاثرات

تعارف

خلیل احمد نینی تال والا صاحب ہمارے ملک کے جانے پہچانے صنعت کار ہیں۔

بزنس کی باریکیاں سمجھنے کے علاوہ وہ ایک محب وطن پاکستانی اور ادبی ذوق بھی رکھتے ہیں اس ذوق کی تسکین کیلئے وہ اخبارات میں کالم نویسی بھی کرتے ہیں اپنی بزنس اور سیاست کے سلسلے میں وہ بیرونی ممالک کا سفر بھی کرتے رہتے ہیں اور ان بیرونی دوروں میں انہیں جن تجربات اور مشاہدوں سے واسطہ پڑتا ہے ان کا ذکر وہ اپنے کالموں میں کرتے رہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب انہیں کالموں کو ترتیب دے کر مرتب کی گئی ہے۔

خلیل صاحب کا مشاہدہ بہت گہرا ہے جو چیز یا بات ان کی نظر سے گذرتی ہے وہ ان کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتی ہے اور پھر ان سے جو نتائج وہ اخذ کرتے ہیں وہ اپنے کالموں کے ذریعہ ہم تک پہنچا دیتے ہیں۔ مغربی ممالک کے صفر کے دوران جب وہ وہاں کے لوگوں کی خوشحالی ان میں قانون کا احترام، تعلیم اور محنت سے لگن اور ان سب کے نتیجے میں وہاں کی آرام اور آسائش دیکھتے ہیں اور پھر اسکا مقابلہ وہ اپنے وطن میں پھیلی بدحالی، امن اور قانون کے فقدان، انتظامی بدحالی، رشوت اور جرائم کا دور دورہ سے مقابلہ کرتے ہیں تو ان کا حساس دل تڑپ اٹھتا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ باوجود یہ کہ ہم اسلام کے پیروکار ہیں جس میں ہمیں وہ سب باتیں بتائی گئی ہیں جن پر عمل کر کے یورپ اور امریکہ کے ممالک آج ایک خوشحال معاشرے میں رہ رہے ہیں ہم اور ہمارے جیسے دوسرے اسلامی ممالک کیوں پسماندہ ہیں۔ ایشیا میں بھی جن ملکوں نے ہمارے ساتھ ساتھ یا ہمارے بعد نوآبادیاتی طاقتوں سے آزادی حاصل کی ہے وہ بھی اپنی محنت، لگن اور ایمانداری کو بروئے کار لاتے ہوئے ہم سے کہیں آگے نکل چکے ہیں۔ خاص کر جن ممالک کو ہم نے ٹیکنالوجی اور دوسرے انتظامی امور میں مدد فراہم کی ہے وہ بھی ہم سے کہیں آگے نکل گئے ہیں۔ اور ہم بجائے ترقی کرنے کے تنزل کی طرف گامزن ہیں۔

خلیل صاحب سے تقریباً سوا 100 سال پہلے حالی اور 100 سال پہلے علامہ اقبال نے ہمیں اس خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ساری باتیں صدا بہ صحرا ثابت ہوئیں ہیں۔

اب خلیل نینی تال والا صاحب نے بھی اپنی اس کتاب کے ذریعے قوم کو کچھ سوچنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ انکی تحریر بہت سادہ اور مثبت ہے انہوں نے جو مشاہدہ دوسرے ممالک کا کیا ہے اور جو کچھ اس مشاہدے سے حاصل کیا ہے اس کتاب کے ذریعے عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

"شاید کہ تر ے دل میں اتر جائے مری بات
اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے"

میں سمجھتا ہوں کہ اگر چند لوگ بھی اس کتاب کو پڑھ کر ان باتوں پر غور کریں اور کچھ سدھار اپنی زندگیوں میں اور اپنے رویّوں میں لے آئیں تو بہت تیزی سے نہ سہی آہستہ آہستہ بہتری کی طرف آسکتے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ لوگ اس کتاب کو شوق سے پڑھیں گے اور اسکے مندرجات پر سنجیدگی سے غور کریں گے میں خلیل نینی تال والا صاحب کو انکی اس کاوش پر مبارک دیتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے قلم کے اس جہاد کو جاری رکھیں گے اور قوم کا قبلہ درست کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ)
معین الدین حیدر

خلیل نینی تال والا شہر کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں، عرصہ دراز سے ان کے مضامین مختلف موضوعات پر روزنامہ "جنگ" میں نظر سے گزرتے ہیں ان کا تعلق تجارت کے پیشے سے ہے اور ان کا شمار ممتاز تاجروں میں ہوتا ہے۔ وہ ملک کی سیاسی، معاشی، تہذیبی، ثقافتی سرگرمیوں سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ نینی تال والا نے اپنے ان مضامین کو یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کیا ہے جس میں پچھلے اور موجودہ دور کی عکاسی بھی ہوتی ہے اور بدلتی دنیا میں ان کے خیالات کی جھلک بھی۔۔۔شاید اسی مطابقت سے انہوں نے کتاب کا نام "نرم گرم" رکھا ہے۔

نینی تال والا کا مجموعہ ۲۷ موضوعات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اس وسیع و عریض دنیا کو اپنے احاطے میں لینے کی کوشش کی ہے۔ وہ محض ایک کاروباری شخصیت ہی نہیں بلکہ ایک باشعور، دوربین اور حساس شخصیت کے مالک بھی ہیں۔ تعلیمی میدان میں انہوں نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ جس کا جیتا جاگتا ثبوت ان کا قائم کردہ مشہور و معروف اسکول" کے این اکیڈمی"(KN Academy) ہے جہاں عرصہ دراز سے مثالی درس و تدریس کا انتظام ہے جو بہترین نتائج کا حامل رہا ہے۔

نینی تال والا نے چار برس کی عمر میں خاندان کے ساتھ پاکستان ہجرت کی۔ سندھ مدرسۃ السلام میں تعلیم پائی۔ ۱۰ سال کی عمر سے ہی والد کے ساتھ کاروبار میں شریک رہے اور ہوتے ہوتے انڈسٹری کے میدان میں کود پڑے۔ میں نینی تال والا کو دوسری کاروباری اور صنعت کار شخصیات سے اس لیے ممتاز سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی تحریروں سے دنیاوی معاملات اور خاص طور سے پاکستان کے مسائل پر توجہ دلائی بلکہ تعلیمی میدان میں بھی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

نینی تال والا کی کتاب "نرم گرم" کی فہرست پر نظر ڈالیں تو ان میں سیاسی و معاشی مضامین بھی ہیں، سفرنامے اور ذاتی تجربات پر مبنی تحریریں بھی! مثلاً "انقلاب تیونس کی دستک" میں لکھتے ہیں کہ صدر مملکت زین العابدین کی چہیتی بیگم لیلیٰ علی نے فلپائن کے صدر کی اہلیہ املیڈ کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

وہ اس طرح کہ موصوفہ عیاش تھیں اور جوئے کی بھی بڑی شوقین تھی، آئسکریم کی اتنی رسیا تھیں کہ ان کا ذاتی جیٹ طیارہ یورپ سے ان کی پسندیدہ آئسکریم لانے کیلئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ پھر یہی نہیں بلکہ جاتے جاتے تیونس کے سرکاری بینک سے ڈیڑھ ٹن سونا جس کی مالیت ۴۵ بلین پاؤنڈ بنتی تھی اور لاکھوں ڈالر نکلوائے تا کہ زندگی اسی عیش و عشرت سے گزر سکے۔ قیمتی پتھر اور زیورات الگ۔۔۔

نینی تال والا نے اپنے دیرینہ بہاری دوست کے تعزیاتی مضمون ”آہ نسیم خان“ میں انہیں یاد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ کس طرح بنگلہ دیش میں اپنے ساتھیوں کے درمیان اذیت ناک زندگی گزار رہے تھے لیکن ان کو چھوڑ کر پاکستان آنا گوارا نہ تھا۔ مرحوم نسیم خان، نینی تال والا کو ان بستیوں میں بھی لے گئے تھے جہاں بہاری مسلمانوں کی کئی نسلیں نامساعد حالات میں زندگی گزار رہی تھیں مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستان نے تو بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا لیکن ان مفلوک الحال بہاریوں نے اب تک پاکستان کو سینے سے چمٹائے رکھا ہے۔

Justice Haziqul Khairi
Former Chief Justice
Federal Shariat Court of Pakistan
Judge High Court of Sindh
Obudsman Sindh

اردو کی مشہور کہاوت ہے کہ ”سفر وسیلۂ ظفر“ اس سے مراد یہ ہے کہ سفر سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ انسان جب سفر کرتا ہے تو اس کو نت نئے تجربات حاصل ہوتے ہیں اور اگر ان تجربات حاصل ہوتے ہیں اور اگر ان تجربات کو اچھی طرح بیان کیا جائے تو ان سے دنیا بہت کچھ سیکھ سکتی ہے اور اس لحاظ سے خلیل احمد نینی تال والا کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ہر موضوع پر روانی سے اپنے خیالات کا اظہار تحریری شکل میں کر سکتے ہیں وہ اپنے خیالات کا اظہار کالموں کی شکل میں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے کالموں کے مجموعے شگوفۂ نو، گردش ایام، حالات و واقعات، کاش میں سیاست میں نہ آتا اور یادِ رفتہ شائع ہو چکے ہیں۔

خلیل احمد نینی تال والا کی تازہ ترین تصنیف میں سفرنامے ہیں۔ یہ سفرنامے اس سے قبل کالموں کی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجموعے میں انہوں نے ہر ملک کے سفر کے حوالے سے اپنے تجربات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

ان کے سفرنامے دلچسپ اور معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہوتے ہیں، مثلاً ”دنیا کا غریب ترین صدر“ میں یوراگوئے کے صدر جوسی موجیکا کے بارے میں لکھتے ہیں: ”ان کی سرکاری تنخواہ 12500 ڈالر ہے جس میں سے اپنے خرچ کے لیے وہ صرف 10 فیصد یعنی 1250 ڈالر وصول کرتے ہیں اور بقیہ 90 فیصد تنخواہ، وہ اور ان کی بیگم، فلاحی تنظیموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ خود 1987 ماڈل کی گاڑی رکھتے ہیں اور کوئی باڈی گارڈ نہیں رکھتے نہ ہی کسی قسم کا پروٹوکول رکھتے ہیں۔

وہ اپنی تحریروں میں پاکستانی معاشرے کا موازنہ غیر ممالک کے معاشروں سے بھی کرتے ہیں، ”کنیڈا میں جنت کے مزے اور عید“ وہ کنیڈا میں عیدِ قرباں منانے کا احوال یوں لکھتے ہیں۔ ”عید انشاءاللہ کنیڈا ہی میں گزرے گی کم از کم قربانی تو اطمینان سے ہوگی، کوئی کھالیں نہیں چھینیں گی، گوشت بھی محفوظ رہے گا“ غور کیا جائے تو اس تحریر میں پاکستانی معاشرے کے ایک مسئلے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف سیاحت کا ایک وسیع تجربہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے اس تجربے کو بیان کرنے کی بھی پوری صلاحیت رکھتے ہیں انہی خصوصیات کی بنا پر امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب قارئین کے لیے ایک مفید اور معلوماتی کتاب ثابت ہوگی۔

امینہ سید

مینیجنگ ڈائریکٹر

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس

"فکر کی امارت"

خلیل احمد نینی تال والا کی ساتویں تصنیف نرم گرم" جو سفرناموں پر مشتمل ہے۔ اس طرح اگر یہ شاعر ہوتے تو انہیں پُر گو کہا جاتا۔ اگر نثر نگار کے لیے بھی یہ اصطلاح استعمال کی جائے تو خلیل صاحب کی پُر گوئی مستند ہے، ویسے بھی وہ بنیادی طور پر کالم نگار ہیں جسے تواتر لکھنا ہوتا ہے اور یہ جبر شاعروں کے شعراؤں اور کالم نگاروں پر یکساں عائد ہوتا ہے۔ سادہ الفاظ چھوٹی بحروں میں سہل ممتنع کی شاعری کی طرح سادگی بیان، روزمرّہ الفاظ، چھوٹے چھوٹے جملوں اور پیرائے میں لکھی ہوئی نثر ہی کالم نگار کو مقبول بناتی ہے۔

میں کالم پر اس لیے بات کررہی ہوں کہ خلیل احمد نینی تال والا نے اپنے سفرنامے، کالم کے انداز میں ہی لکھے ہیں۔ جب یہ مسودہ مجھے ملا تو میں نے سوچا تھا کہ وہ ایک امیر آدمی ہیں جو دنیا محض تفریح کے لیے گھومتے ہیں۔ دعوتیں، ملاقاتیں، سیر سپاٹے رشک دلانے والے کچھ اصلی، کچھ تصوراتی واقعات کے ساتھ لکھ دیئے ہوں گے، جن میں قاری کی دلچسپی کا بہت سامان ہوگا۔ مگر یہ سفرنامے تو ایک ایسے انسان کی تحریر نکلے جو بیک وقت اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں سفر کررہا ہو۔ سفر کا لفظ عربی سے آیا ہے جس کے معنی مسافت طے کرنا یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے جب کہ انگریزی کی سفرنگ (Suffering) کے معنی سے کون واقف نہیں، آج کل تو ہر حساس فرد کسی نہ کسی قسم کی تکلیف سے گزر رہا ہے۔ خلیل احمد نینی تال والا ایسے ہی حساس شخص ہیں اس لیے ان کے سفرنامے دونوں معنوں کے امتزاج کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں۔

کتاب کے سرورق پر انہوں نے وضاحت کی ہے کہ یہ احوال ہے دیارِ غیر کا، مگر دیارِ غیر میں بھی وہ اپنے وطن سے غافل نہیں رہے، جہاں کوئی اچھی بات دیکھی، کوئی خوبصورتی کوئی ترقی نظر آئی فوراً اپنے وطن کی محرومیوں نے دل میں کسک پیدا کرنی شروع کردی۔

انقلاب تیونس کی دستک میں انہوں نے حکمرانوں کی عیاشیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے اپنے ملک

کا عکس اسی آئینے میں دیکھا ہے۔ مصر کے انقلاب کے حوالے سے اہل اقتدار کی انتہائی عمارت اور غریبوں کی بے انتہا غربت کے ساتھ ساتھ اقربا پروری اور موروثی سیاست کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں کہ ہمارے اپنے وطن پاکستان کے سیاست دانوں کے چہرے سامنے آجاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

صدر حسنی مبارک کے 30 سالہ دور میں بھی اُن پر کرپشن اور بڑے بڑے کاروبار، ان کے خاندان والوں کے نام منسوب ہیں۔ اب آخری دور میں وہ اپنے صاحبزادے جمال حسنی مبارک کو اقتدار میں لانے کی بھرپور تیاریاں کر چکے تھے۔

جب میں نے ایک عنوان "یورپ کی ترقی کا راز" پڑھا جو فرانس کے شہر "کانس" (Canes) سے شروع ہوتا ہے تو مجھے امید ہوئی کہ اب کوئی چٹ پٹی تحریر سامنے آئے گی۔ یہ شہر مشہور ہی فلمی میلوں کی وجہ سے ہے۔ مگر اس سفر میں بھی انہوں نے دیگر کئی ہم عصر سفرنامہ نگاروں کے برخلاف، نہ کوئی حسینہ نظر آئی، نہ ایسے مناظر جو عموماً خواب و خیال جیسے ہوتے ہیں۔ انہوں نے شہر کا نقشہ تو کھینچا مگر حسنِ انتظام کی تعریف کو نمایاں کیا۔ اس شہر میں بھی تلخ یادوں نے ان کا تعاقب کیا اور انہوں نے لکھا (یاد رہے یہ وہی شہر ہے جہاں تقریباً 20 سال پہلے ہمارے عوامی لیڈر جناب ذوالفقار علی بھٹو کے صاحبزادے شاہنواز بھٹو اپنے فلیٹ میں مُردہ پائے گئے تھے۔) خلیل احمد نینی تال والا نے یورپی یونین کے قیام کو جس کی وجہ سے یورپی ممالک کی سرحدیں ختم ہوگئی ہیں اور کرنسی بھی ایک کردی گئی ہے، رشک سے لکھا ہے اور بتایا کہ اس کی وجہ سے یورپ میں غیر معمولی اقتصادی ترقی ہوئی اور ان کی کرنسی جو ڈالر کے مقابلے میں 25 فی صد کم تھی اب ڈیڑھ گنا مہنگی ہو چکی ہے اور دنیا کی مضبوط ترین کرنسی سمجھی جاتی ہے۔ وہ افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کاش ہمارے خطے کے لوگ جنھوں نے اس یورپی یونین کی طرز پر "سارک" نامی تنظیم تو بنالی مگر آج تک اپنے اختلافات ختم کرنے کے بجائے پوری شدت سے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو کر کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں اور اپنی کرنسیوں کو یورپ کے مقابلے میں 50 گنا نیچے لے جا چکے ہیں "سارک" کے حوالے سے ہی وہ

سفرنامے میں وہ بیرون ملک کا سفر ترک کر کے اپنے ملک میں مکمل طور پر داخل ہو جاتے ہیں اور جب وہ اس وقت کے وزیر داخلہ رحمٰن ملک کا حوالہ دیتے ہیں تو ہم بھی ان سے متفق ہو جاتے ہیں کہ رحمٰن ملک کے بیانات ہوائیں اڑانے کے قائل ہی ہیں، مگر جلد ہی وہ رحمٰن ملک کی ہوائی باتوں کو چھوڑ کر سارک ممالک کے زمینی حقائق کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ یہاں بھی ان دکھوں کا اظہار اعداد و شمار کے ساتھ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اِس تنظیم سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے سارک ممالک نے اس کی افادیت ختم کر دی ہے۔

یہ اس سفرنامے کے چند ابتدائی مضامین ہیں جن کا میں نے تجزیہ کیا لیکن جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ وہ ایک پُر گو نثر نگار ہیں ان کے مضامین بھی متنوع ہیں وہ سو تہتر صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اگر آپ ان کے ۲۷ مضامین کے عنوانات ہی پڑھ لیں تو تنوع مضامین کا اندازہ ہو جائے گا۔

خلیل احمد نینی تال والا یقیناً مشاہدے کی صلاحیت اور فکر کی دولت سے مالا مال ہیں چنانچہ اس کتاب کو ایک حساس شخص کی تصنیف سمجھ کر پڑھیں، آپ کو محسوس ہوگا کہ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

آخر میں، میں یہ کہہ دوں کہ اس کتاب میں تلخ حقائق ہیں اور ان کا کھردرا پن نمایاں ہے۔

)14\Final\sign.jp
not found.

(ڈاکٹر فاطمہ حسن)

معتمد (اعزازی)

انجمن ترقی اردو پاکستان

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-	تاثرات	I - XII	23	سوازی لینڈ کے بادشاہ کو چودہویں ملکہ کی تلاش	95
1	انقلاب تیونس کی دستک	1	24	ترکی میں ایک شادی کی تقریب میں شرکت	98
2	مصر کے انقلاب کے بعد؟	7	25	کوسٹاریکا میں 6 دن	102
3	یورپ کی ترقی کا راز	11	26	وزیر اعظم پاکستان کا دورہ امریکہ	106
4	صرف سارک پول سے کام نہیں چلے گا	16	27	ایک انجکشن کی کہانی	110
5	واہگہ سرحد پر خوشگوار تبدیلی	20	28	کیا ہم سب حرام کھا رہے ہیں؟	114
6	بنگلہ دیش میں صرف تین دن کا قیام	24	29	بنگلہ دیش کی آزادی کیسے ہوئی	119
7	ہماری ڈرگ پالیسی اور بنگلہ دیش کی پالیسی	29	30	ایک کڑوا گھونٹ	123
8	ہیومن رائٹ والوں سے ایک سوال	34	31	ایک جزیرہ تھائی لینڈ میں	127
9	امارات کی 40 سالہ جشن آزادی	38	32	ڈینگی مچھر سے بچاؤ کا علاج	131
10	پنٹاکانا (Puntacana)	42	33	پاک بھارت صحافیوں کی رفاقت	137
11	بھارت کا دورہ اور پولیس رپورٹنگ	46	34	ہوائی جزیروں کی سیر	142
12	پاکستان کا نام ریاستوں میں 10واں نمبر؟	51	35	یہ جزیرہ کب ڈوبے گا؟	145
13	کاش ہم چین سے کچھ سیکھیں	54	36	ایک دن فیصل آباد میں	150
14	دنیا کا غریب ترین صدر	58	37	شرم الشیخ کی کہانی	153
15	کینیڈا میں جنت کے مزے اور عید	61	38	فادرڈے	158
16	ڈاکٹر محمد علی شاہ سے آخری ملاقات	66	39	جنت سے کھنڈر تک	161
17	صدارتی دن (President Day)	69	40	ڈراپ سین	165
18	کینیڈا کے ایک دوست کا مشورہ	73	41	آج ہم اپنے دوستوں میں دشمن تلاش کریں	169
19	برف سے بنا ہوا ہوٹل	77	42	کاش ہم سوچیں	172
20	پاپا گویا بیچ Papa Goya Beach	81	43	کینیڈا میں ایک جنت	175
21	ایک بھارتی شادی صرف ایک روپے کی	86	44	مثبت سیاست کی ضرورت ہے	179
22	زندگی بڑھانے کے 9 مشوروں پر عمل کیجئے	91	45	مستی اکھوڑی ہر پول کے حوالے کر دیں	182

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
46	چاند کی شہادتیں اور جدید سائنس	186	70	اس کالم کو کیا عنوان دوں؟	271
47	ایک دلچسپ ای میل	189	71	کیا ہمارے سمندر پار سرمایہ کاری کریں گے؟	275
48	ایک اہم تقریب کا انعقاد	193	72	صومالی لینڈ کے حکمران	279
49	پڑوسیوں کے حقوق	196			
50	یورپ میں گزرے اذیت ناک پانچ دن	199			
51	کینیڈا کی سیر	202			
52	امریکہ میں کرسچن ملیشیا گروپ کا انکشاف	206			
53	مسلمان کب تک جی حضوری کرتے رہیں گے	209			
54	استنبول کی سیر	213			
55	ٹورنٹو کانفرنس اور داڑھی کو خطرہ	217			
56	چرچل کے چار سوال	221			
57	ایک بیمار ترین ملک	223			
58	سب سے بڑی لندن میں واردات	226			
59	ایک مسلمان ملک ملیشیا میں کیا دیکھا	229			
60	بھارت اور پاکستان کے تعلقات	233			
61	شام کے دارالخلافہ دمشق میں پانچ دن	236			
62	360 کروڑ کی ایک شادی	241			
63	آوشیم خان	244			
64	کیا اسرائیل کو تسلیم کیا جائے	249			
65	لندن کا افسوسناک واقعہ	253			
66	سری لنکا سے تجارت	257			
67	فیصلہ کا وقت آگیا	260			
68	پاکستانی لوگ جیسے ووٹ دے کہاں جا رہے ہیں؟	264			
69	پاکستان کا کیا بنے گا؟	267			

نرم گرم

﴾ انقلاب تیونس کی دستک ﴿

گذشتہ سال قازقستان میں عوام سڑکوں پر نکلے، دو دن تک پولیس اور فوج نے ان کو روکنے کی کوشش کی مگر مشتعل ہجوم صدارتی محل پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ فوجی دستوں نے عوام پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ تقریباً 80 افراد لقمہ اجل بنے۔ ہجوم مزید بے قابو ہو گیا صدر دار الحکومت سے فرار ہو کر اپنے آبائی قصبے میں جا پہنچے وہاں ان کے حامیوں نے چند دن مزاحمت بھی کی مگر بالآخر عوام کے غصے کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور ملک سے فرار ہو گئے۔ عوام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، حکومت تبدیل ہو گئی، حکمرانوں کی عیاشی، کرپشن اور مہنگائی سے تنگ آئے ہوئے عوام ٹھنڈے پڑ گئے۔ حالانکہ ان کے بنیادی مسائل، غربت سے بھرپور زندگی جوں کی توں ہی رہی۔ باوجود اس امر کے معزول صدر بھی 5 سال قبل اسی وجہ سے اقتدار میں آئے تھے کہ وہ عوام کی دلجوئی کریں گے اور ماضی کے حکمرانوں کی طرح عیاشی اور کرپشن میں ملوث نہیں ہونگے مگر اقتدار بہت بُری چیز ہے ملتے ہی عوام کو بھول کر اپنے ہوس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ اکثر ہمارے مسلمان ملکوں کی ریت بنی ہوئی ہے۔

چند دن قبل ایسا ہی واقعہ ایک اور مسلمان ملک تیونس میں پیش آیا اسی طرح عوام مہنگائی اور غربت کے ہاتھوں پریشان ہو کر سڑکوں پر نکل آئی اور صدر زین العابدین جو 23 سال سے اقتدار پر قابض تھے ان کے استعفیٰ کا مطالبہ کر رہے تھے پھر وہی ہوا پولیس اور فوج نے ان کے اقتدار کو بچانے کیلئے نہتے عوام پر گولیاں برسائیں عوام بپھر گئے۔ صدر نے وزیر اعظم کو برطرف کر دیا عوام کا غصہ اور بڑھ گیا۔ صدارتی محل کی طرف انہوں نے پیش قدمی شروع کر دی۔ صدر کے ایک محافظ دستہ کے سپہ سالار نے صدر کو ڈرا دیا کہ عوام اسلحے سے لیس صدارتی محل پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ ڈرپوک صدر اپنے ذاتی جیٹ طیارہ میں بیٹھ کر پڑوسی ملک سعودی عرب فرار ہو گئے جہاں ان کو سرکاری پروٹوکول بھی ملا اور سیاسی پناہ بھی مل گئی۔ کہا جاتا ہے جہاں ماضی میں یوگنڈہ کے فوجی سربراہ عیدی امین کو رکھا

گیا تھا وہی محل اب تیونس کے مفرور صدر زین العابدین کی رہائش گاہ بن چکی ہے۔ جب ایسے سربراہان ملک سے فرار ہوتے ہیں تب ان کے ماضی کے اوراق کھلتے ہیں کہ وہ دورانِ اقتدار کیا کیا گُل کھلاتے رہے مگر تیونس کے صدر زین العابدین سے زیادہ ان کی چہیتی بیگم لیلیٰ علی ماضی کے فلپائن کے مردِ آہن مارکوس کی بیگم املیڈا مارکوس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھی ہوئی تھی جو نہ صرف عیاشی جواء کی عادی تھیں اور ساتھ ساتھ بے پناہ فضول خرچ، سونے چاندی کے زیورات۔ نئے نئے مہنگے لباسوں، طرح طرح کی جدید ریس کاروں اور قیمتی پتھروں کی دلدادہ تھیں اور آئس کریم کی اتنی شوقین تھیں کہ ان کا ایک ذاتی جیٹ طیارہ ان کی آئس کریم کی فرمائش پوری کرنے کیلئے ہر دم تیار کھڑا رہتا تھا۔ وہ جب چاہتی یورپ سے چند گھنٹوں میں ان کا بتایا ہوا فلیور آناً فاناً پیش کر دیا جاتا تھا جبکہ ان کی عوام غربت اور افلاس کی زندگی گزار رہے تھے اور 23 سال سے ان کی عیاشی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ موصوفہ جس وقت ان کے خاوند تیونس سے فرار ہوئے اس وقت بھی وہ دبئی میں شاپنگ کر رہی تھیں۔ عوام میں ان کے شوہر سے زیادہ ان سے نفرت پائی جاتی تھی۔ جاتے جاتے عوام کے زخموں پر نمک چھڑک گئیں کہ اپنے ساتھ ڈیڑھ ٹن سونا جو انہوں نے تیونس کے سرکاری بینک سے نکلوا کر رکھا تھا اپنے جیٹ طیارے میں لاکھوں ڈالرز کے ساتھ لے گئیں تاکہ بقایا زندگی میں بھی ان کی عیاشیوں میں فرق نہیں آئے۔ اس سونے کی مالیت 35 ملین پاؤنڈ کے برابر تھی ہے اس کے علاوہ سوئیزلینڈ اور فرانس میں بینک اکاؤنٹس بھی ہیں اگرچہ فرانس نے تیونس کے عوام کی ہمدردیاں سمیٹنے کیلئے سابق صدر، ان کی بیگم اور رشتہ داروں کے بینک اکاؤنٹس منجمد کرنے کا عندیہ دیا ہے مگر سوئس حکومت نے ابھی تک کوئی سرکاری بیان اکاؤنٹس کے سلسلے میں جاری نہیں کیا اور یہی امید کی جاتی ہے کہ دیگر سربراہان کی طرح ان کے اکاؤنٹس بھی منجمد ہو سکتے ہیں۔ ملکہ عالیہ نہ صرف خود عیاشی اور کرپشن میں پیش پیش تھیں بلکہ ان کے دامادوں اور سوتیلے بیٹوں کا کردار بھی ان سے مختلف نہیں تھا۔

وزیراعظم نے عوام کے غصے کو ختم کرنے کے لئے اقتدار اسپیکر کے حوالے کردیا ہے مگر غصہ کم ہوا ہے ختم نہیں ہوا۔ البتہ پڑوسی ممالک جس میں مصر، اردن، مراکش اور لیبیا کے عوام بھی متاثر ہوئے ہیں۔ مصر میں تو کئی جلوس صدر حسنی مبارک جو مرحوم انور سادات کی شہادت کے بعد اقتدار سے چمٹے ہوئے ہیں 88 سالہ پیری کے بعد بھی اب اپنے بیٹے کو اقتدار میں لانے کی پوری تیاریاں مکمل کر چکے ہیں۔ لیبیا کے معمر قذافی بھی اس طویل اقتدار سے منسلک ہیں ان کے عوام میں بھی بے چینی پائی جاتی ہے۔ یہی حال مراکش اور اُردن کے شاہی اقتدار کے خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔ اگر تیونس کے عوام نے اپنا احتجاج ختم نہیں کیا اور حالات مزید بگڑے تو یقیناً ان مسلم ممالک میں اس کا شدید ردِعمل ہوسکتا ہے اور ان کے طویل اقتدار کے خاتمے کا بھی سبب بن سکے گا کیونکہ ان تمام مسلمانوں کے اکثریتی عوام غربت اور مہنگائی کا شکار ہیں جن کی زندگی اجیرن ہوچکی ہے اور مسائل حل کرنے کے بجائے صاحبِ اقتدار صرف اپنی فضول خرچیوں اور دولت سمیٹنے میں مصروف ہے۔

عوام کی کسی کو پرواہ نہیں ہے البتہ وہ اس خطرے کو بھانپ رہے ہیں کہ تیونس کے نکلنے والا ریلا ان کی سرحدوں کو بھی پار کرسکتا ہے اور اگر اس ریلے نے شدت اختیار کی تو دیگر 56 مسلمان ملکوں میں بھی ہل چل مچ سکتی ہے۔ کیونکہ سب ہی مشترکہ مشکلات کو جھیل جھیل کر تنگ آچکے ہیں اور ان کے صبر کا پیانہ چھلکنے والا ہے۔ کیا ہمارے سربراہان اقتدار تیونس کے انقلاب سے سبق حاصل کرتے ہیں یا پھر ریت میں منہ ڈال کر شتر مرغ کی طرح خطرے کے گزرنے کا انتظار کرتے ہیں۔ ﴿ مصر کے انقلاب کے بعد ؟﴾ پاکستان کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی 'کراچی' صدر پرویز مشرف کی حکومت جانے کے بعد اور پی پی کی حکومت کے آنے کے بعد انتہائی بدقسمتی کا شکار ہے۔ پہلے کار چھیننے اور موبائل لوٹنے تک کے واقعات ہوتے تھے مگر پھر طالبان کی آڑ میں دہشت گردی اور خودکش حملے شروع ہوگئے۔ عوام اور خصوصاً تاجر وصنعت کاران سے نمٹ نہیں پائے تھے کہ ایک دفعہ پھر بھتہ

خوری کا کاروبار شروع ہوگیا۔ کھلم کھلا پرچیوں کے ذریعے بھاری بھاری رقوم طلب کی جارہی ہیں۔ کراچی کی کوئی چھوٹی، بڑی مارکیٹ اس گھناؤنے کاروبار سے محفوظ نہیں ہے۔ کراچی میں اگرچہ متحدہ قومی موومنٹ کی طرف سے بار بار یقین دہانیاں کرائی جاتی ہیں کہ ایم کیو ایم اس میں ملوث نہیں ہے مگر آج ہر اردو بولنے والے پر ایم کیو ایم کا لیبل لگا دیا جاتا ہے اور پشتو بولنے والے پر اے این پی کا، پنجابی بولنے والے پی پی آئی یعنی پنجابی پختون اتحاد کا اور سندھی بولنے والا پی پی پی کی آڑ میں، یہ کاروبار چل رہا ہے۔ اب ایک نئی لہر امن کمیٹی کا قیام بھی اس کاروبار میں شریک ہوچکا ہے۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقے تقسیم کر رکھے ہیں۔ کون اس کی سرپرستی کررہا ہے یہ سب کو ہی معلوم ہے مگر کوئی نہیں بولتا۔ پولیس، انتظامیہ، رینجرز اور ایجنسیاں سب جانتی ہیں مگر ان پر کوئی ہاتھ ڈالنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ صوبائی وزیر داخلہ ہوں یا مرکزی وزیر داخلہ رحمٰن ملک ہوں سب جانتے ہیں مگر صرف عوام کو خالی تسلیاں دے کر 3 سال سے زیادہ عرصہ گزار چکے ہیں اور ایک بھی بھتہ خور یا دہشت گرد نہیں پکڑا جاسکا۔ ابھی ان تنظیموں سے عوام، صنعت کار اور تاجر لٹ رہے تھے کہ ان کی دیکھا دیکھی سندھ اتحاد نامی تنظیم کے لوگ بھی بھتہ خوری میں شامل ہوگئے پھر چند مذہبی تنظیموں کے بگڑے ہوئے نوجوان بھی ہاتھ دکھانے لگے۔ یعنی کراچی کے عوام یرغمالی بنا دیئے گئے ہوں کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں رہا۔ دن رات دن دہاڑے لوٹا جارہا ہے۔ قانون نام کی کوئی چیز اس شہر میں نظر نہیں آتی۔ صدرِ پاکستان کا تعلق بھی اسی صوبے سے ہے مگر کراچی والے ان کی شفقت سے محروم ہوچکے ہیں لگتا ہے وہ صرف سیاست کی گتھیاں ہی سلجھانے میں مصروف ہیں۔ رہا معاملہ مسلم لیگ ن کے سربراہ نواز شریف صاحب کا وہ صرف میڈیا پر اپنا بیان ہمدردی ریکارڈ کروا کر اپنا فرض پورا کر لیتے ہیں اور فرینڈلی اپوزیشن کا ریکارڈ قائم کرکے اگلے الیکشن میں اپنی باری کا انتظار کررہے ہیں۔ کسی بھی سیاسی جماعت کو اس شہر سے عملی ہمدردی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اخباری بیانات اس شہر

کے باسیوں کیلئے کافی سمجھے جاتے ہیں۔ چاہے وہ مولانا فضل الرحمٰن ہوں یا عمران خان، سب صرف ہمدردیوں کے دعویدار ہیں۔ کراچی والوں کے زخموں پر مرہم کوئی نہیں رکھتا جبکہ یہ واحد شہر ہے جس میں پاکستان کے تمام صوبوں سے لوگ آ کر آباد ہیں یہ سب اپنے روزگار کی تلاش میں آئے تھے اور اب آباد ہو چکے ہیں۔ ان کو روزگار بھی مل چکا ہے۔ حقیقتاً وہ شر پسند بھی نہیں ہیں، غربت کے ستائے ہوئے ہیں، صبح سے شام تک وہ محنت مزدوری کر کے اپنے بیوی بچوں کو پال رہے ہیں اور سب مل جل کر امن سے رہنا چاہتے ہیں مگر سیاست دان ان کو الگ الگ بانٹ کر اپنی سیاست چمکا رہے ہیں جو اب بڑھ کر ایک جنونی کیفیت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ انتظامیہ کی کمزوریوں اور کرپشن، اقربا پروری کی وجہ سے یہ گروپس اب بہت تناور درخت بن چکے ہیں اور کھل کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہیں۔ کسی وقت بھی لسانیت کا مظاہرہ اس شہر کے امن کو جتنا بھی بچا ہے تباہ کر سکتا ہے۔ کوئی اس شہر کو فوج کے حوالے کرنے کا عندیہ دے رہا ہے تو کوئی آپریشن کی بات کرتا ہے۔ گھر گھر اسلحہ تو پہنچ چکا ہے اور اندرونی تیاریاں بھی ہو چکی ہیں صرف تیل اور دیا سلائی لگانے کی دیر ہے۔ لاوا پھٹنے کا 100 فیصد امکان ہے۔ پہلے ہی ہمارے وزیر خزانہ معیشت کی تباہی کی داستان سنا چکے ہیں۔ آئی ایم ایف اب ہم کو مزید قرضے سے انکاری ہے۔ دہشت گردی کی وجہ سے پاکستان میں سرمایہ کاری تو گجا یہاں سے سرمایہ بھی منتقل ہو چکا ہے۔ بجلی اور مہنگائی کے بحران نے صنعتوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اب ایک مرتبہ پھر تیل، پیٹرول، ڈیزل اور بجلی کی قیمتوں میں اضافے کی آوازیں لگائی جا رہی ہیں۔ عوام مشتعل ہیں مگر خاموش ہیں کب سڑکوں پر تیونس اور کرغستان کی طرح نکل پڑیں۔ آج مصر بھی اس کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ صدر حسنی مبارک کا طیارہ بھی ان کو لے جانے کیلئے تیار کھڑا ہے۔ کب بگل بجے اور ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو جائے۔ چند دنوں کی بات دکھائی دے رہی ہے کاش ہمارے سیاستدان اور حکومت

دونوں عوام کی اس اضطرابی کیفیت کو سمجھیں۔ پاکستان کے عوام صبر کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں ان کو آپس میں لڑوانے کی بجائے کرپشن کے خاتمے، مہنگائی کو ختم کرنے کیلئے دوررس اقدامات کرنے کی ضرورت ہے اور ٹارگٹ کلنگ کا خاتمہ ضروری ہے اکیلی عدلیہ کس کس محاذ پر لڑے گی۔ خدارا ہوش کے ناخن لیں اور سنجیدگی سے عوام کو ان مسائل سے نجات دلائیں۔ کراچی کے امن سے نہ کھیلیں اس کو امن کا گلدستہ ہی رہنے دیں۔

پچھلے ہفتے مسلم لیگ ق کے چوہدری شجاعت حسین اور مشاہد حسین صاحبان نے نائن زیرو پر ایم کیو ایم کے مرکزی دفتر جا کر کراچی کی صورتحال پر بات کی تھی پھر اتوار کو انہوں نے صنعت کاروں اور تاجروں کو سنڈے برنچ (Sunday Brunch) پر بلا کر اُن کے مسائل سنے۔ اس دعوتِ ظہرانہ میں 200 سے زائد صنعت کار، تاجر اور دیگر مکتبہ فکر کے خصوصی افراد نے شرکت کی اور کراچی کی گرتی ہوئی صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا خصوصاً بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات کو رکوانے کیلئے مسلم لیگ (ق) والوں سے مدد کی اپیل کی جس کی وجہ سے اربوں روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ صرف تین ہفتوں میں 100 سے زائد معصوم افراد جن میں تاجر بھی شامل ہیں لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ مسلم لیگ (ق) والوں نے تین گھنٹے تک ان صنعت کاروں، تاجروں کی شکایتیں بہت صبر و تحمل سے سنیں اور ایک کمیٹی جناب عظیم شیخ کی سربراہی میں تاجروں کی شکایت دور کرنے کیلئے بنائی۔ چوہدری شجاعت حسین نے تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے کراچی میں امن کیلئے ہر ممکن کوشش کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی ساتھ ساتھ جناب مشاہد حسین صاحب نے بھی کراچی کے صنعت کاروں اور تاجروں کی قربانیوں کو سراہا۔ اور مسلم لیگ (ق) کی طرف سے اس شہر میں امن کی کوششوں کی یقین دہانی بھی کروائی۔

مصر کے انقلاب کے بعد؟

تین سال قبل ہمارے ایک مصری دوست نے مصر آنے کی دعوت دی۔دنیا کے بیشتر ممالک میں آنے جانے کا واسطہ رہا تھا۔البتہ مصر سے ہمارے کاروباری مراسم نہ ہونے کی وجہ سے مصر دیکھنے سے محروم تھا سوچا ایسا موقعہ شاید پھر نہ ملے لہذا حامی بھر لی۔اُن دِنوں صدر حسنی مبارک کا 27 واں اقتداری سال چل رہا تھا۔ہر طرف اُن کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اگرچہ ضعیفی اُن پر عیاں تھی۔پھر بھی وہ چاک وچوبند رہتے تھے زیادہ وقت اُن کا مصر کے خوبصورت ترین جدید شہر شرم الشیخ کے صدارتی محل میں گزارتے تھے۔جہاں ہر طرف سکون ہی سکون ہوتا ہے اس شہر کی سب بڑی خصوصیت ہر طرف ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کا سلسلہ بھی دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔اسرائیل مصر جنگ میں اس شہر پر اسرائیل نے قبضہ کرلیا تھا۔پھر جب بعد میں جنگ بندی ہوئی اور معاہدہ امن سابق صدر مرحوم انور سادات نے اسرائیل سے کیا تو معاہدہ کے رو سے اسرائیل نے یہ شہر خالی کردیا ۔یہ اسرائیل کی سرحد کے بہت نزدیک ہے اور خوبصورتی میں لاجواب ہے۔اسرائیل نے جاتے جاتے تمام عمارتیں،جدید رہائشی مکانات حتی کہ ائرپورٹ سب تباہ کر کے خالی کردیا تھا پھر بعد میں اس شہر کو نئے سرے سے تعمیر کیا گیا اور بیروت کے بعد سیاحوں کے عیاشی کا جدید اڈہ بنا کر دنیا بھر سے سیاحوں کو دعوت دی کہ ساحل سمندر اور پہاڑوں کے خوبصورتی کا نظارہ کریں چونکہ شہر جدید طرز پر بنایا گیا تھا مصر کے معیشت دو جنگوں سے بہت کمزور ہوچکی تھی ۔لاکھوں یورپی اور خلیجی سیاحوں سے بھر گیا اس کی وجہ بیروت کی جنگی تباہ کاریوں کی وجہ سے شرم الشیخ اس کا نعم البدل بن کر اُبھرا۔بے شمار فائیو اسٹار ہوٹلوں کی بھرمار نائٹ کلبوں اور کیسنو کی وجہ سے یورپ سے چارٹر جہاز بھر بھر کر آتے تھے۔ان نائٹ کلبوں ہوٹلوں اور کیسینو میں صرف نوجوان لڑکے لڑکیاں سیاحوں کو لبھانے کے لئے خصوصی طور پر ملازم رکھے جاتے تھے۔بوڑھے ملازمین کا یہاں کوئی کام نہیں تھا۔

الغرض میرے میزبان دوست نے قاہرہ گھمایا۔آبادی اور ٹریفک کے لحاظ سے بہت گنجان شہر تھا۔ دریائے نیل اور اُس کی خوبصورتی کا نظارہ سورج غروب ہوتے ہی روشنیوں سے بھرپور پُرفریب انداز سے لگایا جاسکتا تھا۔راقم کا ہوٹل دریائے نیل پر واقع تھا اس لئے اس نظارے کو تین دن قیام کے دوران دیکھنے کا موقع ملا جس میں بڑے بڑے پانی کے جہاز دن رات گزرتے تھے۔ان جہازوں پر سیاحوں کے لئے نائٹ کلب اور کیسینوں کا انتظام خصوصی طور پر رکھا جاتا تھا۔دوپہر کے کھانے کا الگ انتظام ہوتا تھا۔اور رات کے کھانے کا تو کہنا ہی کیا رقص وسرور کی محفلیں نائٹ کلب میں خوبصورت بیلی ڈانسرز رات گئے تک جاری رہتے تھے اور عیاشیوں کی آخری حدود کو چھو لینے کی حد تک سیاحوں کو آزادی تھی جو صدر حسنی مبارک کے اقتدار کی لبرل پالیسی کا شاہکار سمجھی جاتی تھی۔مصر کی معیشت کی دوسری کڑی قاہرہ کا عجائب گھر تھا جس میں ہر سال پوری دنیا سے لاکھوں سیاح اس عجائب گھر کو دیکھنے کیلئے خصوصی طور پر آتے تھے۔دن رات سیاحوں کو بھر بھر کر بسوں کے ذریعے لایا جاتا تھا۔سیاحوں سے تقریباً 25 امریکی ڈالر کا ٹکٹ لیا جاتا تھا۔اور اگر آپ نے فرعون کی ممی (مردہ لاشیں) دیکھنی ہوں تو 10 ڈالر کا اضافی ٹکٹ لینا پڑتا تھا۔عجائب گھر میں مجھے تو ایسی کوئی خاص بات نہیں لگی۔بہت پرانی آثارِ قدیمہ کے برتن، سکے، دروازے، کتابیں، کپڑے اور قالین وغیرہ تھے مگر سیاح بڑے شوق سے ان کو دیکھنے آتے ہیں جس سے اربوں ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔خصوصاً سیاح جاتے ہوئے زرق برق لباس جو مصری طرز زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور چادریں، مختلف ہاتھوں سے بنی ہوئی اشیا ضرور خرید کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔قاہرہ شہر میں ایک طرف جدید عمارتیں،ہوٹل،سرکاری اور نیم سرکاری عمارتیں اور خوبصورت جدید رہائش گاہیں ہیں تو اس شہر میں غربت سے بھری پرانی طرز زندگی کی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں،رہائش گاہیں بھی بے پناہ ہیں جن سے غربت بھی بہت صاف نظر آتی ہے۔اکثر رہائشی بلڈنگوں پر نہ باہر پلستر تھا نہ ان پر رنگ ہوتا تھا۔

صرف اینٹوں کی دیواریں صاف نظر آتی تھیں۔ گویا بلڈنگ اور مکان بنانے والے کا سرمایہ ختم ہو چکا ہوا اور اب وہ فنشنگ کرنے کے قابل نہیں ہوا۔ ایسی عمارتوں کا سلسلہ بہت دور دور تک صاف نظر آتا ہے جس سے بدصورتی کی جھلک اور غربت سے بھرپور عوامی زندگی پیش ہوتی ہے۔ مصر کی تیسری اہم فرعونِ مصر کی بنائی ہوئی دنیا کے عجوبوں میں شامل PYRAMID ہیں جن کو دیکھنے کیلئے بھی لاکھوں سیاح دور دور سے آتے ہیں۔ اگر چہ ان پتھروں کے پہاڑوں کا مصری حکومت نے اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کا بندوبست نہیں کیا جس سے اب بڑے بڑے پتھر ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گرنے لگے ہیں۔ یہ اس زمانے میں جب کرینیں اور بجلی نہیں تھی کیسے اوپر چڑھا کر تکونی شکل میں رکھے ہو نگے۔ سائنس دان آج تک اس کا معمہ حل نہیں کر سکے۔ قاہرہ کے مضافاتی علاقے میں یہ PYRAMID واقع ہیں۔ راستے بھر ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اور غربت سے ستائے عوام کے سرکاری گھروں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ مکانات اور عمارتیں بھی شکستہ ہو چکی ہیں الغرض اکثریت غریب عوام دیکھنے میں آتی ہے اور غیر ملکی ڈونر ممالک کے اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ 55 فیصد عوام غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی وجہ سے قاہرہ میں بے شمار گداگر ہر جگہ عوام سے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ یہی حال ایک اور شہر سکندریہ کا ہے یہاں تو قاہرہ سے بھی زیادہ غربت دیکھنے میں آئی۔ بہت پرانا شہر تاریخی شہرت کا حامل ہے یہاں بھی سیاحوں کیلئے کافی پرانی عمارتیں اور قلوپطرہ کی لائبریری ہے جس کو دیکھنے کیلئے بھی سیاح آتے ہیں مصری عوام بھی پاکستانی عوام کی طرح بہت محنتی اور جفاکش ہیں۔ صدر حسنی مبارک کے 30 سالہ دور میں بھی ان پر کرپشن اور بڑے بڑے کاروباران کے خاندان والوں کے نام منسوب ہیں۔
اب آخری دور میں وہ اپنے صاحبزادے جمال حسنی مبارک کو اقتدار میں لانے کی بھرپور تیاریاں کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے اقتدار میں کبھی حزبِ اختلاف کو نہیں پنپنے دیا، خصوصی طور پر اسلامی خیالات کی

اخوان المسلمین کو بری طرح ظلم و تشدد سے دبا کر رکھا اب جب عوام اُن کے خلاف کھڑی ہوئی تو سب سے پہلے انہوں اپنے صاحبزادے کو لندن فرار کروایا اب آخری حربے کے طور پر پولیس اور سرکاری لوگوں کو عام کپڑوں میں مظاہرین کے سامنے اسلحے سے بھرپور مزاحمت کروائی جو ناکام ہوئی۔ اب یہ آخری جمعہ ہے جو ان کے اقتدار کا فیصلہ کر دے گا مگر اب بات صرف تیونس اور مصر کی نہیں رہی یہ آگ اور بغاوت یمن، مراکش، اُردن، الجزائر اور شام تک تو پھیل چکی ہے اسکے لپیٹ میں وہ تمام مسلم ریاستیں اور ممالک آئینگے جو سالہا سال سے اپنی عوام کی بھلائی کے بجائے اپنی اپنی جیبیں بھرتے رہے ہیں اور عوام غربت کی چکی میں پستے رہے۔ اب عوام کا سیلاب ان کی طرف بڑھ چکا ہے صرف دن گننے باقی ہیں ہر جمعہ ایک نئے ملک کی نشاندہی کر رہا ہے، عوام جمعۃ المبارک کی اجتماعی نماز پڑھنے کے بعد میں تیس برس سے ظلم سہتے ہوئے اب مزید برداشت کے قابل نہیں رہے تو اب انقلاب ہی آخری راستہ رہ گیا تھا جس کی طرف عوام چل نکلے ہیں۔ دیکھتے ہیں یہ قافلہ کہاں جا کر رکتا ہے اللہ خیر کرے غلامی کی زنجیریں اب ٹوٹ رہی ہیں۔ کاش صاحب اقتدار اس سے سبق حاصل کریں۔

یورپ کی ترقی کا راز

فرانس کے شہر کانس (CANNES) جنوبی فرانس شمال میں سب سے خوبصورت بیچ یعنی ساحل سمندر سمجھا جاتا ہے۔ یہاں دنیا بھر سے سیاح خصوصی طور پر مئی، جون اور جولائی میں آتے ہیں۔ کیونکہ ان مہینوں میں بے تحاشہ فیسٹیول (نمائش) لگتی ہیں جن میں خصوصی طور پر فلمی میلے کا انعقاد ہوتا ہے۔ جس میں ہالی ووڈ کے اداکار، گلوکار، ہدایتکار اور فلم لائن سے وابستہ افراد شرکت کرتے ہیں۔ کانس نام کا شہر فرانس کے شمالی حصہ میں نہیں بلکہ جنوبی فرانس بحر روم کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں منعقد ہونے والے سالانہ فلمی میلے سے ہالی وڈ کے آسکر انعام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس انعام کا فیصلہ امریکہ ہی میں کیا جاتا ہے۔ عوام اور سیاح ان اداکاروں کو قریب سے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور خوشی خوشی ان میں گھل مل کر تصاویر کھنچواتے ہیں۔ انہی مہینوں میں ٹورڈی فرانس کی ہر سال سائیکل ریس بھی ہوتی ہے جو اس شہر سے گزرتی ہے۔ اس ریس کے گزرنے والے راستوں کو مقامی انتظامیہ اہتمام کر کے خوبصورتی سے سجاتی ہے۔ سیاح اور مقامی افراد لاکھوں کی تعداد میں قطاریں بنا کر گھنٹوں ان دنیا بھر سے آئے ہوئے سائیکل سواروں کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے نمایاں جگہوں پر انتظار کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ کسی کو صحیح وقت نہیں معلوم ہوتا جب ان سواروں کے آگے پولیس کی گاڑیاں جو وقفہ وقفہ سے گزر کر راستہ کلیئر کرتی ہیں تو عوام کا جوش وخروش اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ وہ تالیاں بجا کر ان پولیس والوں کے دستوں کا استقبال کرتے ہیں۔ پھر جب یہ سائیکل سوار جو تعداد میں کئی سو ہوتے ہیں ان کے سامنے سے گزرتے ہیں تو خوب تالیوں کی گونج میں ایک عجیب نظارہ بن جاتا ہے۔ لوگ ان پر پھول بھی نچھاور کرتے ہیں۔ یاد رہے یہ وہی شہر ہے جہاں تقریباً 20 سال پہلے ہمارے عوامی لیڈر جناب ذوالفقار علی بھٹو کے صاحبزادے شاہنواز بھٹو اپنے فلیٹ میں مردہ پائے گئے تھے۔ یہاں ان مہینوں میں تمام چھوٹے بڑے اور درمیانی ہوٹل ان سیاحوں سے

بھرے ہوتے ہیں اور عام دنوں کی نسبت اکثر ہوٹل کے کرائے زیادہ سے زیادہ دگنے ہو جاتے ہیں۔ اسی شہر کانس سے ملا ہوا ایک شہر گراس (Grasse) ہے جہاں دنیا بھر کیلئے خوشبو (Perfume) پیدا کی جاتی ہے اور دنیا بھر میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔ یاد رہے فرانس پوری دنیا میں سیاحوں کی آمد و رفت میں اوّل مقام رکھتا ہے۔ یہ ساحل سمندر کئی سو میل لمبا ہے جو نائس (Nice) ایئر پورٹ سے شروع ہوتا ہے جو بیچ سمندر میں بنایا گیا ہے۔ یہ نائس (Nice) شہر بھی بہت خوبصورت ہے۔ اس سمندر کے ساحل سے جڑے بہت اچھے اچھے جزیرے ہیں اگر ہم نائس (Nice) سے اوپر کی طرف پہاڑی علاقوں میں جائیں تو پہاڑ کے دامن میں موناکو (Monaco) نام کا ایک بہت چھوٹا ملک واقع ہے جس کا صرف ایک شہر مونٹی کارلو کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے جس کی کل آبادی 20 بائیس سو افراد پر مشتمل ہے بہت خوبصورت شہر ہے۔ پورے شہر کو کیمروں سے کور کیا ہوا ہے اور 24 گھنٹے پولیس کی نگرانی میں کیمروں کی مدد سے سیکیورٹی کا انتظام کیا ہوا ہے۔ اس لیے یہاں صفر فیصد جرائم کی شرح ہے۔ اس چھوٹے ترین ملک کی آمدنی کے تین ذرائع ہیں۔ ایک تو معتدل موسم کی وجہ سے سیاح آتے ہیں دوسرا بڑا Attraction کیسینو (Casino) میں ہر قسم کا جواء ہوتا ہے۔ ان ہی مہینوں میں دنیا بھر میں مشہور کار ریس ہوتی ہے۔ اس دن اس شہر یعنی مونٹی کارلو کو بہت خوبصورتی سے چمکایا جاتا ہے۔ تمام سڑکیں 2 گھنٹے کیلئے بند کر دی جاتی ہیں، ہر قسم کی سواری ممنوع ہوتی ہے اور پھر شہر بھر کی سڑکوں پر اس ریس میں حصہ لینے والی گاڑیوں کی ریس شروع ہو جاتی ہے۔ اس ریس کو بھی دیکھنے کیلئے دنیا بھر سے سیاح جوق در جوق آتے ہیں اور سائیکل سواروں کی طرح ان گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو بھی ہاتھ ہلا ہلا کر داد دی جاتی ہے۔ ویسے اس ملک کے حکمرانوں کا بہت بڑا محل بھی ہے جسے دیکھنے کیلئے بھی بہت دور دور سے سیاح آتے ہیں۔ اگر چہ اس محل میں کوئی نہیں رہتا صرف سیاحوں سے ٹکٹ کے ذریعے

حکومت کو بہت آمدنی ہوتی ہے۔ تقریباً 3 گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ گروپوں کی شکل میں یہاں کے گائیڈ محل کی سیر کراتے ہیں اور ساتھ ساتھ اس محل کی تاریخ اور تاریخی حکمرانوں کے الگ الگ مخصوص کمروں کے بارے میں بھی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس چھوٹے سے ملک میں ایک بہت خوبصورت زیر زمین مچھلی گھر بھی ہے جس میں دنیا بھر کی ہر نسل کی چھوٹی بڑی، نایاب، رنگ برنگی مچھلیاں لا کر جمع کی گئی ہیں۔ ان کی نسل اور ملک کے بارے میں بھی بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک میوزیم بھی ہے یہاں کے باشندے بہت امیر ہیں۔ اس لحاظ سے یہاں مہنگائی بھی بہت زیادہ ہے۔ ایک چائے کی پیالی 10 سے 15 یورو یعنی 1500 روپے تک ملتی ہے۔ ہوٹلوں کے کرائے بھی فرانس سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ یہاں کی ایک شہزادی جس کا نام پرنس گریس تھا انکی وجہ شہرت ہالی وڈ کی مشہور اداکارہ ہونے کی وجہ سے زیادہ ہے وہ کار ریس میں حصہ لیتی تھی۔ اس کا انتقال بھی ایک کار ریس میں ہو گیا تھا جس کی یاد میں اس کے شوہر نے لندن میں اس کے نام پر بہت خوبصورت ہسپتال (گریس ہسپتال) بنا کر اس کی یادگار تعمیر کر دی ہے۔ اسی شہر میں ان کے حکمران بادشاہوں کا بھی قبرستان بہت خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا ہے۔ ہر قبر پر اس بادشاہ کا نام اور اس کی حکمرانی کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ جہاں اس شہر کی حدود ختم ہوتی ہے وہاں سے یورپ کا ایک دوسرے ملک اٹلی کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔

چونکہ اب یہ تمام ممالک یورپی یونین میں شامل ہو چکے ہیں تو ان کی تمام سرحدیں ختم کر کے ایک دوسرے کے ملک میں آمد و رفت کی رکاوٹیں ختم کر دی گئی ہیں۔ اب صرف ایک ویزے پر جس کا نام شنگین ویزا ہے لے کر غیر یورپی سیاح علاوہ انگلینڈ کے ان تمام ملکوں میں گھوم سکتا ہے۔ تمام کسٹم اور امیگریشن کی پابندیوں سے آزاد ممالک مل کر ایک دوسرے کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ یاد رہے! ان تمام ممالک نے 10 سال پہلے اپنے اپنے ملک کی کرنسیوں کو ختم کر کے اپنے اپنے اختلافات مٹا کر ایک نئی

متفقہ کرنسی یورو کے نام سے متعارف کرا کر دنیا کو حیران کر دیا۔ جب یہ نئی کرنسی متعارف کرائی گئی تو اس کی قیمت ڈالر سے 25 فیصد کم تھی آج یہی کرنسی ڈالر سے تقریباً ڈیڑھ گنا مہنگی ہو چکی ہے اور دنیا کی مضبوط ترین کرنسی سمجھی جاتی ہے۔ کاش ہمارے خطے کے لوگ جنہوں نے ان یورپی یونین کی طرز پر سارک نامی تنظیم تو بنا ڈالی مگر آج تک اپنے اپنے اختلافات ختم کرنے کے بجائے پوری شدت سے ایک دوسرے کے دست و گریباں ہو کر کمزور سے کمزور تر ہو رہے ہیں اور اپنی کرنسیوں کو یورپ کے مقابلے میں 50 گنا نیچے لے جا چکے ہیں۔ اپنے اپنے عوام کو معاشی فائدہ پہنچانے کے بجائے ہر سال صرف کانفرنسیں منعقد کر کے فوٹو سیشن کروا کروا کر خوش ہو لیتے ہیں۔ عوام غربت کی لکیر سے ہر سال اور نیچے جا رہے ہیں مگر افسوس صد افسوس سارک ممالک کے حکمرانوں کی آنکھیں اس ترقی یافتہ میڈیا کے دور میں بھی ابھی تک نہیں کھلیں۔ کاش ہم یورپ کی ترقی سے سبق سیکھ لیں۔ یاد رہے ان 10 سالوں میں 2 ممالک پرتگال اور یونان 2 سال پہلے معاشی طور پر دیوالیہ ہو گئے تھے ان کو جرمنی اور فرانس نے 100 سو بلین ڈالر امداد اور قرضے دے کر دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا ہے۔

﴿ صرف سارک پول سے کام نہیں چلے گا ﴾

ہمارے وزیر داخلہ جناب رحمٰن ملک صاحب جن کے بیانات اکثر یار لوگ ہوا میں اڑاتے رہتے ہیں خصوصاً ایک بیان جو انہوں نے حال ہی میں کراچی کی ٹارگٹ کلنگ کے حوالے سے دیا تھا جس میں انہوں نے انوکھا انکشاف کیا تھا کہ کراچی میں 70 فیصد قتل مردوں اور عورتوں کے نا کام عشقوں یا رشتہ داروں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

راقم نے اس دن کے اخبارات کی خبروں کا جب پوسٹ مارٹم کیا تو واقعی اُس دن کراچی میں 7 قتل ہونے والوں میں 5 خواتین تھیں اُن کو عاشقوں نے یا پھر رشتہ داروں نے قتل کیا تھا جس میں دو بہنیں بھی شامل تھیں جو مکان کا قبضہ لینے عدالت کے اہلکاروں اور پولیس کی موجودگی میں قتل ہو گئیں گویا انہوں نے اُس دن کے واقعہ سے اپنی رائے اخذ کر دی کیونکہ وہ اُس دن کراچی میں موجود تھے مگر اس ہفتے ہونے والی سارک کانفرنس میں اپنی افتتاحی تقریب میں سب سے اعلیٰ تقریر کی اور سفارش کی کہ سارک کو بھی انٹر پول کی طرح سارک پول قائم کرنی چاہئے جس سے دہشت گرد آسانی سے پکڑے جاسکتے ہیں اور وہ اب آسانی سے ان ممبر ممالک میں چھپ بھی نہیں سکتے ان مطلوبہ اشخاص کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے گا۔

یہاں میں سارک کانفرنس کے متعلق چند حقائق اور تجاویز دینا ضروری سمجھتا ہوں جس سے ان ممالک کے عوام کو یقیناً فائدہ پہنچے گا اور دوستی اور بھائی چارے میں اضافہ کے ساتھ ساتھ تمام ممالک کی معیشت میں نیا اضافہ ہوگا اور یہ ممالک غربت ، جہالت اور دہشت گردی کے خلاف بہتر اقدامات کر کے کم از کم اس خطہ کو خوشحال اور محفوظ بنا سکتے ہیں۔

سارک ممالک میں پاکستان ، بھارت ، بنگلہ دیش ، سری لنکا ، نیپال ، بھوٹان اور مالدیپ کی آبادی 1ارب 56 کروڑ 10لاکھ تھی ہے جو صرف چین کو چھوڑ کر بقایا دنیا کی آبادی سے بھی بڑی ہے۔

مگر اس خطہ میں غربت اپنی انتہا کو ہے تعلیم کے لحاظ سے بے شک بھارت، سری لنکا اور بنگلہ دیش پاکستان سے آگے ہیں مگر ہمارے وسائل ہونے کے باوجود بھارت کی اجارہ داری روزِ اوّل سے قائم ہے جس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہر ممبر ملک اس سے شاکی ہے۔ مگر وہ معیشت کی برتری کے سامنے کچھ نہیں کرسکتا مثلاً بنگلہ دیش کی سرحدیں اس سے ملتی ہیں جہاں بھارت اور بنگلہ دیش کی فوجوں میں جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ حال ہی میں اگر چہ موجودہ بنگلہ دیش کی حسینہ واجد جن کا رجحان بھارت کی طرف قیامِ بنگلہ دیش کی وجہ سے رہا تھا۔ سرحدوں پر کشیدگی ختم کر کے نئے بازار بنائے گئے ہیں اور بنگلہ دیش نے آنجہانی اندرا گاندھی کو بنگلہ دیش کا سب سے بڑا ایوارڈ بعد از مرگ انکی بہو مسز سونیا گاندھی کو دیتے ہوئے کہا کہ آپ کی ساس کے ہم تاعمر شکر گزار رہینگے کہ انہوں نے ہم کو پاکستان سے آزادی دلوائی یہاں وہ بھول گئیں کہ اس آزادی کے بعد بھارتی فوجوں اور انکے ہموا بنگلہ دیشی حکمرانوں کو جن میں شیخ مجیب الرحمٰن کو قتل کر کے ان کی لاش کو دو دن تک نشانِ عبرت بنانے کے لئے انکے بنگلے میں پڑا رہنے دیا اور حسینہ واجد کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ان دنوں بنگلہ دیش سے باہر تھیں اور اس آزادی کی آڑ میں بھارتی فوجی تمام بڑی بڑی انڈسٹریوں کی مشینیں بھی کھول کر بھارت لے گئے تھے۔ 20 سال تک نومولود بنگلہ دیشی پاکستان آکر اپنی غربت مٹاتے رہے اور پاکستان نے ان 20 سالوں میں لاکھوں بنگلہ دیشی غریب مزدوروں کا پیٹ بھرا اور جب وہ خوشحال ہوگئے تو دیگر ممالک سدھار گئے۔ یہاں میرا مقصد صرف بنگلہ دیش اور پاکستان کے حالات پر تبصرہ کرنا نہیں ہے بلکہ اب ہم کول کر یہ سوچنا چاہئے کہ ہم اس خطہ کے عوام کو کیسے خوشحالی دے سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم کو مغربی یونین کی طرز پر سارک یونین کا قیام عمل میں لانا ہوگا جو ان یورپی ممالک نے 20 سال پہلے سوچا تھا اور پھر چند سال میں اس پر عمل بھی کر ڈالا جس کی وجہ سے آج ایک کرنسی یورو پوری دنیا میں سب سے مضبوط ترین کرنسی سمجھی جاتی ہے اس کرنسی کی وجہ سے ان

ممالک کی سرحدیں آج فرداً فرداً ممالک کے بجائے صرف ایک مضبوط ملک کی زنجیر میں پرو کر یورپی یونین کہلاتی ہے اور ان ممالک کا صرف ایک ویزہ شینگین ان کے تمام ممبران کے لئے کافی ہے اور سیاحوں کے لئے آزاد آمد و رفت کا آسان سفری پروانہ ہے۔ ہم کو بھی اسی طرز کا نظام سارک ویزہ جو آج چند مخصوص افراد کے لئے ہے اسے ختم کر کے تمام باشندوں کے لئے جاری ہونا چاہئے۔ اسی طرح تمام کاروبار سارک بزنس کے تحت ایک دوسرے کے لئے آزاد معیشت کے لئے شروع کرنے چاہئیں یعنی ان ممالک کے ممبران جس ملک میں چاہیں تجارت کریں اگر ایک کرنسی کا اجراء نہ ہوسکے تو کم از کم آزادانہ مقامی کرنسیوں میں تجارت شروع کر دینی چاہئے۔ اس وقت ہم پاکستانیوں کے لئے سری لنکا، مالدیپ اور نیپال نے ویزے ائرپورٹ پر جاری کر رکھے ہیں مگر افسوس ہم نے ابھی تک ان کے عوام کے لئے ایسا ویزہ جاری کرنے کا سسٹم نہیں کیا جیسے بھارت نے نیپال کے لئے اور نیپال نے بھارتی عوام کے لئے ویزہ ختم کر کے معیشت مضبوط کرلی ہے۔ اگر ہم آپس میں ان اختلافات کو دور رکھ کر کم از کم ایک دوسرے کے لئے ویزے اور تجارت کی رکاوٹیں ختم کر دیں تو سب سے زیادہ فائدہ بھارت کو ہی پہنچے گا اس کی وجہ بھارت حجم کے لحاظ سے ان تمام سارک ممالک کو 80 فیصد برآمد (Export) اور صرف 20 فیصد درآمد (Import) کرتا ہے وہ بھی خصوصی اشیاء جبکہ پاکستان تو 80 فیصد اشیاء بھارت سے ڈائریکٹ امپورٹ کرنے بجائے امارات اور یورپین پورٹ سے منگواتا ہے جس سے دونوں ممالک کو اضافی اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ آج اگر یہ تمام سارک ممالک کے ذمہ داران فیصلہ کرلیں تو انکی معیشت میں کتنا اضافہ ہوگا یہ سوچ بھی نہیں سکتے ساتھ ساتھ ان ممالک میں سیاحوں کی تعداد اتنی بڑھے گی جو خود بخود معیشت کی مضبوطی اور آپس کی دوستی کا باعث ثابت ہوگی۔ یہاں ایک بات اور صفائی سے بتادوں کہ بھارت سے مسلمان بھائی 99 فیصد آکر آباد ہوئے ہیں اور آج بھی پاکستان

آکر وہ واپس نہیں جانا چاہتے مگر پاکستان سے شاید 1فیصد لوگ بھی بھارت میں جا کر آباد ہوئے ہوں۔اس سے ہم کوکوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے اصل مقصد ہم کو سارک ممالک کی معیشت اور عوام کی خوشحالی کے لئے اقدامات کرنا چاہئیں جو بدقسمتی سے ہمارے چھپے ہوئے دشمنوں نے آج تک ہم کو دور رکھا ہوا ہے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے بجائے رنجشیں بڑھانے میں ہی مصروف ہیں اور سارک کی افادیت ختم کررکھی ہے۔کاش ہم سب مل کر سوچیں کہ ہم کو کیا کرنا ہے۔

﴿ واہگہ سرحد پر خوشگوار تبدیلی ﴾

اس سال 23 مارچ 2011ء کو میں لاہور میں تھا، دوپہر کو میرے ایک دوست کے گھر پر کھانا تھا کافی بے تکلف دوست تھے اس لئے کھانا بھی پر تکلف تھا۔خصوصاً ہمہ اقسام کے باربی کیو کئے ہوئے گوشت کے ساتھ ساتھ باربی کیو سبزیاں بھی تھیں خوب سیر ہو کر کھانا کھایا، دوپہر کو پھر ستانے لیٹ گئے۔تو ہمارے دوست جو زندہ دل صنعتکار ہیں لیٹے لیٹے زور سے اچھلے جیسے انہیں کچھ یاد آگیا ہو۔بولے آج 23 مارچ پاکستان کا قومی دن ہے چلئے آج ہم لاہور والے کراچی والوں کو ایک انوکھا ڈرامہ دکھاتے ہیں۔کہنے لگے سہ پہر کو وہ سیر کرانے پاکستان بھارت کی سرحد پر لے جائینگے شام 5 بجے وہ مجھے پاک بھارت کی سرحد واہگہ لے گئے۔انہوں نے خصوصی پاس بنوا رکھے تھے گاڑی بغیر رکاوٹ واہگہ کی چوکی میں جا کر رکی جہاں ایک جم غفیر عوام کا میلہ لگا ہوا تھا۔سرحد کے دونوں اطراف میں لمبی لمبی بینچیں تھیں اور خواتین، مرد، بچے سب ہی ان پر بیٹھے تھے جیسے کوئی شو ہونے والا ہے۔میرے دوست سب سے آخری رو میں خصوصی بینچوں پر مجھے لے گئے جہاں سے بھارتی سرحد کے اس پار بھی اسی طرح کی بینچیں بنی ہوئی تھیں اور ان پر بھی وہاں کے عوام جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے، نوجوان براجمان تھے وہ بھی اسی طرح اس شو کو دیکھنے کی تیاری کر کے آئے تھے۔سرحد کے دونوں طرف اونچی فصیلوں پر اپنے اپنے ممالک کے جھنڈے لہرا رہے تھے اور دونوں طرف جنگی نغمے اونچی آوازوں میں عوام کو سنا کر گرمائے جا رہے تھے۔ان بینچوں کے درمیان بہت چوڑی صاف ستھری سڑک تھی جس پر ½ 6 فٹ کے خوبصورت نوجوان بڑی بڑی پگڑیوں میں خصوصی جوتے پہنے کھڑے تھے جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ان نوجوانوں کو دیکھ کر پاکستانی جوش میں آ کر نغموں کے درمیان زور زور سے نعرہ تکبیر، پاکستان زندہ آباد، پاک فوج زندہ آباد کے نعروں سے گونج جاتا تھا، سڑک پر ایک بوڑھے شخص کو بھی دیکھا وہ سڑک کے ایک کونے

سے دوسرے کونے تک بڑا سا پاکستانی جھنڈا لے کر نوجوانوں کی پھرتی کی طرح دوڑ لگا کر مجمع کو اور بھی گرما رہا تھا۔ وہ پاکستانی جھنڈے کے رنگ کا کپڑا پہنا ہوا تھا جس طرح ہمارے بابائے کرکٹ جو ہر میچ میں پاکستانی کھلاڑیوں کو گرمانے کے لئے برس ہا برس سے باقاعدگی سے میچ میں تماشائیوں کے درمیان موجود ہو کر مورال بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح یہ موصوف بھی ایسا ہی کردار ادا کر رہے تھے۔ لوگوں نے بتایا کے تقریباً 40 پچاس برس سے لوگ روزانہ ان کو باقاعدگی سے شرکت کرتے دیکھ رہے ہیں، عوام ان کو دیکھ کر تالیاں بھی بجاتے ہیں اور کچھ لوگ ان کو انعام میں روپے بھی دے دیتے ہیں۔

سرحد کے درمیان میں بہت بڑے بڑے گیٹ لگے ہوئے تھے دونوں طرف ان پر بھی پرچم لہرا رہے تھے۔ دراصل یہ پرچم اتارنے کی رسم تھی جو روزانہ سورج کے غروب ہونے پر دونوں ممالک کے فوجی انجام دیتے تھے اور اسی طرح صبح سورج کے طلوع ہونے پر پرچم چڑھانے کی رسم ادا کی جاتی ہے جو قیام پاکستان سے لیکر آج تک جاری ہے۔ پھر ہم نے دیکھا یہ نوجوان دراز قد فوجی حرکت میں آئے انکے انچارج نے ایک سیٹی بجائی اور مارچ پاس کا حکم دیا۔ یہ نوجوان بڑی شان سے ترتیب میں بڑے بڑے ڈگ مارتے ہوئے سڑک کے بیچ میں ایک مخصوص انداز میں پھرتی کے ساتھ مارچ پاس کرنے لگے۔ ان کو دیکھ کر دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں یہ جہاں سے بھی گذرتے وہاں عوام کا جوش قابل دید تھا۔ نعروں کی گونج میں سماں بندھا ہوا تھا جسے الفاظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا البتہ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے یہ فوجی سرحد کے اس پار حملہ کرنے والے ہیں اور بھارتی فوج کو للکار کر مقابلہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ نوجوان سرحد کے گیٹ کے پاس آ کر صف بنا کر کھڑے ہو گئے اسی طرح سرحد کے دوسری طرف سے بھی ایسی ہی پریڈ سنائی دی اور وہاں بھی ایسے ہی لمبے تڑنگے فوجی نوجوان مارچ پاس کر کے اپنی سرحدی گیٹ کے سامنے آ کر وہ بھی کھڑے ہو گئے۔

بھارتی نوجوان دیکھنے میں ہمارے پاکستانی فوجی نوجوانوں سے کم تر تھے انکے قد وقامت ہمارے فوجیوں سے چھوٹے اور کمزور لگتے تھے، حالانکہ وہ بھی چاک و چوبند دستے کی طرح اپنی چالوں سے بھارتی عوام کو گرما رہے تھے دونوں طرف نغموں کی گونج بڑے بڑے اسپیکروں سے سنائی جاری تھی مگر ہماری طرف زیادہ جوش و خروش تھا کہ فوجی کمانڈر کی پاٹ دار آواز سنائی دی اور ہمارے نوجوانوں نے سر کو جھٹکا دیا نفرت اور غصے سے بھارتی فوج کی طرف دیکھا، قومی ترانہ بجا اور ہمارے 2 نوجوانوں نے جھنڈا اتارنا شروع کر دیا اور بار بار سرحد کے اس پار بڑے غصے سے نفرت سے سر کو جھٹکا دیتے جاتے اور آہستہ آہستہ سبز ہلالی پرچم کو آہستہ آہستہ اتارنے میں کامیاب ہوئے۔ یہاں کے عوام نے پھر زور سے نعرۂ تکبیر اور پاکستان زندہ آباد کے پوری آواز سے نعرے لگائے جیسے بھارتی عوام کو بتا رہے ہوں کہ ہم تم سے کم نہیں بلکہ ایک قدم زیادہ ہیں۔ پھر اس طرح کا عمل سرحد کے اس طرف بھارتی فوجیوں نے بھی دہرایا اس طرح ہمارے گیٹ کے سامنے آ کر گردن اور پگڑیوں کو جھٹکا دیا غصے اور نفرت سے ہمارے فوجیوں کی طرف دیکھا، زمین پر زور سے اسی طرح جوتے مارے اور اپنا ترنگا (جھنڈا) انکے ترانے بندے ماترم کے گونج میں اتار دیا۔ وہاں کے عوام نے اسی طرح تالیاں بجائیں اور اب یہ شو ختم ہو گیا۔ دونوں طرف کے فوجی زور زور سے زمین پر پیر مارتے واپس لوٹ گئے۔ عوام بھی نعرے لگاتے ہوئے اپنی اپنی راہ لیئے واپس روانہ ہو گئے۔ آدھے گھنٹے کا شو جوش و خروش کے ساتھ ختم ہوا۔

میں اور میرے دوست آپس میں کہہ رہے تھے کہ ایک اچھے پڑوسی ایسا نہیں کرتے نہ دنیا کی کسی سرحد پر ایسا ڈرامہ رچایا جاتا ہے اس سے تو آپس میں دوستی کی فضاء قائم نہیں ہو سکتی بلکہ دونوں طرف کے عوام کے ایک دوسرے سے نفرت کے جذبات بڑھانے میں کام آئینگے۔ کہاں ہم گذشتہ کئی سال سے امن و آشا کی طرف میڈیا میں عوام کو خیر سگالی کا جذبہ اُبھار رہے ہیں۔ ہمارے اکابرین، فلمی اور عوامی

نمائندے طاقتوں کی شکل میں ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ان اچھے پڑوسیوں کی طرح رہنے میں زور دے رہے ہیں مگر اس طرح کے رسم عمل سے تو ہم ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہماری موجودہ جمہوری حکومت روزِ اول سے بھارت سے اچھے تعلقات کی توقع رکھتی ہے تو پھر اس کو چاہئے کہ عملی طور پر خود پہل کرے اور خوشگوار ماحول میں یہ جھنڈا اتارنے اور چڑھانے کی رسم ادا کرے۔ روزانہ جھنڈا اتارنے کے بعد ہمارے فوجیوں کو چاہئے کہ بھارتی فوجیوں کو پھولوں کے ہار پہنائیں اور اسی بھارتی فوجی جواب میں ایسی ہی خیر سگالی کا ثبوت دیں تو دونوں طرف کے عوام ایک اچھے پڑوسیوں کی طرح رہنے کی پہل کریں۔ آج 14 اگست کو اخبارات میں سرحد کی ایک تصویر شائع ہوئی ہے جس میں ہمارے فوجی کمانڈر بھارتی ہم عصر کو مٹھائی کا تحفہ پیش کر رہے ہیں۔ اس تصویر کو دیکھ کر مجھے یہ واقعہ یاد آیا کہ کاش یہ صرف 14 اگست تک محدود نہ رہے اس طرح روزانہ اگر ایسا کیا گیا تو ہم یقیناً اچھے تعلقات ہموار کر کے دونوں طرف کے عوام کو ایک دوسرے کے ملک میں خوش آمدید کہہ کر اپنے دشمنوں کے منہ بند کرنے میں کامیاب ہو نگے جو نہیں چاہتے کہ ہم ایک ہوں اور ہماری خوشحالی کی ضمانت بھی اسی میں ہے۔ یہ بے شک ایک خوشگوار تبدیلی ہے اسے اور آگے بڑھانا چاہئے۔ اللہ کرے یہ 65 واں یوم آزادی دونوں ملکوں کے لئے اچھی دوستی کی ابتداء ثابت ہو۔

﴿بنگلہ دیش میں صرف تین دن کا قیام﴾

کئی ماہ سے ایک امریکن کمپنی کے انجینئر کو پاکستان بلوانا چاہتا تھا تا کہ امریکن کمپنی کی مشین خریدی جا سکے مگر نہ تو وہ امریکن کمپنی اپنا نمائندہ بھیجنے کے لئے تیار تھی اور نہ کسی ایکسپرٹ کو وجہ یہ بتاتی تھی کہ پاکستان ریڈ زون میں شامل ہے۔ امریکن حکومت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اُس کا شہری پاکستان میں غیر محفوظ ہیں۔ اسی دوران ہفتہ کی شام اُس کے پاکستان ایجنٹ نے فون پر بتایا کہ اُس امریکن کمپنی کا نمائندہ 2 دن کے لئے بنگلہ دیش کے شہر ڈھاکہ جا رہا ہے وہ پیر سے بدھ تک وہاں قیام کرے گا۔ اگر پاکستان سے آکر کوئی ملنا چاہے تو وہ ڈھاکہ میں اُس سے مل سکتا ہے۔ میں نے پوچھا آج ہفتہ ہے اتوار کو پاکستان میں بنگلہ دیش کی ایمبیسی بند ہے اور عام طور پر کئی دن بعد ویزہ ملتا ہے کیسے ممکن ہے کہ میں ڈھاکہ جا سکوں۔ اُس کے ایجنٹ نے بتایا کہ پاکستانی صنعتکاروں کے لئے بنگلہ دیش حکومت کے ادارے BOI بورڈ آف انوسٹمنٹ چند گھنٹوں میں ڈھاکہ ائرپورٹ پر پہنچنے پر ویزہ دے سکتی ہے۔ اگر ہم اپنا پاسپورٹ ڈھاکہ آفس فیکس کر دیں۔ چنانچہ میں نے اپنے پاسپورٹ کے ابتدائی صفحات فیکس کر دئے۔ بنگلہ دیش میں صرف جمعہ کی چھٹی ہوتی ہے ہم نے اتوار کو اپنا آفس کھلوا کر یہ کام انجام دیا۔ اتوار کی رات اُن کی منظوری آگئی۔ پیر کو پی آئی اے کا ٹکٹ جاری کروا کر منگل کی صبح 9 بجے کی فلائٹ بک کروائی۔ اتفاق سے اتوار، پیر، منگل کراچی میں زبردست بارش سے سڑکیں بند تھی مگر پھر بھی صبح ائیر پورٹ پہنچ گیا۔ پی آئی اے کے کاؤنٹر سے چیک ان ہو کر جب FIA کے کاؤنٹر پر پہنچا تو FIA والوں نے ویزہ طلب کیا تو میں نے آنے والے ویزے کے فیکس کاپی دکھائی تو انہوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کل ویزہ ملا ہے یعنی ایک دن کے یہاں بیٹھے بٹھائے ویزہ مل جائے۔ اُس کی اصلی کاپی دکھائی جائے میں نے کہا یہ ناممکن ہے ایک دن میں اصلی کاپی ملے۔ مگر ڈھاکہ ایئر پورٹ پر وہ اصلی کاپی مل جائے گی۔ اس نے کہا اچھا آپ پی آئی اے سے اس ویزے پر اسٹیمپ کروائیں کہ اس ویزا پر بورڈنگ ہو سکتی

ہے۔میں نے کہا کہ اگر پی آئی اے کو اعتراض ہوتا تو وہ بورڈنگ کارڈ جاری نہیں کرتے مگر وہ آفیسر نہیں مانا۔میں نے پی آئی اے آفیسر سے رجوع کیا ان کے لیے بھی یہ انہونی بات تھی بغیر اصل ویزہ کاپی وہ مجھے بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتے تھے۔انہوں نے بھی مجھے روکنے کیلئے ایف آئی اے سے ہامی بھری اور میرا بورڈنگ کارڈ واپس لے لیا۔اتفاق سے ایک پی آئی اے کے آفیسر جن سے راقم کی جان پہچان تھی وہ بھی اس شفٹ کے انچارج تھے۔ان کو حقیقت بتائی اور کہا کہ اگر چاہیں تو ڈھاکہ ایئر پورٹ پر امیگریشن والوں سے تصدیق کر سکتے ہیں۔انہوں نے ڈھاکہ امیگریشن والوں کو کنٹیکٹ کیا، کوئی نہیں ملا کیونکہ بہت صبح تھی۔کافی کوششوں کے بعد انہوں نے راقم سے لکھوایا کہ اگر ڈھاکہ امیگریشن والوں نے ایئر پورٹ سے واپس یعنی ڈی پورٹ کیا تو پی آئی اے ذمہ دار نہیں ہوگی اور میں اپنے ہی ٹکٹ پر واپس آؤں گا جو کہ میرے پاس تھا۔اللہ اللہ کرکے ڈیپارچر لاؤنج پہنچا۔جہاز بارش کی اور اسٹاف کی کمی کی وجہ سے تاخیر کا شکار تھا 2 گھنٹے کے بعد جہاز کے اندر پہنچے تو بزنس کلاس کی سیٹ پر بیٹھے تو 10 منٹ بعد ہی جہاز کی چھت سے پانی قطروں کی شکل میں ٹپکنا شروع ہوگیا۔پی آئی اے کے عملے کو بلا کر دکھایا۔انہوں نے سیٹ چینج کردی مگر چند ہی منٹ بعد دوسری سیٹ پر بھی پانی ٹپکنا شروع ہوا اور باقاعدہ دھار کی صورت میں ٹپکتا رہا۔دیگر مسافر بھی پریشان ہوگئے مگر پی آئی اے کے عملے نے جب کپتان سے رابطہ کیا تو اس نے کہا کوئی بات نہیں جب جہاز اُڑنے لگے گا تو پانی بند ہوجائے گا۔یہ جہاز 747 جمبو جیٹ تھا۔یاد رہے ان جہازوں پر یورپ میں پابندی کئی سال پہلے ہی سے لگی ہوئی ہے مگر پی آئی اے تب سے دیگر روٹس پر چلا رہا ہے۔خیر جانا ضروری تھا اور کپتان مطمئن تھا نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئے۔جہاز ہوا میں بلند ہوا اور واقعی پانی ٹپکنا بند ہوگیا مگر آدھے راستے میں میری سیٹ سے آگے بیٹھے مسافر جو سیٹ پر لیٹے ہوئے تھے ان کی سیٹ ٹوٹ گئی اور وہ جہاز کے عرشے پر آگرے۔عملے نے ان کو اُٹھایا اور بڑی معذرت بھی کی۔ہم سب مسافر خاموشی سے تماشا دیکھتے رہے۔جب تک ڈھاکہ

ایئر پورٹ پر جہاز نہیں اُتر گیا ہم سہمے بیٹھے رہے کہ ہمارا سول ایوی ایشن کا عملہ کیسے ان ناکارہ جہازوں کو پرواز کی اجازت دیتا ہے۔ڈھاکہ ایئر پورٹ پر اس بورڈ آف انویسٹ منٹ کا الگ کاؤنٹر تھا۔وہاں پہنچے تو ان کے نمائندوں نے تمام ویزے کی کاروائی پوری کی اور صرف 3 ڈالر فیس وصول کرکے امیگریشن کاؤنٹر سے چند منٹ میں فارغ کردیا۔یاد رہے آج کل تمام دنیا بھر میں انوسٹمنٹ اور غیر ملکی صنعت کاروں کو راغب کرنے کیلئے BOI کا ادارہ بہت فعال کردار ادا کر رہا ہے جو پاکستان میں بھی گذشتہ 25 تیس سال سے قائم ہے مگر اس کی کارکردگی کا آج تک کچھ معلوم نہیں ہے اور سرمایہ کار تو پاکستان میں لگے ہوئے کاروبار بند کرکے تخریب کاری، بجلی کی لوڈشیڈنگ کے ڈر سے ملک چھوڑ کر بنگلہ دیش جیسے چھوٹے ملک میں شفٹ ہونے کیلئے تیار ہیں۔کراچی کے مقابلے میں ڈھاکہ بہت چھوٹا شہر ہے پھر بھی وہاں کی حکومت سرمایہ کاری کیلئے بڑے بڑے اقدامات کر رہی ہے باوجود اس امر کہ ٹریفک ہر وقت جام رہتی ہے اس کی وجہ کم سڑکیں اور ہاتھ کے رکشے کی کثرت ہے۔ان کو پاکستان سے الگ ہوئے 40 سال ہو چکے ہیں اس وقت ان کا ٹکہ یعنی روپیہ ایک روپے میں 2 ملتا تھا مگر آج ایک روپے پچیس پیسے تک مضبوط ہو چکا ہے۔بجلی کا یہاں بھی بحران ہے، گیس کی بھی شارٹیج ہے ترقی بھی پاکستان سے کم رفتار میں ہے مگر ہر طرف امن ہے۔جمہوریت کی وجہ سے اس ملک کی دو بڑی جماعتیں یعنی عوامی لیگ اور بی این پی کی قائد دو خواتین یعنی حسینہ شیخ صاحبہ مجیب الرحمٰن کی بیٹی اور خالدہ ضیاء سابق وزیر اعظم ضیاء الرحمٰن کی بیوہ ہیں۔حسینہ شیخ کا دباؤ بھارت کی طرف ہے جبکہ 75 فیصد عوام بھارت کے خلاف ہیں اور پاکستان سے اچھے تعلقات چاہتے ہیں جو سابق وزیر اعظم خالدہ ضیا صاحبہ کے اپنے ادوار میں پاکستان کے ساتھ تعاون کیا اور پاکستان کو ترجیح دی۔مگر حسینہ شیخ جواب دوبارہ خالدہ ضیاء کی پارٹی کو ہرا کر برسرِ اقتدار ہیں بھارت کی طرف جھکاؤ رکھتی ہیں اور پاکستان سے ان کے دل میں بغض بھرا ہوا ہے جس کی مثال حالیہ سارک کی انرجی کانفرنس میں سب سے پہلے انہوں نے

انگریزی میں تقریر کے بجائے بنگلہ میں تقریر کی جو میزبان ملک کی روایت کے خلاف تھی ۔اس کانفرنس کا افتتاح بھی انہوں نے جمعرات 15 ستمبر کو کیا اور اپنی تقریر میں کہا کہ ہم نے ایک لاکھ افراد کی موت اور 2 لاکھ عورتوں کو عصمتیں گنوا کر حاصل کیا ہوا بنگلہ دیش 40 سال گزرنے کے باوجود اس صدمے کو بھلانے کو تیار نہیں ہے ۔ان کا اشارہ ڈھاکہ قتل 1971ء پاکستانی فوج کی طرف تھا ۔اس کانفرنس میں ہمارے وزیر توانائی کی آمد متوقع تھی مگر کسی وجہ سے وہ نہیں آسکے اور نہ ہی اسلام آباد سے فارن آفس کے سیکریٹری نے شرکت کی ۔صرف سارک پاکستان کے 2 نمائندے شریک تھے انہوں نے خاموشی سے ان کی جذباتی زہر سے بھری تقریر سنی ۔اتفاق سے راقم چونکہ اسی ہوٹل میں مقیم تھا تو میزبانوں کی اجازت سے شریک ہوا اور کانفرنس کے اغراض و مقاصد سے آگاہ ہوا۔کاش ہماری حکومت بنگلہ دیش کی حکومت سے ایسے بے ہودہ راگ الاپنے کے خلاف احتجاج کرکے باوجود وہاں کے مقامی باشندے بھی اس تقریر سے شاکی تھے ۔بے شک حب الوطنی ضروری ہے مگر سارک میں رہتے ہوئے ایسے جملے استعمال کرنا سارک کے مقاصد کو نقصان پہنچا رہا ہے ۔اسی وجہ سے آج 25 سال گزرنے کے باوجود سارک ممالک صرف ایک اسٹیج پر بیٹھ کر کوئی ایسا کارنامہ انجام نہیں دے سکے جو ان ممالک کے عوام کی معاشی بدحالی کو ختم کر سکے حتیٰ کہ ایک دوسرے کے ملک میں بغیر ویزے کے آجا سکیں یا پھر آزادانہ تجارت کر سکیں ۔طرح طرح کی پابندیاں لگی ہوئی ہیں ۔صرف وعدوں پر یہ سارک تنظیم گفتاً نشستاً و برخاستاً کے محاورے پر عمل کر رہی ہے ۔میری سارک ممالک کے ذمہ داروں سے درخواست ہے کہ یا تو اس ادارے کو فعال کریں یا پھر اس ادارے کو ختم کر دیں ۔ہم یورپ کی طرح یورپی یونین نہیں بنا سکتے اور نہ ہی گلف والوں کی طرز پر گلف ریاستوں کا اتحاد قائم کر سکتے ہیں ۔کاش ہم سب مل کر سارک کے اغراض و مقاصد پر غور کریں اور اس کو عوام کی بہتری کے لیئے کام کریں ۔صرف 3 دن بعد بنگلہ دیش میں اس امریکن کمپنی کے نمائندے سے مل کر پاکستان واپس آ گیا ۔اگر کم از کم بنگلہ دیش اور پاکستان جو

ماضی میں ایک جان اور دو قالب تھے دوبارہ متحد ہو کر پھر سے کنفیڈریشن کر لیں یا پھر کم از کم دوطرفہ تجارت اور ویزوں کی پابندیاں ختم کر لیں تو پھر دونوں ہی ترقی کر سکتے ہیں ۔یہی بنگلہ دیشیوں کی اکثریت کی خواہش ہے ۔

﴿ہماری ڈرگ پالیسی اور بنگلہ دیش کی پالیسی﴾

گذشتہ ہفتے راقم نے اپنے کالم میں بنگلہ دیش میں قیام کا حال لکھا تھا۔اس کا بقیہ حصہ آج کے کالم میں پیش کررہاہوں ۔مشرقی پاکستان کے سیاستدانوں میں جن میں سب سے آگے مرحوم شیخ مجیب الرحمٰن تھے انہوں نے بنگالیوں کو اس بات پر اکسایا ہوا تھا کہ مغربی پاکستان کے افراد ان کا استحصال کررہے ہیں اور مشرقی پاکستان کی واحد پیداوار جوٹ کے بل بوتے پر سارا سرمایہ مغربی پاکستان لے جاتے ہیں مگر حقیقت اس کے برعکس تھی ۔مشرقی پاکستان میں جوٹ کی کل آمدنی 30فیصد بھی نہ تھی جو بعد میں بنگلہ دیش بننے کے بعد ثابت ہوگئی اور مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے 70% مقامی طور پر درآمدات کرتا تھا جس میں ہر قسم کے استعمال کی چیزیں حتیٰ کہ چاول، گندم اور ادویات شامل تھیں ۔آج میں وضاحت کے ساتھ بنگلہ دیش کی ڈرگ پالیسی پر تبصرہ کروں گا جس کا راقم نے تفصیل سے مشاہدہ کیا ہے ۔جب بنگلہ دیش کا قیام 16دسمبر 1971ء کو وجود میں آیا اس وقت چند فیکٹریاں جن میں چٹ گاؤں شہر میں کرنافلی پیپر ملز، ڈھاکہ میں آدم جی جوٹ ملز کے علاوہ چند ادویات کی چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں تھیں اور بنگلہ دیش خود کفیل کسی چیز میں بھی نہیں تھا لہٰذا اس کا سکہ (ٹکا) پاکستان کے روپے کے مقابلے میں آدھا یعنی ایک روپے میں 2ٹکے ملتے تھے، ہر طرف غربت کا راج تھا۔تلاش روزگار کے لیے بنگالی بھارت، نیپال کے راستے غیر قانونی طور پر پاکستان آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی لاکھ بنگالی پاکستان پہنچ گئے ۔بھارت نے قیام بنگلہ دیش کے بعد اس کی افواج نے کرنافلی پیپر ملز اور آدم جی جوٹ ملز جن کے مالکان پاکستان جاچکے تھے ان کی فیکٹریوں کی بڑی بڑی مشینریاں کھول کر بھارت بھجوادیں یہ انہوں نے بنگالیوں کو آزاد کرانے کی پہلی قسط وصول کی جس کی وجہ سے اب بنگلہ دیش اور معاشی طور پر کمزور ہوگیا تھا ۔پھر نوجوان بنگالیوں نے لاکھوں کی تعداد میں گلف کی ریاستوں کا رخ کیا اور وہاں جا کر نوکریاں تلاش کیں اور زرمبادلہ بھیجا جس کی وجہ سے اس کی معیشت میں بہتری آئی پھر بنگلہ دیشی

حکمرانوں نے امپورٹ کی پالیسیاں بنائیں ۔آپ مارکیٹ سے ڈالر خرید کر امپورٹ کر سکتے تھے ۔اس کا شرح ٹیکس 50فیصد تھا اس سے مقامی لوگوں نے فیکٹریاں لگانی شروع کیں جن میں سب سے زیادہ ضرورت ادویات کی پڑتی تھی کیونکہ 90فیصد ادویات مغربی پاکستان سے آتی تھیں جن پر پابندی عائد کردی گئی اب بھارت چونکہ بنگلہ دیش سے متصل تھا دھڑا دھڑ اسمگل ہونی شروع ہوگئی ۔بنگلہ دیش کی ڈرگ پالیسیاں بہت موثر بنائی گئیں جس میں حب الوطنی کا عنصر سب سے نمایاں تھا ۔وہاں صرف مقامی لوگوں کو تمام مال بنانے کی مکمل آزادی تھی ۔ڈرگ رجسٹریشن کیلئے مقامی افراد ہی تمام اجزاء پر مشتمل ادویات بنا سکتے تھے مگر غیر ملکی جن میں بھارت، نیپال، پاکستان اور سری لنکا بھی شامل تھے اور دوسری طرف ملٹی نیشنل کمپنیاں تھیں ان کو پابند کیا گیا کہ وہ صرف جان بچانے والی انٹی بائیوٹکس اور جو بھی اس کمپنی کی ریسرچ ادویات ہوتی تھیں وہ بنا سکتے تھے ۔یعنی عام ادویات جن میں مشروبات، کھانسی کے شربت، کیپسول، طاقت کی ادویات اور عام بخار کی ادویات وغیرہ نہیں بنا سکتے تھے ۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج بنگلہ دیش میں 250 سے زیادہ فیکٹریاں مقامی افراد کی ملکیت ہیں ۔98فیصد ادویات بنارہی ہیں اور صرف 4فیکٹریاں جو ملٹی نیشنل کی ملکیت ہیں 2فیصد ادویات بنارہی ہیں ۔اس کے برعکس اگر پاکستان کی ڈرگ پالیسی کا مشاہدہ کیا جائے تو قیام پاکستان کے 67 سال گزرنے کے بعد آج تک اس کو تجربات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے ۔1973ء تک تو یہ صرف صوبائی سطح تک کنٹرول کی جاتی تھی مگر 80فیصد غیر ملکی کمپنیاں ان پر قابض کرادی گئی تھیں ۔ہر قسم کی ادویات کے لائسنس صرف غیر ملکی کمپنیوں کے پاس تھے مقامی افراد کم پڑھے لکھے ہونے کی وجہ سے دوسرے عام قسم کے کاروبار کرتے تھے ۔صرف چند ادویات کی فیکٹریوں کے مالکان پاکستانی تھے ۔پھر ہماری بیوروکریسی بھی ملٹی نیشنل کو ادویات بنانے کا حقدار سمجھتی تھی جس کی وجہ سے ان کی اجارہ داری قائم تھی ۔جب 1973ء میں پہلی بار پی پی پی کی حکومت آئی تو ان کی اجارہ داری ختم کرنے کیلئے عام ادویات کے نام پر بنانے کی شرط لگائی گئی اس کو

جزک ایکٹ 1973 کا نام دیا گیا۔اس کی وجہ سے اب مقامی لوگوں کو صحیح معنوں میں ادویات سازی کی دعوت ملی اور غیر ملکی کمپنیوں نے اپنا کاروبار بند کرنا شروع کر دیا۔اس کی وجہ جزک ایکٹ میں ایک ہی جیسے نام کی ادویات مارکیٹ میں آئیں تو معلوم ہوا غیر ملکی کمپنیاں اپنے اپنے برانڈز کی وجہ سے چار چار گنا دام وصول کر کے پاکستانیوں کو لوٹ رہی تھیں۔پاکستانی کمپنیوں میں آزادانہ کمپیٹیشن شروع ہوا اور کافی کاروبار مقامی کمپنیوں کو ملنے لگا تو صرف 3 سال بعد ان غیر ملکی کمپنیوں نے اس وقت کی ڈرگ پالیسوں کے خلاف موثر دباؤ ڈال کر غیر معیاری پاکستانی ادویات کے نام پر پی پی پی کی حکومت پر اپنے اپنے ایمبیسڈروں کے ذریعے کھیل کھیلا اور جزک ایکٹ جس کی وجہ سے عوام کو سستی ادویات پاکستانی کمپنیوں سے مل رہی تھیں بند کروا دیں اور ڈرگ ایکٹ 1976 رائج کروا دیا جس کی وجہ سے اب دوبارہ ادویات برانڈ ناموں سے پھر رجسٹریشن کی آڑ میں نافذ کر دیا گیا جبکہ اس سے قبل ایک ڈرگ لائسنس کے اجراء سے آپ جتنی ادویات چاہیں بنوا سکتے تھے۔مگر اب ہر دوا کی الگ الگ رجسٹریشن ہونے لگی ہے پھر بھی مقامی لوگوں نے اپنی اپنی کمپنیاں رجسٹرڈ کروائیں اور ایک بدنام زمانہ فرد کی وجہ سے ادویات کا کاروبار پھر غیر ملکی کمپنیوں کے کنٹرول میں آگیا اور آج تک غیر ملکی کمپنیاں اپنی من مانی کر کے مہنگی ادویات فروخت کر رہی ہیں جس کی وجہ سے آج مہنگی ادویات کا شور اُٹھتا رہتا ہے اور محکمہ صحت جس نے ادویات کی غیر ملکی کمپنیوں سمیت غیر ممالک سے بھی ادویات کی درآمد کی اجازت دے رکھی ہے وہ عام بخار کے علاوہ کھانسی کے شربت کے ہوں یا طاقت کی گولیوں کے ہوں جو پاکستان میں بنتے ہیں کھلے عام منگوا کر ہم زرمبادلہ ضائع کر رہے ہیں۔475 کمپنیوں میں سے 450 کمپنیاں اگرچہ پاکستانی ہیں اور صرف 25 کمپنیاں غیر ملکی ہیں مگر ان کا 58 سے 60فیصد کاروبار پر آج بھی ان کی اجارہ داری قائم ہے اور 450 کمپنیاں مل کر 40فیصد تک مال بنا کر ان سے اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہیں۔عوام کی اطلاع کیلئے پاکستان میں 136ارب روپے کی ادویات بکتی ہیں جو 17 کروڑ عوام کی

ضرورت پوری کرتی ہیں۔یعنی ایک پاکستانی سال بھر میں 800روپے کی ادویات استعمال کرتا ہے یعنی صرف 2.19روپے روزانہ فی فرد کے حصہ میں ادویات آتی ہیں۔اس پر ہر طرف مہنگائی کے شور میں صرف ادویات پر کنٹرول کیا جاتا ہے۔جبکہ عام کھانے پینے کی اشیاء دودھ، دہی، گوشت، گندم، سبزیاں اور فروٹ کی قیمتوں کے کنٹرول کا موثر نظام نہیں ہے اور وہ ادویات کی نسبت 1200 گنا تک بڑھ چکی ہیں۔5روپے گیلن کا پیٹرول آج 90روپے فی لیٹر ہو چکا ہے۔1روپے کلو کا گوشت آج 500روپے تک پہنچ چکا ہے مگر ادویات پر 5روپے ڈالر والا قانون آج تک نافذ ہے جبکہ ڈالر بھی 5روپے سے بڑھ کر 90روپے تک پہنچ چکا ہے۔30جون 2011ء کو حکومت نے ایک مرتبہ پھر ڈرگ پالیسی ترتیب دی جس کی رو سے اب صوبائی سطح پر ڈرگ پالیسی منتقل کر دی گئی مگر آج 3ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔کسی بھی صوبے نے اپنی ڈرگ پالیسی کا اعلان نہیں کیا تمام پالیسیاں ہوا میں ہیں۔دوا ساز ادارے پریشان ہیں۔دو صوبوں یعنی بلوچستان اور نیا صوبہ گلگت بلتستان کے پاس تو ان کے دفاتر اور انفراسٹرکچر بھی نہیں ہے۔صوبہ پنجاب اپنی ڈرگ پالیسی بنا کر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے موڈ میں ہے جبکہ حکومت سندھ ابھی تک خاموش ہے۔2 سال بیشتر اس کا اعلان کر دیا گیا تھا مگر نہ مرکز نے کچھ سوچا کہ صوبوں کو منتقل ہونے کے بعد ڈرگ پالیسیوں کا کیا حشر ہوگا۔تمام صوبوں کے متعلقہ حکمران سو رہے ہیں کس کے پاس کیا قانون ہے آج تک اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ آئے دن جعلی کمپنیوں کے ذریعے ادویات پھیلائی جا رہی ہیں حتیٰ کہ آج ڈینگی وائرس کیلئے ادویات نہیں ہیں اور مچھروں کو بھگانے والے تیل پر سیلز ٹیکس اور دیگر امپورٹ ڈیوٹیاں عائد ہیں۔جعلی اسپرے بھی مارکیٹ میں بھرے پڑے ہیں اگر یہ وباء پنجاب سے نکل کر پورے ملک میں پھیل گئی تو کونسا ادارہ اس کا ذمہ دار ہوگا۔راقم کی رائے ہے کہ ادویات کی کنٹرول پالیسی صرف مرکز یعنی فیڈرل حکومت کی ہونی چاہیے۔جس میں ڈرگ لائسنس، ڈرگ رجسٹریشن اور اس کی قیمتوں کا کنٹرول واپس

مرکز کو دیا جائے اور غیر ملکی درآمدات کو بند کر دیا جائے کیونکہ اس سے زرمبادلہ ضائع ہو رہا ہے اور تمام غیر ملکی کمپنیوں سے عام ادویات بنانے کی رجسٹریشن ختم کر کے ان کو پابند کر دیا جائے کہ وہ صرف اپنی اصل ایجادات تک محدود رہیں عام ادویات جس طرح بنگلہ دیش میں مقامی کمپنیوں کو اجازت ہے وہی کمپنیاں بنائیں تاکہ مقامی لوگ اپنے کاروبار کو بڑھا سکیں اور غیر ملکی کمپنیاں ادویات کی کمائی اپنے ملک لوٹ کر نہ لے جا سکیں کیونکہ صوبے ابھی تک ڈرگ پالیسیاں بنانے کے لیے تیار بھی نظر نہیں آتے اس لیے انہیں صرف وہی پرانا قانون نافذ کر کے عمل میں لایا جائے اور فیڈرل ڈرگ کنٹرول اتھارٹی بنا کر اس افراتفری کو ختم کیا جائے۔

﴿ہیومن رائٹ والوں سے ایک سوال﴾

ہیومن رائٹ یعنی انسانی حقوق کی تنظیمیں پوری دنیا میں انسانوں کو بنیادی حقوق اور انصاف پہنچانے کیلئے کوشاں ہیں۔ اس بین الاقوامی ادارے کے ممبران، کرتا دھرتا افراد کے دفاتر پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جن کا کام صرف یہ دیکھنا ہے کہ کہیں کسی انسان جس میں عورتیں، بچے اور بوڑھے شامل ہیں ان کا کوئی استحصال تو نہیں کر رہا ہے۔ اس میں سیاست دان بھی شامل ہیں۔ ان کی یہ تنظیمیں یہ مشاہدات کرتی ہیں کہ کہیں بچوں کے ساتھ زبردستی جبری خدمت تو نہیں لی جارہی ہے جس کو آج کے زمانے میں (Child Labour) کہا جاتا ہے۔ کہیں خواتین کی توہین یا ان کی نسوانیت سے فائدہ اٹھا کر ان کے حقوق پامال تو نہیں کیے جارہے ہیں۔ کہیں ہمارے بوڑھے افراد تشدد کا شکار تو نہیں ہو رہے ہیں۔ ہمارے سیاستدانوں پر تو کوئی ظلم نہیں ہو رہا ہے۔ یعنی بین الاقوامی قوانین کے مطابق تمام انسان بشمول عورتیں، بچے، سیاستدان اور تاجر افراد قانونی تقاضے پورے کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ برابر کا سلوک اور انصاف ہو رہا ہے، کوئی کسی کا استحصال، ظلم، تشدد یا غیر قانونی سلوک تو نہیں کر رہا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ بین الاقوامی تنظیمیں جن کا فرض صرف دنیا کے ہر انسان کو انصاف کے دائرے میں رہتے ہوئے بنیادی حقوق کا تحفظ مہیا کرانا ہے۔ بہت زور شور سے تمام ملکوں میں ان کا نیٹ ورک کام کر رہا ہے جسے اقوام متحدہ اور تمام ترقی پذیر ممالک کی حمایت حاصل ہے۔ ان کے کمانڈر افراد غیر ترقی یافتہ یا یوں کہیں کہ پسماندہ ممالک میں اپنی سرگرمیوں کو فعال رکھتے ہیں اور دنیا کے عالمی ذرائع ابلاغ میں یہ تاثر دیتے ہیں کہ یورپ امریکہ کے علاوہ باقی تمام افریکی، ایشیائی، گلف کے علاقوں میں نہ تو تعلیم ہے اور نہ ہی ان کو بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ اس تنظیم کی یہ بات کسی حد تک صحیح ہے کہ ان ممالک میں انسانی حقوق بشمول عورتوں، بچوں اور سیاستدانوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں مگر اس تنظیم نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ پسماندہ ممالک ان ہی کی پروردہ تنظیمیں آئی ایم ایف، ورلڈ بینک،

ایشین بینک وغیرہ وغیرہ اداروں سے اپنے اپنے ممالک کیلئے قرضے حاصل کرتے ہیں تاکہ ان کے عوام بھی خوشحالی کی طرف جائیں مگر اتنے قرضے لینے کے باوجود آج تک خوشحالی ان سے کوسوں دور ہے جبکہ ان تنظیموں کے (Financiers) نہ صرف خوشحال ہیں بلکہ پسماندہ ممالک کے حکمرانوں کو دھمکیاں دے رہے ہیں کہ وہ اپنے قرضے وقت پر ادا کریں ورنہ ان کو نادہندہ قرار دے کر مزید مشکلات میں مبتلا کر دیں گے۔ ان اداروں کو اب جان لینا چاہیے کہ ان کے قرضے سودوں کے درمیان اتنے دب گئے ہیں کہ اصل تو ادا ہو چکا تھا مگر ان کے مکڑی نما جال میں اب اتنی مضبوطی نہیں ہے کہ غریب یا پسماندہ ممالک ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال تک ان کی قسطیں اور سود ادا کر سکیں گے۔ میرے اوپر کی تمہید لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ میں بتانا چاہتا ہوں کہ اس نئے سائنسی دور میں کسی کو نہ تو زیادہ بے وقوف بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی جبر و تشدد کی حکمرانی ہو سکتی ہے۔ اگر انسانی حقوق کی بات کی جائے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یورپ میں جانے والے ایشیائی افراد کیا انسان نہیں۔ ان کیلئے ویزے کا حصول کیوں ضروری ہے، وہ غربت والے علاقے سے بہتر حالات والے علاقے میں آنا چاہتے ہیں اور انہوں نے آ کر انہی مغربی ممالک میں ان کی معیشت کو بہتر بنایا ہے۔ انہوں نے یورپ کے آرام پسند افراد کی نسبت 24 گھنٹے کام کر کے بے شک اپنے لیے آسودگی تو حاصل کی مگر دوسری طرف اس کا تمام فائدہ تو یورپ کو ہی ملا کیونکہ ان کے باشندے اتنی محنت، مشقت کے عادی نہ تھے۔ یہ وہی ایشیائی باشندے ہیں جنہوں نے ان کی ایکسپورٹ کو بڑھایا، مگر کیا دیا انہوں نے ان کو جو گذشتہ تیس 40 سال سے یہاں کام کر رہے تھے۔ ان ایشیائی باشندوں پر اپنے ممالک میں آنے جانے کے دروازے آہستہ آہستہ بند کرنا شروع کر دیئے۔ یہی حال امریکہ کا بھی ہے ایک زمانہ تھا کہ ہمارے ڈاکٹرز، انجینئرز، بی فارمیسی، ٹیچرز بلوا کر ہمارے ملک میں ان کی قلت کر دی تھی۔ امریکہ جانا ایک فیشن تھا مگر آج جب یہی ممالک ان میں خود کفیل ہو گئے تو ہم پھر تیسرے درجے کی مخلوق بن گئے۔ مگر کہاں ہیں وہ عالمی تنظیمیں جو خود کو انسانی

حقوق کی علمبردار کہتی ہیں آئیں اور دیکھیں بین الاقوامی ائیرپورٹ پر کس کس طرح ایشیائی، افریقی اور غریب خلیجی ریاستوں سے آنے والے مسافروں سے توہین آمیز سلوک کیا جا رہا ہے۔ آج تک ہیومن رائٹس کے افراد کیا کبھی ان انٹرنیشنل ائیرپورٹس پر آ کر دیکھتے ہیں کہ یورپی اور امریکن ائیرپورٹ پر کس طرح سے ان غریبوں کی تضحیک ہوتی ہے۔ وہ ہمارے ایشیائی بچوں کی جنگ ہمارے ہی ملک میں کیوں لڑنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواتین کی بے حرمتی کی آواز ہمارے ہی ملک میں آ کر اُٹھاتے ہیں۔ ان کو نہیں معلوم کہ ہمارے انہی بچوں، خواتین اور محنت کشوں کو خود ان کے ترقی یافتہ ممالک ویزے دینے میں کیسا کیسا سلوک کرتے ہیں۔ کبھی انہوں نے ان ممالک سے پوچھا کہ وہ ایسا تعصب کیوں کر رہے ہیں۔ کیونکہ بچے، عورتیں اور محنت کش کیا وہ ان ممالک سے مختلف ہیں۔ اگر ہم اپنے ملک میں ظلم کریں تو آپ ہمارے خلاف آواز اُٹھائیں اور جب آپ خود یہ ظلم کر رہے ہوں تو ہم کس سے انصاف طلب کریں۔ انسان، انسان ہوتا ہے خواہ وہ یورپ کا ہو یا ایشیاء کا ہو۔ اگر خوش قسمتی سے ایک پاکستانی بچہ امریکہ یا یورپ میں پیدا ہو گیا تو اس کو اتنی سہولتیں کیوں اگر اسی باپ کا دوسرا بچہ پاکستان میں پیدا ہو گیا تو قصور بچے کا ہے یا اس کے باپ کا۔ میں کہتا ہوں کہ جب آپ بین الاقوامی حقوق یعنی ہیومن رائٹس کی بات کرتے ہیں تو آپ کو جغرافیہ کو بھولنا ہوگا۔ پہلے فرانس میں پیدا ہونے والا بچہ جرمنی میں ویزہ لے کے جاتا تھا آج یورپ میں اس کو کسی ویزے کی ضرورت نہیں ہے۔ امریکہ اور برطانیہ میں پیدا ہونے والے بچے کو کسی ویزے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہاں گئے وہ ہیومن رائٹس کے علمبردار یعنی ہمارے بچوں کو ویزے لینے کیلئے قطاروں میں لگنا پڑے اور ایک گورے بچے کو بغیر قطار کے خود بخود ویزہ مل جائے کیا یہ ہیومن رائٹ ہے وہ بھی اس نئی صدی کا جس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اے ہیومن رائٹ کے علمبردارو! آؤ اور آگے بڑھ کر ثابت کرو کہ مشرق اور مغرب کا انسان، شمال اور جنوب میں بسنے والا انسان اب ایک ہے اس کو کسی ویزے، شناخت، علاقے یا نسبت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ

انسانیت کی ضرورت ہے جس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اگر اس تقسیم کو ختم نہیں کیا گیا تو خود ہیومن رائٹس والے تقسیم ہو جائیں گے اور خود ساختہ یہ نظام آج نہیں تو کل ضرور ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ کی سرزمین صرف اللہ ہی کی ہے اور سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

﴿امارات کی 40 سالہ جشنِ آزادی﴾

1975ء میں لندن جاتے ہوئے ہماری قومی ایئر لائن پی آئی اے کا جہاز دبئی ایئر پورٹ اترا جہاز کا دروازہ کھلا تو گرم ہوا کا جھونکا اندر آیا ایسا لگا کہ جیسے ہم تپتے ریگستان میں اتر گئے ہوں پھر ایک بہت پرانی بس سے ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل ہوئے تو ایئر پورٹ پر گرمی تھی کوئی ایئر کنڈیشن نہیں تھا جبکہ ہمارے کراچی کا ایئر پورٹ ایئر کنڈیشن ہوتا تھا، معمولی ڈیوٹی فری شاپس تھیں جن پر پاکستانی اور ہندوستانی ورکرز کام کر رہے تھے۔ اردو میں اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی جہاز نے ایک گھنٹہ ٹھہرنا تھا گرمی کی وجہ سے راقم نے پی آئی اے والوں سے کہا مجھے واپس جہاز میں بھجوا دو گرمی برداشت نہیں ہو رہی ہے پی آئی اے والوں نے معذرت کی کہ ایک بس ہے اور تمام مسافروں کو لا کر لے جانا جب ہی ممکن ہے جب فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہو گا۔ اس دوران کوئی دوسری فلائٹ بھی نہیں آئی اللہ اللہ کر کے فلائٹ کا اعلان ہوا اور ہم واپس جہاز میں پہنچے گرمی سے نجات ملی اور ٹھنڈی ہوا کھانے کو ملی اور جہاز روانہ ہو گیا یہ ہمارا پہلا تجربہ تھا۔ اسکے بعد لندن جب بھی گیا دبئی ایئر پورٹ پر جہاز سے ٹرانزٹ لاؤنج میں جانے کے بجائے 20 سال تک جہاز سے نہیں اترا پھر آہستہ آہستہ دیکھتے ہی دیکھتے دبئی نے ترقی کرنا شروع کی پھر بھی پاکستان کی نسبت وہ ہم سے بہت پیچھے تھا بجلی اور پانی کی قلت تھی گیس نام کی کوئی شے بھی نہیں تھی ہم نے امارات میں دبئی، ابوظہبی، شارجہ، اجمان، راس الخیمہ، العین، فجیرہ سات ریاستوں پر مشتمل اس ملک کی پہلی کرنسی نوٹ چھاپ کر دی، یہ ریاستیں دسمبر 1971ء میں برطانیہ سے آزاد ہوئی تھیں سب سے پہلے پاکستانی نوٹ جو ایک روپیہ 5 روپے، 10 روپے اور 100 روپے پر بالترتیب 1 درہم، 5 درہم، 10 درہم اور 100 درہم لکھ کر چھاپا پھر بعد میں ان کے اپنے الگ کرنسی کے نوٹ چھاپ کر دیئے یہ پرانے نوٹ دبئی کے عجائب گھر میں آج بھی محفوظ ہیں پھر ہمارے بنکروں نے جن میں یونائیٹڈ بنک اور

حبیب بنک شامل تھے اپنی برانچیں کھولیں ساتھ ساتھ انکے بنک بھی کھلوائے بجلی اور پانی کا انتظام بھی پاکستانیوں کی مرہون منت تھا انشورنس کمپنیاں بھی پاکستانیوں نے اس ملک میں پہلی مرتبہ قائم کیں۔

ہمارے صنعتکار بھی اپنی فیکٹریاں لگانے دبئی پہنچ گئے اس کی سب سے بڑی وجہ 1972ء میں پی پی پی کے پہلے دور میں مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے بنک، انشورنس کمپنیاں اور بڑے بڑے ادارے قومی تحویل میں لے لئے تھے یعنی تمام نجی کمپنیوں کو نیشنلائز کر دیا تھا جبکہ دنیا میں غیر ملکی کمپنیوں کو نیشنلائز کیا جاتا تھا۔ ہمارے ملک میں غیر ملکی بنک اور غیر ملکی انشورنس کمپنیوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا اس طرح ہماری معیشت کو سخت دھچکا پہنچا ہمارے ملک کے سرمایہ دار دبئی اور دوسرے ممالک میں جا کر شفٹ ہو گئے اور ہم آج تک اس کے نقصانات سے چھٹکارا نہیں پا سکے ہم ہر انڈسٹریز میں خود کفیل تھے جن میں اناج سے لیکر پھل، سبزیاں، دالیں، گوشت تک دبئی جاتا تھا۔ یہاں آزادی کے وقت ایک صنعت بھی نہیں تھی اسکول اور کالج، یونیورسٹیاں بھی قابلِ ذکر نہیں تھے ہمارے ڈاکٹر، انجینئر، صنعتکار، بنکروں اور مزدوروں نے امارات کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آزادی کے وقت پورے امارات کی آبادی 1 لاکھ سے بھی کم تھی اس کی کوئی ایئر لائن بھی نہیں تھی سب کچھ انہوں نے ہم سے سیکھا اور ایسا سیکھا کہ آج وہ صرف 40 سال کے قلیل عرصے میں ہم سے اتنا آگے جا چکے ہیں کہ یقین نہیں آتا ان کے ملک میں 80 لاکھ کی آبادی ہو چکی ہے جن میں 60 لاکھ غیر ملکی ہیں جو ان کے لئے کام کر رہے ہیں جن میں 55 لاکھ بھارتی اور پاکستانی ہیں، 5 لاکھ بنگلہ دیشی اور فلپائنی ہیں، مقامی صرف 15 لاکھ ہیں۔ 15 سال پہلے ہماری قومی ایئر لائن نے پہلی امارات کی قومی ایئر لائن ایمریٹس پی آئی اے کے تین جہازوں کو لیز پر لے کر شروع کی آج وہ دنیا کی تیسری بڑی ایئر لائن صرف 15 سال میں بن چکی ہے۔ ہماری ایئر لائن جس نے دنیا کی

17 ایئر لائنوں کو بنا کر دیا آج وہ 120 ارب کے خسارے میں جا چکی ہے صرف 12 ارب روپیہ سود ادا کر رہی ہے کبھی ڈیزل اور پیٹرول نہیں، کبھی تنخواہ دینے کے لئے پیسے نہیں ہوتے آج امارات کے باشندے اپنے ملک کی آزادی کا 40 سالہ جشن منا رہے ہیں ہر طرف خوشحالی ہے ان کے حکمرانوں نے اپنے عوام کے لئے اتنے کام کئے جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے، تعلیم مفت، بجلی اور گیس مفت، ڈاکٹر اور ادویات مفت، بڑے بڑے ہسپتال اور تعلیمی ادارے پوری دنیا سے لا کر دبئی اور ابوظہبی میں قائم کر دیئے۔ اس 40 سالہ جشن کی خوشی میں وہ اپنے تمام سرکاری ملازمین کو ایک ایک گھر مفت دے رہے ہیں انکی تنخواہوں میں 100 فیصد اضافہ کر دیا گیا ہے، شادی کے لئے 2 لاکھ درہم تک اعانت کی جاتی ہے۔ کراچی سے آدھی آبادی والے ملک میں جہاں کا ائیر پورٹ سب سے چھوٹا ہوتا تھا آج 3 بڑے ایئر پورٹ انہیں چھوٹے پڑ گئے اور وہ 2015ء تک دنیا کا سب سے بڑا ایئر پورٹ تعمیر کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے پورے ملک کا بجٹ 15 ارب ڈالرز کا ہے جس کی آبادی 17 کروڑ ہے جبکہ ان کی ایکسپورٹ 800 کھرب ڈالرز کی ہے دبئی جہاں کوئی تیل بھی نہیں پیدا ہوتا دنیا کا چھٹا ملک بن چکا ہے جو معاشی اعتبار سے اس خطے میں ناممکن ہے۔ کویت کے بعد اس خطے کا امیر ترین ملک بن چکا ہے آزادی کے وقت انکے سکے کی قیمت صرف 2 روپے تھی آج وہ 23 روپے تک جا چکا ہے۔ دنیا کا سب سے بلند ترین ٹاور بھی دبئی میں قائم ہو چکا ہے اور سب سے بہترین 7 اسٹار ہوٹل بھی دبئی میں ہے۔ انہوں نے عوام کی سہولت کے لئے جدید ترین میٹرو کا نظام زمین سے اوپر بنا کر دنیا کو حیران کر دیا ہے۔ ہمارے بنک انشورنس ٹیلی کمیونیکیشن کے ادارے بھی وہ خرید چکے ہیں اور اپنے بنکوں کی شاخیں بھی ہمارے ملک میں قائم کر چکے ہیں سب چیزوں میں وہ خود کفیل ہو چکے ہیں۔ 63 ڈیم تعمیر کر کے بجلی کا مسئلہ حل کر چکے ہیں اور 150 ڈیم تعمیر کرنے کا عزم رکھتے ہیں ہم صرف ایک ڈیم پر اٹکے ہوئے ہیں۔ پولیس

کا جدید ترین نظام انہوں نے ہمارے پولیس اداروں سے لیکر اپنے ملک میں قائم کیا اور ایماندار پولیس نظام کی بدولت اس ملک کا نام روشن کیا ،عدل میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہیں ،صفائی ستھرائی ،سڑکوں کا طویل نیٹ ورک اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہر کام میں دل جمعی سے کام لیتے ہیں بڑی بڑی ہزاروں عمارتیں جدید طرز پر تعمیر کر کے کم مدت میں دنیا کو بتا دیا کہ وہ اب بُدو نہیں رہے۔ان میں دنیا سے مقابلے کی ہمت بھی ہے یہاں کے حکمران اپنی اپنی جیبیں بھرنے اور کرپشن پر یقین نہیں رکھتے اور ہمارے سامنے ایک اعلیٰ مثال قائم کر چکے ہیں۔دنیا بھر کی نمائشیں ہر روز کسی نہ کسی انڈسٹریز کے متعلق لگی رہتی ہیں پوری دنیا سے سیاح اس ملک میں آزادی سے آتے جاتے ہیں ۔ایک نوجوان لڑکی بھی رات کو تنہا آزادی سے گھوم سکتی ہے۔دنیا کے بہترین مالز ،سپر مارکیٹیں ،ریسٹورنٹس ،ہوٹلز امارات میں جگہ جگہ بن چکے ہیں ،دنیا بھر کے کھانے اس ملک میں با آسانی دستیاب ہیں اس ملک کی جتنی تعریف کریں کم ہے۔

آج ان کے عوام حقیقی آزادی کا جشن منانے کے حقدار ہیں ہم کو بھی آزاد ہوئے 67 سال ہو چکے ہیں قوم مسلسل زوال کی طرف جا رہی ہے ملک سے انصاف ختم ہو چکا ہے ہمارے سیاستدانوں نے صرف اور صرف اپنی جیبیں بھرنے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں ملک کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کر دیا۔ اب شاید کوئی معجزہ ہی پاکستان کی معیشت کو بچا سکتا ہے ہم کو جشنِ آزادی مناتے وقت شرم محسوس ہوتی ہے کیا اسی دن کے لئے ہم نے پاکستان بنایا تھا؟

﴿پونٹا کانا (Puntacana)﴾

سردیوں کے اختتام پر امریکہ اور کینیڈا کاروبار کے سلسلے میں جانے کا اتفاق ہوا۔نیو یارک ائرپورٹ جان ایف کینیڈی پر ایک پاکستانی ڈرائیور سے ملاقات ہوگئی جو ایک امریکن شہری کو لینے آیا ہوا تھا ۔اُس کے مسافر کا فون آیا کہ اُس کی فلائٹ مس ہوگئی ہے لہذا وہ چھ گھنٹے بعد کی فلائٹ سے آئے گا۔پاکستانی ڈرائیور نے مجھ سے پوچھا اگر آپ شہر جا رہے ہیں تو میں آپ کو عام ٹیکسی کے داموں بہترین برانڈ نیو لیموزین میں لے جا سکتا ہوں مجھے اور بیگم کو نیو یارک شہر ہی جانا تھا ہم اُس کی لیموزین میں بیٹھ گئے ۔ائرپورٹ سے باہر نکلتے ہی اُس نے پہلا سوال کیا پاکستان کا کیا حال ہے میں نے کہا کیا تم یہاں پاکستانی چینل نہیں دیکھتے اُس نے بڑے دُکھ سے کہا کیوں نہیں دیکھتے خالی وقت میں ہم اور کیا کر سکتے ہیں ۔چینلز پر سیاست دانوں کی گفتگو اور کرپشن ،بجلی ،گیس کا بحران عدلیہ کے فیصلوں پر تنقید یں مار دھاڑ سے بھرپور پاکستانیوں کی قتل کی وارداتیں دیکھ دیکھ کر ہم پریشان ہوتے ہیں کہ کہاں ہمارا خوشحال ملک اب تباہی کے دھانے پر کھڑا ہے ہر کوئی ہم کو آنکھیں دکھا رہا ہے ہمارے شہری دہشت گردوں کے ہاتھوں یرغمال بن چکے ہیں ۔سرمایہ باہر جا رہا ہے صنعتیں بند ہو رہی ہیں اُس نے بتایا وہ 1982 میں جاپان گیا وہاں اُس کو کوئی کام نہیں ملا وہاں سے امریکہ آ گیا یہاں بہت خوشحال زندگی بسر کر رہا ہے اُس کے بچے اب بڑے ہو گئے ہیں سب نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کر لی ہے اب وہ پاکستان جانے سے بالکل انکاری ہیں جبکہ سارے خاندان والے فیصل آباد میں رہتے ہیں پچھلی مرتبہ جب گئے تھے تو بہ مشکل ایک ہفتے رُکے نہ بجلی تھی نہ گیس اوپر سے رشتہ داروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ہوا پانی بھی راس نہیں آئی سب کو پاکستانی کھانے اور پانی پینے سے پیچش لگ گئی ایک ماہ کا پروگرام تھا صرف ہفتے بھر میں اُکتا گئے اور واپس آ کر کانوں کو ہاتھ لگا کر کہنے لگے اب پاکستان رہنے کے قابل نہیں رہا۔راستے بھر وہ دُکھ کے ساتھ پاکستان کی برائیاں گنواتا رہا

ہم دونوں خاموشی سے اُس کی باتیں سنتے رہے۔ مجھے چند رشتہ داروں کو جو نیویارک میں رہتے ہیں فون کرنا تھا اُس نے اخلاق مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا موبائل فون مجھے دیا میں اُس کے باتوں سے بھی بچنا چاہتا تھا راستہ بھر رشتہ داروں اور دوستوں سے ہائے ہیلو کرتا رہا ایک گھنٹے کا راستہ طے ہوگیا اُس نے اپنا موبائل کا نمبر دیا اور کہا کہ بحیثیت پاکستانی نیویارک میں آپ گھومنا چاہے تو میری مفت خدمات آپ کے لئے حاضر ہیں میں نے صرف اترتے وقت اپنا تعارف کرادیا تھا اُس نے بڑی گرم جوشی سے رخصت کیا ہوٹل پہنچ کر اللہ کا شکر ادا کیا پھر چونکہ ویک اینڈ تھا تو رشتہ داروں اور دوستوں سے خوب ملاقاتیں رہیں۔ میرے ایک دیرینہ دوست نے میری ڈومیکن ری پبلک کے شہر پونٹا کانا (Puntacana) گھومنے کے لئے فلائٹ بک کروارکھی تھی ہم کو نہیں معلوم تھا کہ یہ ساحلی علاقہ کیسا ہوگا مگر اُس نے بتایا تھا کہ دنیا کے دس بہترین ساحل سمندروں میں سے ایک پونٹا کانا بھی ہے ہم دونوں کی بیگمات بھی ساتھ تھیں نیویارک سے فلوریڈا کے شہر سے جہاز تبدیل کرکے تین گھنٹوں میں پونٹا کانا پہنچے رات کے آٹھ بجے تھے بہت چھوٹا ائرپورٹ تھا بالکل چھپڑوں سے بنا ہوا پورا کھلا ہوا حوادار ائرپورٹ بغیر ائرکنڈیشن ٹیبل کرسی والے امیگریشن پر ایک بندہ کھڑا تھا۔ اترتے ہی دس دس ڈالر فی کس ویزہ فیس وصول کی اور ہم چند منٹوں میں ائرپورٹ سے باہر آگئے ہمارے دوست نے کرایہ کی گاڑی بھی بک کروارکھی تھی جو باہر گاڑیوں کے شوروم سے مل گئی معمولی بجلی کا انتظام تھا۔ سڑکیں کشادہ اور بالکل نئی لگ رہی تھیں باہر نکلتے ہی سمندر کے لہروں کی آوازیں آرہی تھیں سڑک کے دونوں جانب درختوں کے جھنڈ تھے۔ اندھیرا ہی اندھیرا تھا ۔موبائل فون کام نہیں کررہے تھے اور نہ ہی راستہ بتانے والے GPRS سسٹم کام کررہے تھے گائیڈوں کی مدد سے ہوٹل کا پتہ لیا جو ائرپورٹ سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ راستہ سنسان تھا کوئی آس پاس آبادی نہیں تھی دس بجے تک ہوٹل تو پہنچ گئے تو معلوم ہوا یہاں اس شہر میں

صرف ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں کی بھرمار ہے جو ایک ایک ہزار ایکڑوں پر گالف ،کلب ،کیسینوں سے بھرے پڑے ہیں بہت خوبصورت بنے ہوئے ہیں امریکہ اور کنیڈا سے خصوصی طور پر ٹورسٹوں سے بھرے ہوئے ہیں اور اس وجہ سے دنیا بھر سے اب لوگ اس ملک کا رُخ کررہے ہیں۔ واقعی جنت نظیر سمندری ساحل پر جگہ جگہ بڑے بڑے ہوٹل تھے۔ گرمیوں میں تو ان میں جگہ نہیں ملتی البتہ ہوٹل بہت مہنگے ریسٹورنٹ 300 ڈالر فی کمرہ سے لے 1500 ڈالر فی کمرے تک ملتے ہیں ۔دوسرے دن کشتی رانی بھی کی جو صرف 100 ڈالر فی کس کے حساب سے سارا دن درمیانی کشتی میں جن میں 70,60 لوگوں کی گنجائش تھی سمندر میں سیر کروائی گئی دوپہر کا کھانا پینا بھی اس کرایہ میں شامل تھا حلال کھانے کو کوئی نہیں جانتا تھا لہذا ہم نے ہوٹل سے چلتے وقت مچھلیاں جو ہوٹل والوں نے تازہ تازہ پکڑیں تھیں فرائی کروا کر احتیاطاً ساتھ رکھی تھیں جو میرے میزبان دوست نے صبح ہی صبح اُٹھ کر کچن والوں سے رات بات کرلی تھی بہت مزیدار فریش دوپہر کو کھانے میں بھی لطف آیا۔ سمندر میں جیکٹوں کی مدد سے نہا کر گزارا۔ کشتی پر مقامی لڑکے اور لڑکیوں نے رقص بھی پیش کیا اور میوزک کی دھنوں پر مقامی ڈانس کیا۔ عوام کے معلومات کے لئے اس ملک کا جغرافیہ کریبین ممالک میں دوسرے نمبر پر ہے اس کی آبادی 11 ملین افراد پر مشتمل ہے 86 فیصد کریبین کالے مکس لوگ ہیں 1492 میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا۔

تو اس ملک ڈومیکن ری پبلک کو بھی دریافت کیا چونکہ کولمبس اسپینش تھا تو اُس نے افریقہ سے کالے لوگوں کو زبردستی یہاں لا کر غلام بنا کر اس سرزمین پر کھیتی باڑی کروائی ۔ اور اسپین کے امیروں کو لا کر اُن کا مالک بنایا اسی وجہ سے یہاں کی قومی زبان اسپینش ہے اور یہی غلام 600 سال میں اس ملک کے مالک بن گئے اور اسپینش اپنے اپنے ملکوں یا امریکہ میں جا کر آباد ہوگئے یہاں کا موسم معتدل اور بارشوں سے Humidity سو تک رہتی ہے گرمیوں میں اگست ستمبر میں 40 درجہ سینٹی گریڈ تک جاتا

ہے یہاں غربت اورامیری دونوں ساتھ ساتھ ہے تعلیم 100فیصد 5 سالہ بچے سے لیکر 14 سالہ بچے تک مفت ہے فی کس آمدنی 9000ڈالر ہے اس کی وجہ ٹورسٹوں کی پسندیدہ ساحلی پٹیاں ہیں کیسینوں اوردیگر عیاشی قانونی جرم نہیں ہے البتہ ڈرگس کا استعمال اورا سمگلنگ عام ہے جو کولمبیا اور میکسیکو کے راستہ امریکہ اورکینیڈا جاتی ہے جو غیرقانونی ہے اس کی کرنسی کو پیسو (PESSO) کہتے ہیں جو 1980 تک خوشحالی کی وجہ سے ایک ڈالر کے برابر تھی مگر اب ایک ڈالر میں 36پیسوں تک جا پہنچی ہے البتہ 2003 میں 53 تک پہنچ گئی تھی مگر جیسا پہلے ذکر کیا ہے ساحل سمندر اور خوشگوار موسم کی وجہ سے ٹورسٹوں کی جنت بن رہا ہے بجلی کا انتظام اچھا ہے سڑکیں کشادہ ہے سینٹو ڈومنگو اس کا دارلخلافہ ہے وہ بھی بہت خوبصورت اور بڑا شہر ہے اس ملک کے 31صوبے ہیں ہر طرف ہریالی ہے گنے کے کاشت اور شوگر ملیں ہیں۔ عوام بہت خوش اخلاق البتہ انگریزی سے نابلد ہیں ہر شخص اسپینی زبان بولتا ہے صاف ستھرا ذہن کے مالک ہے نسلوں کے ملاپ سے نہ زیادہ کالے ہیں اور نہ زیادہ گورے ہیں کل کے غلام آج آزاد ملک کے مالک ہے اور اپنی پچھلی نسل کو بھلا چکے ہیں اور فخر سے اپنے آپ کو ڈومیکن کہتے ہیں ۔تین دن اور تین راتیں خوشگوار گزارنے کے بعد اُس چھوٹے سے ائرپورٹ سے واپس امریکہ روانہ ہوگئے ۔اگر کوئی امریکہ یا کینیڈا جائے اور ڈومیکن ری پبلک کے شہر پونٹا کانا نہ جائے تو سمجھیں آپ نے بہت جنت نظیر ساحل سمندر مس کیا۔ ان تین دنوں میں بارشیں بھی اوردھوپ بھی نکلی اور سردی بھی رہی البتہ تینوں دن سی فوڈ کھانا پڑا۔ حلال کھانا نہیں ملتا آئندہ کھانا پیک کروا کرلانے کا انتظام کرنا ہوگا۔

﴿ بھارت کا دورہ اور پولیس رپورٹنگ ﴾

گذشتہ کئی سالوں سے پاکستان اور ہندوستان کے دو بڑے اخبار جنگ اور ہندوستان ٹائم مل کر پاکستان اور بھارت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے ”امن کی آشا“ کے نام سے بھرپور کوشش کر رہے ہیں اس میں کچھ پیش رفت بھی ہوتی رہی تجارتی معاہدے بھی عمل میں لائے گئے ۔ہمارے دونوں ممالک میں تلخیاں بھی کم کرنے کی کوشش بھی بارآور ہوئی۔ دونوں ممالک کے ثقافتی طائفے بھی آئے ۔پاک بھارت چیمبر آف کامرس کا بھی اجراء ہوا۔ بھارت نے پاکستانی صنعت کاروں کو بھارت میں کاروبار اور صنعتیں لگانے کی اجازت بھی دے دی ۔تاہم پاکستان کی طرف سے ابھی تک بھارتی صنعت کاروں اور تاجروں کو ایسی سہولتیں فراہم کرنے کا اعلان نہیں ہوا۔ ویزوں میں آسانیاں پیدا کرنے کی تجاویز پر غور ہورہا ہے۔ اب تو سیاچن سے دونوں ممالک کی فوجوں کی واپسی کا عندیہ بھی سننے میں آرہا ہے۔ اگر یہ کوشش کامیاب ہوگئی تو یہ بہت بڑا کارنامہ موجودہ حکمرانوں کے کھاتے میں جائے گا۔ اگرچہ سارک ممالک جن میں پاکستان، بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش، بھوٹان، مالدیپ اور نیپال سمیت 8 ممالک کا اشتراک عمل بہت کمزور ہورہا ہے اور آپس میں آنے جانے پر عوام کو کوئی ریلیف نہیں مل سکا۔ راقم نے 4 سال قبل سارک فیڈریشن کی تاحیات ممبر شپ حاصل کی جس کی فیس 3ہزار ڈالر تھی جو بڑھ کر اب پاکستان میں 5ہزار ڈالر تک کر دی گئی ہے ۔جبکہ بھارت اور دیگر ممالک میں اس کی کوئی فیس نہیں تھی اور نہ ہی آج ہے یہ بات میرے ایک بزنس پارٹنر جن کا تعلق بھارت سے ہے اور دوسرے کا تعلق سری لنکا سے ہے بہرحال اس کے عوض راقم کو سارک سٹیکر کا اجراء کا وعدہ کیا گیا تھا جو بار بار یاددھانیوں کے 4 سال تک نہیں مل سکا ایک روز میری خوش قسمتی کراچی سے اسلام آباد کی فلائٹ میں سارک فیڈریشن کے صدر جناب طارق سعید اور جناب افتخار علی صاحبان سے ملاقات ہوگئی ان کی توجہ مبذول کرائی تو راقم کو

ایک ماہ میں سارک سٹیکر مل گیا۔ سارک سٹیکر ان 8 ممالک میں آنے جانے کا پرمٹ ہوتا تھا جس میں پہلے ہر ملک کے 5 شہروں میں آجا سکتے تھے اور ایک سال تک یہ کارآمد ہوتا تھا مگر جیسا کہ میں نے اوپر لکھا کہ سارک ممالک کے ذمہ داران آپس کے اشتراک میں بہت سست ہیں جس کی تازہ مثال اس سال اس اسٹیکر کی معیاد ایک سال سے گھٹا کر صرف 3 ماہ اور 5 شہروں سے گھٹا کر 3 شہروں تک محدود کر دیا گیا۔ اور اسٹیکر لینے والوں کو اس سے آگاہ بھی نہیں کیا گیا۔ میرے بزنس پارٹنر کو جب اسٹیکر لگنے کی میں نے اطلاع دی تو وہ بہت خوش ہوا اس نے ان گرمیوں کی چھٹی منانے کیلئے مجھے اوٹی، بنگلور، میسور، دہلی اور گوا کی دعوت دی جس کو میں نے قبول کرلیا اور پہلے مرحلے میں دہلی سے بنگلور، میسور اور اوٹی کا ایک ہفتے کا پروگرام رکھا۔ واپسی دہلی سے گوا کا پروگرام رکھا۔ اس نے 6 دن کی واپسی کی فلائٹ دہلی، بنگلور اور بذریعہ کار بنگلور سے میسور اور 3 دن اوٹی کی بکنگ بھی کروائی۔ تمام جہاز کا ریٹرن ٹکٹ ایک دن بنگلور کی سیر 2 دن میسور کی سیر اور 3 دن سب سے اونچی پہاڑی اوٹی جسے نیل گری کی پہاڑیاں کہتے ہیں۔ بہترین ہوٹلوں میں قیام، گاڑی کی بکنگ معہ ڈرائیور اور صبح کا ناشتہ فی کس سب ملا کر صرف -/120000 بھارتی روپے ادا کیے (یعنی پاکستانی -/240000 روپے)۔ ہم 4 افراد یعنی 2 میاں بیوی اس سفر پر جارہے تھے مگر جب دلی کے ایئرپورٹ پر اُترا تو مجھے بتایا گیا کہ آپ صرف 3 شہروں کا چناؤ کر سکتے ہو جبکہ ہماری 4 جگہوں کے ہوٹل کی بکنگ بھی ہو چکی تھی اور تا قابل واپسی تمام پیسے ایڈوانس ادا کر دیے گئے تھے۔ بہر حال ایئرپورٹ سے 3 شہروں کا اجازت نامہ لے کر باہر آیا تو میرے دوست پارٹنر میرا انتظار کر رہے تھے۔ ان کو جب تین شہروں کا بتایا تو وہ بھی بہت پریشان ہوئے۔ یاد رہے پاکستان اور بھارت کا آپس میں موبائل فون کا استعمال ابھی تک شروع نہیں ہو سکا۔ پاکستان کی سم بھارت میں اور بھارتی موبائل کی سم پاکستان میں نہیں چلتی۔ میرے دوست نے اپنے امیگریشن دوست کو یہ صورتحال بتائی

تو اس نے تسلی دی کہ وہ 2 دن میں ایک اضافی شہر کی خصوصی منظوری دلوا دے گا۔ مگر ہمیں دوسرے دن ہی بنگلور روانہ ہونا تھا ان نے وعدہ کیا کہ وہ منظوری کے کاغذات بنگلور پولیس کو بھجوا دے گا۔ لہٰذا ہم خوشی خوشی بنگلور بذریعہ ہوائی جہاز صرف ڈھائی گھنٹوں میں پہنچ گئے۔ دہلی کا درجہ حرارت 48 سنٹی گریڈ تھا جبکہ بنگلور 24 سنٹی گریڈ تھا۔ سب اس خوشگوار موسم سے لطف اندوز ہوتے رہے دوسرے دن واقعی ہم کو میسور کا اجازت نامہ بذریعہ پولیس اسٹیشن تو مل گیا مگر اس میں اضافی شرط یہ لگائی کہ پولیس رپورٹنگ ویزہ ہوگا جبکہ سارک سٹیکر پولیس رپورٹنگ سے استثنیٰ ہوتا ہے۔ ہم پولیس اسٹیشن پہنچے تو وہاں پہلے سے 8 نو سو افراد پولیس رجسٹریشن کیلئے صبح سے پہنچے ہوئے تھے۔ ہمارے پاس میسور روانگی میں صرف 2 گھنٹے تھے جبکہ بظاہر شام تک رجسٹریشن ممکن نہیں تھی۔ خیر ہم نے معلوم کیا کہ پاکستانیوں کی رجسٹریشن کا کاونٹر کونسا ہے کیونکہ یہ تمام 8 نو سو افراد غیر ملکی تھے ہم صرف 2 پاکستانی تھے۔ پاکستان کے کاونٹر پر پہنچے تو اس نے بتایا کہ پاکستانیوں کے لیے پہلے جس علاقے کے ہوٹل میں ہم ٹھہرے ہیں اس پولیس اسٹیشن سے NOC لیا جائے چونکہ ہمارا اسٹیکر اس سے استثنیٰ تھا اس لیے ہم نے پولیس کو رپورٹ نہیں کیا تھا۔ اب اس لمبی تھکا دینے والی کاروائی سے بچنے کیلئے ہم نے اس کے آفیسر سے رابطہ کیا اور اس کو بتایا کہ راقم جبوتی کا پاکستان میں قونصل جنرل ہے لہٰذا پولیس رپورٹنگ کو ختم کر دیا جائے۔ وہ آفیسر بہت خوش اخلاق تھا اس نے خصوصی اختیارات استعمال کیے اور رجسٹریشن فوری طور پر کروا دیا۔ ہم پھر بھی دوپہر 2 بجے فارغ ہوئے دوپہر کا کھانا جو ہم نے وجیٹیرین ساؤتھ تھالی کھایا جو جو سبزیوں اور دالوں کا مجموعہ ٹیبل پر کیلے کے پتوں پر پیش کیا گیا۔ اس تھالی کی خصوصیت یہ تھی کہ ہم جتنا بھی کھانا چاہیں بغیر اضافی پیسے دیئے کھا سکتے ہیں اور فی تھالی 125 روپے تھی جس میں روٹی، چاول دو قسم کی دالیں دو قسم کی سبزیاں ایک گلاب جامن اور دو پاپڑ شامل تھے جو پیٹ بھرنے کیلئے کافی تھے۔ ہوٹل میں میسور پہنچ کر جو گاڑی میں ساڑھے تین گھنٹے لگے

سامان رکھا اور میسور کا مشہور لائٹ شو دیکھنے جو میسور کے دریا پر بند باندھ کر پانی میں بہت دلچسپ ہزاروں لائٹوں کا فواروں کی مدد سے موسیقی سے بھرپور رنگا رنگ شو دیکھا۔ اس شو کو دیکھنے کیلئے ہر سال 30 سے 35 لاکھ افراد بیرون ممالک سے میسور آتے ہیں کیونکہ ہم تھکے ہوئے تھے جلدی سو گئے۔ دوسرے دن میسور کے مشہور راجا کا بہت بڑا محل دیکھا آدھا دن اس میں لگ گیا۔ محل میں کروڑوں روپے راجا کے تحائف سونے کے زیورات سینکڑوں کمروں پر مشتمل محل کی سیر کی۔ شام کو میسور کے شہید حکمران جن کو انگریزوں نے دھوکے سے مروا دیا تھا ٹیپو سلطان کے مقبرے میں جہاں ان کے والد حیدر علی ان کی والدہ اور بیگم کی قبریں مع ان کے سینکڑوں سپاہیوں، جانثاروں، سپہ سالاروں کی قبروں پر فاتح خوانی کی اور ان کا گرمیوں کا چھوٹا سا محل دیکھا۔ وہاں بھی پولیس رپورٹنگ میں 3 گھنٹے ضائع ہوئے یہاں سے ہم اوٹی کی پہاڑیوں کے لیے روانہ ہوئے راستے میں شیروں، چیتوں، بندروں اور ہرنوں سے بھرے جنگلات میں سے گزرے اور 3 گھنٹوں میں اوٹی پہنچے۔ راستے میں چائے کے زبردست ہرے بھرے باغات دیکھے۔ ایک چائے بنانے والی فیکٹری بھی دیکھی اوٹی چائے کی بہت قسمیں پیدا کرنے کے لیے بہت مشہور ہے اور یہاں گھر گھر میں طرح طرح کے چاکلیٹ بنانے کا فن ہے جو اوٹی شہر میں ہر دکان پر ملتے ہیں۔ اوٹی میں ویسے تو کوئی خاص تاریخی عمارتیں نہیں ہیں البتہ رنگین پہاڑیاں اور وادیاں، موسم انتہائی خوشگوار، رات کو درجہ حرارت آٹھ ڈگری تک ہو جاتا ہے، سیاحوں سے بھرا ہوتا ہے۔ یہاں شادی کے ہنی مون جوڑے بھرے پڑے ہوتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں کیمرہ ہوتا ہے یہاں بھی وہی پولیس کا چکر تھا۔ ہم جمعہ کی شام پہنچے مگر جب ہفتے کو پولیس اسٹیشن گئے تو معلوم ہوا کہ ہفتہ اتوار چھٹی ہوتی ہے۔ بڑی کوششوں کے بعد ایک پولیس والے کو تیار کیا اس نے دوسرے دن آنے کو کہا اور ہمارے کاغذات رکھ لیے۔ ہفتہ کو اس کا افسر اوٹی سے باہر گیا ہوا تھا۔ خیر اس نے دوسرے دن دستخط کروا کر جب

کاغذات ہمارے حوالے کیے تو غلطی سے اوٹی سے واپس دہلی کی ایگزٹ لگانے کی بجائے کراچی کا خروج لگا دیا۔ اب اس کا آفیسر بھی نہیں تھا۔ ہم کو پیر کی صبح 6 بجے واپس بنگلور کیلئے فلائٹ پکڑنی تھی جو 8 گھنٹے کی مسافت تھی۔

کرتا کیا نہ کرتا وہی کاغذات لے کر دہلی پہنچے خوش قسمتی سے ہمارے دوست کے امیگریشن دوست نے پھر ہماری مدد کی اور پھر دہلی رکنے کا اجازت نامہ دے دیا مگر دہلی کی گرمی ہم سے برداشت نہیں ہوئی دوسرے دن واپس پاکستان آ گئے۔ اس تفریح میں دو مرتبہ پولیس رپورٹنگ کی اذیت ہر پاکستانی اور بھارتی اُٹھاتا ہے یعنی انٹری اور ایگزٹ الگ الگ دن کرانی پڑتی ہے۔ کم از کم دونوں حکومتیں عوام کی بھلائی کے لیے اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں کیونکہ یہ طریقہ کار دنیا کے کسی بھی ممالک میں نہیں ہے اور یہ بات ''امن کی آشا'' میں بہتری لائے گی۔ دونوں ممالک کے حکمرانوں کو کریڈٹ بھی جائے گا اور دعائیں بھی لگیں گی۔

پاکستان کا ناکام ریاستوں میں 10واں نمبر؟

میڈیا ایک سال سے خصوصاً حکمرانوں کو آگاہ کررہا تھا۔خدارا عدلیہ سے نہ الجھو اور نہ پارلیمنٹ کو بیچ میں لاؤ مگر ہمارے وزیراعظم کے دائیں بائیں ان کو ہر چیز ٹھیک نظر آرہی تھی۔عدلیہ سے ڈٹے رہو اور جمہوریت کے نام پر اپنے وزراء،اسپیکر ہر ایک کو استعمال کرتا کہ چیف جسٹس افتخار چوہدری اور ان کے رفقاء تنگ آجائیں اور کرپشن اسکینڈلز اپنی موت آپ مرجائیں۔سوئس حکام کو اسی وجہ سے خط بھی نہیں لکھا گیا جو ایک غلطی تھی اس پر بھی حکومتی وکلاء ڈٹے رہے۔اس سبکدوشی میں ملک ریاض کارڈ الٹا گلے پڑ گیا،حکومت کو 100فیصد اُمید تھی کہ چیف جسٹس کے بیٹے کی صفائی جس طرح سابق وزیراعظم اپنے بیٹے کی صفائی میں خود پیش پیش تھے،شاید اسی طرح چیف جسٹس صاحب بھی اپنے بیٹے ارسلان کو مظلوم ثابت کرینگے۔مگر یہاں معاملہ ہی گلے پڑ گیا چیف جسٹس نے از خود نوٹس لے کر تمام کرداروں کو بے نقاب کر کے سزا کا مستحق ٹھہرا کر انتظامیہ کے حوالے کر دیا اور اپنے اوپر لگنے والے دھبے سے بچا لیا۔صرف ایک نکتہ مبہم جو بیرسٹر اعتزاز احسن کے بقول انہوں نے چیف جسٹس کو ارسلان کے معاملے سے زبانی آگاہ کردیا۔مگر جب ارسلان کا معاملہ کھل کر پریس کانفرنس سے عوام تک پہنچا تب چیف جسٹس صاحب نے فوری طور پر ایکشن لے لیا۔مگر دوسرے ہاتھوں وزیراعظم کی سزا پر اپیل نہ کرنے پر اسپیکر کی رولنگ ختم کر کے وزیراعظم کو اسی تاریخ سے نااہل قرار دے کر ان کو معہ کابینہ گھر بھجوا دیا۔اس کو کوئی خوشگوار واقعہ نہیں کہا جاسکتا مگر پی پی پی کے ذمہ دار حلقوں نے اس فیصلے کو قبول کر کے بہت دانشمندی کا ثبوت دیا اور ملک ایک بہت بڑے بحران اور ہنگامہ آرائی سے بچ گیا۔اس میں جس کی بھی حکمت عملی کا دخل تھا بہت اعلیٰ تھا۔حکومت اور عدلیہ دونوں کی فتح ہوئی اب آگے بھی امتحان ختم نہیں ہوا بلکہ ایک نئے امتحان کی طرف جمہوریت دوچار ہو گئی ہے۔

نیا وزیراعظم تو چن لیا جائے گا مگر اس کے سامنے بھی پہلا ہدف سوئس حکام کو خط لکھنا اور اس سے زیادہ گیس اور بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم کرنا ہے جو تا حال ناممکن نظر آرہا ہے۔ماضی میں جتنے بھی وعدے وعید کیئے گئے وہ سب کرپشن کی نظر ہو گئے اور کوئی پلاننگ بھی نہیں کی گئی تو اس بجلی کے شارٹ فال سے کیسے نمٹا جائے گا۔

بھارت،ایران اور چین ہم کو بجلی فراہم کرنے کے لئے تیار ہیں مگر اس میں کیا رکاوٹیں ہیں کوئی نہیں بتاتا۔ترکی نے ہم سے معاہدہ کیا مگر بجلی کی فراہمی جزوی ہے وہ خود بھی حکومت سے نالاں ہیں۔ان کو کبھی ڈیزل کی سپلائی روکی جاتی ہے تو کبھی ان کی پے منٹ میں تاخیری حربے استعمال ہوتے ہیں۔اس سخت گرم موسم میں عوام کے صبر کا پیانہ چھلک کر خونی انقلاب کی طرف جاچکا ہے۔وزراء کے گھروں،بنکوں،سرکاری عمارتوں،گاڑیوں،بجلی کے دفاتروں،کھمبوں،سگنلوں کو آگ لگائی جارہی ہے۔اسلام آباد اور پنجاب کی بجلی کی سپلائی کی بندش روز بروز گھٹنے کے بجائے اب خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے۔وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف اور خود نواز شریف ان کے وزراء جلسے جلوس کر کے بجلی کی بندش کے خلاف میدان میں اتر چکے ہیں۔یہ ٹکراؤ،گھیراؤ اور جلاؤ اس ملک کی معیشت کو کہاں لے جائیگا۔اندازہ لگائیں کل ہی ایک امریکن سروے کی رپورٹ سامنے آئی ہے کہ پاکستان ناکام ریاستوں میں اب 10ویں نمبر تک آچکا ہے۔اس سے پہلے مشرف دور میں 145ویں نمبر پر تھا،صرف ½ 4 سالوں میں ہماری معیشت،لاءاینڈ آرڈر،لوٹ مار،قتل وغارت گری،قبضہ مافیا ،عوام کے غیر تحفظ اور لسانی جھگڑوں میں اضافہ اب صرف 9 ممالک سے پیچھے رہ گیا ہے۔مگر سیاستدانوں،حکمرانوں نے تو اس کا نوٹس ہی نہیں لیا گویا وہ اس ملک سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے۔

راقم کو اس 10 نمبر کی شماریات میں کوئی صداقت نظر نہیں آتی اس کی وجہ ہمارے پاکستان میں اس سال بھی تمام پیداواریں بشمول پھل،پھول،اجناس،سبزیاں سب ٹھیک ٹھاک رہیں۔خدانخواستہ دیگر

9 ممالک میں قحط کی صورتحال ہے اس سے موازنہ تو نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ بے روزگاری کے اضافے سے جو بجلی اور گیس کی عدم دستیابی کی وجہ سے صورتحال بہت خراب ہو چکی ہے اگر اس کا سدباب نہیں کیا گیا تو یہی عوام صومالیہ اور افریقن ممالک کی طرح غلّہ اور کھانے پینے کی دوکانوں کو دن دھاڑے لوٹ مار مچادینگے۔ پنجاب میں تو صوبائی پولیس سڑکوں سے ہی غائب ہو جائینگی، سیاسی بے چینی کو ختم کرنے کے لئے راقم کی نظر میں ایک عبوری حکومت ہی آخری حل ہو سکتی ہے جس میں تمام جماعتوں سے اچھے کردار کے افراد بشمول افواجِ پاکستان، عدلیہ، دانشور، ڈاکٹرز، انجینئرز اور بنکرز حضرات کو ملا کر نئے عارضی ڈھانچے کو تشکیل دیا جائے جو مل کر پہلے معاشی استحکام بشمول بجلی اور گیس کی بحالی کا کام کر کے عوام کو مطمئن کرے پھر آزاد ادارے کی سربراہی میں الیکشن کروا کر اقتدار منتخب نمائندوں سے سپرد کر کے خوشحال پاکستان کی بنیادیں رکھیں۔

کاش ہم چین سے کچھ سیکھیں

چین ہمارا پڑوسی، ہمارا سب سے بڑا خیر خواہ، ہمارے ہر بُرے وقت میں ہمیشہ ساتھ دینے والا ملک، مگر افسوس ہم نے اس سے کچھ نہیں سیکھا۔ اُس نے 50 سال میں اتنی ترقی کر لی جتنی امریکہ نے 250 سالوں میں بھی نہیں کی اور آج امریکہ چینی مال کا دنیا میں سب سے بڑا خریدار بن چکا ہے۔ راقم کا سب سے پہلے 1967ء میں چین جانے کا اتفاق ہوا، اُس زمانے میں چین کے لئے صرف پاکستان انٹرنیشنل ائر لائنز کو اترنے کی اجازت تھی کیونکہ چین کے نجات دہندہ ماؤزے تنگ اور ان کی پارٹی دنیا کی واحد کیمونسٹ نظام کی حامی تھی جس کی رو سے تمام ملکیت قوم کی امانت ہوتی ہے اور کوئی بھی چیز ذاتی نہیں ہوتی۔ یہ نظام ہماری آزادی سے 2 سال بعد اس وقت کے فوجی جنرل ڈکٹیٹر چینگ کائی شک سے عوام کے طویل جدوجہد اور مارچ کے بعد ماؤزے تنگ نے حاصل کیا تھا اور بادشاہی نظام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے کیمونزم کی بنیاد رکھی تھی۔ یاد رہے اس زمانے میں چینی قوم افیمی اور کام چور کہلاتی تھی۔ تمام ذاتی چیزیں، عمارتیں، ہوٹل حتیٰ کہ گھر، کاروبار، گاڑیاں سب کو قومیا لیا گیا تھا۔ پوری قوم کو کام پر لگا دیا گیا تھا اس سے پہلے تمام پرند، چرند، جانور کھا لیئے گئے تھے کہ ایک دانہ بھی اناج کا ضائع نہ ہو۔ بلکہ خود عوام تمام کیڑے مکوڑے سمیت ہر چیز کھا کر ختم کر دیں اور آج بھی کوئی پرندہ یا زمینی کتے، بلیاں، چوہے کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ اُس زمانے میں صرف سرکاری بسیں، بجلی سے چلنے والی شہر میں ٹرینیں یا دور دراز جانے کے لئے ریلوے ٹرینیں ہوتی تھیں۔ ذاتی استعمال کے لئے صرف سائیکلیں ہوتی تھیں۔ جو عام آدمی سے لے کر وزراء، سفراء سب کے لئے یکساں سہولتیں ہوتی تھیں۔ سادہ لباس ہوتا تھا اور ایک ہی قسم کا معمولی کپڑوں کا، پوری قوم ڈٹ کر کام کرتی اور اچھی اچھی اشیاء غیر ممالک ایکسپورٹ کر دی جاتیں اور خوب غیر ملکی کرنسی اس ملک کو ترقی کی منازل طے کراتی رہیں۔ چینی قوم اس زمانے میں صرف

امریکہ سے تعلقات نہیں رکھتی تھی اور نہ ہی امریکی ڈالر میں لین دین ہوتا تھا۔ اگر میں کہوں کہ وہ امریکہ سے نفرت کرتے تھے تو یہ بھی غلط نہیں ہوگا۔ پھر پاکستان کے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خان کے دور میں چین اور امریکہ کی دوستی کروائی اور اس طرح چین اور امریکہ کی دشمنی بظاہر ختم ہوگئی اور دونوں ممالک نے آپس میں تجارت شروع کر دی پھر آہستہ آہستہ چین میں ثقافتی انقلاب آتے گئے۔ حکومتیں آہستہ آہستہ دیگر ممالک کی طرح کمیونزم سے امپریل ازم یعنی سرکاری اور ذاتی نظام کی طرف چل پڑیں، پھر ہانگ کانگ جو 100 سال کے پٹے پر برطانیہ نے لیا تھا واپس چین کو مل گیا۔ پھر کیا تھا عوام نے دل کھول کر صنعتیں لگائیں اور ترقی کرتے کرتے زمین سے آسمان تک چائنہ کو پہنچا دیا۔ اس میں ان کے حکمرانوں کا کلیدی کردار تھا خود پی آئی اے نے چائنا ائر لائن کو بنایا اُس زمانے میں ہمارے ملک پاکستان میں سب کچھ بنتا تھا اور چین میں صرف نقالی ہوتی تھی۔ ہم نے آج سب کچھ گنوا دیا اور چینی حکمرانوں اور عوام نے اُس کو ایک ناقابل شکست ملک کے طور پر اُبھار دیا۔ اب وہ امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی بات منواتا ہے اور اس 40 پینتالیس سالوں میں راقم کا کئی بار تجارتی معاملات کے سلسلے میں چین جانے کا اتفاق ہوا۔ جس بڑے شہر میں صرف 2 چار ہوٹل ہوتے تھے آج کئی سو ہوٹل بن چکے ہیں۔ معمولی ائیر پورٹ اب میلوں میں پھیلے ہوئے، کئی ٹرمنلز میں تبدیل ہو چکے ہیں، صنعتی علاقے تو اب چپے چپے میں پھیل چکے ہیں کون سی چیز ہے جو چین میں نہیں بنتی۔ اب تو پوری دنیا کے مشہور برانڈ چین میں بنتے ہیں اور اب وہ وہاں سے بنوا کر پوری دنیا میں سپلائی کیئے جاتے ہیں۔ حکومت نے صنعتی ترقی کے لئے بجلی، گیس اور زمینیں سستے داموں میں سبسڈری کے طور پر دیں تاکہ وہ پوری دنیا سے مقابلہ کر سکیں۔ شروع شروع میں تو مالی وسائل بھی حکومت کے ذمہ تھے۔ یہ ترقی دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ کاش ہمارے حکمران بھی چینیوں سے سبق سیکھیں مگر ہم اُس کے برعکس اپنی عیاشیوں اور

کرپشنز میں ملوث رہے اور ایشین ٹائیگر بننے کے بجائے ایشین چوہے بھی نہ بن سکے۔ یاد رہے چین میں کسی بھی قسم کی کرپشن پر سزائے موت کی سزا ہے جو منشیات ہی کی طرح سمجھی جاتی ہے۔ اگر آج آپ چین جائیں تو نہ صرف حیران ہونگے بلکہ پریشان ہو جائینگے کہ 40 سال میں یہ افیمی قوم آج دنیا کی سب سے عظیم قوم بن چکی ہے۔ ان کی اچھی باتوں میں جلدی سونا، جلدی اُٹھنا، ہلکی پھلکی غذا، صبح 7 بجے ناشتہ، 12 بجے دوپہر کا کھانا اور شام 6 بجے تک وہ آخری کھانا کھا کر رات 9 بجے تک سو جاتے ہیں۔ وہ سارا دن نیم گرم پانی میں سبز یا کالی چائے بغیر دودھ پیتے رہتے ہیں۔ ٹھنڈے پانی کا وہاں کوئی رواج نہیں ہے اسی وجہ سے بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان کے بال بڑھاپے تک سروں پر رہتے ہیں۔

50 ساٹھ سال تک معمولی بات ہے کالے ہی رہتے ہیں۔ لمبی لمبی عمریں، 100 سو سال تک کے بوڑھے سڑکوں پر آج بھی پیدل چلتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے بادشاہی دور پھر کمیونزم اور اب دوبارہ امپریل ازم تینوں ادوار دیکھے ہیں۔ چینی لوگ اپنے بزرگوں کا آج بھی احترام کرتے ہیں۔ مغربی ممالک کی طرح انہیں اولڈ ہاؤس میں نہیں بھیجتے اگر خود بڑے شہروں میں کاروبار یا نوکریاں کرتے ہیں تو گاؤں میں اپنے گھر والوں کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کی سالانہ چھٹیاں جنوری سے فروری تک ایک ساتھ ہوتی ہیں۔ جو وہ اپنے اپنے آبائی شہروں میں جا کر مناتے ہیں۔ اس دوران اکثر صنعتیں بند ہو جاتی ہیں۔ ریلوے اور ہوائی جہاز کا زبردست نظام ہر شہر اور ہر قصبے کے لئے موجود ہے۔ وقت پر ٹرینیں چلتی ہیں، بسوں کا بھی نظام بہت اچھا ہے۔ آج چین کا ہر شہری ان سہولتوں کی وجہ سے حکمرانوں سے خوش ہے، تعلیم اور ہسپتال کی سہولتیں عوام کے لئے مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے 100 فیصد چینی زبان پر سب کو عبور حاصل ہے، البتہ انگریزی زبان سے بہت بڑی اکثریت نابلد ہے۔ اس وجہ سے سیاحوں کو زبان کے معاملے میں بہت دشواری پیش آتی

ہے۔البتہ اب نئے نظام میں انگریزی زبان کو شامل کرلیا گیا ہے جس کی وجہ سے نئی نسل انگریزی میں با آسانی گفتگو کرسکتی ہے۔لاکھوں نئی نسل کے بچے غیر ممالک میں بھی جا کر تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ ہمارے صدر آصف علی زرداری صاحب کا بھی چین کی طرف کافی رجحان پایا جاتا ہے۔کاش وہ ایسا نظام پاکستان میں نافذ کروادیں تو وہ پی پی پی کے لئے سنہرے دور کی ابتداء کرسکتے ہیں اور یہ کوئی ناممکن نہیں ہے کیونکہ ہماری قوم بھی بہت محنتی ہے مگر اصلی رہبر سے محروم ہے۔

دنیا کا غریب ترین صدر

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب کرسی خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے اپنا تمام اثاثہ سرکاری خزانے میں جمع کرادیا اور اپنی اہلیہ کو بھی کہا کہ وہ بھی اپنے تمام قیمتی ہار، سونے کے جواہرات جو ان کو ان کے والد کی طرف سے تحفوں میں ملے تھے۔تمام کے تمام سرکاری خانے میں جمع کرادیں۔جب انہوں نے اس حکم میں پس وپیش کی تو فرمایا دولت اور خلیفہ ایک چھت کے نیچا کھٹے نہیں رہ سکتے۔وہ جب خلیفہ نہیں تھے جو کپڑے صبح پہنتے تھے وہ دوپہر کو نہیں پہنتے تھے اور دنیا بھر کی ان کو خوشبوئیں استعمال کرنے کا بہت شوق تھا۔ بےحد خر چیلے شہزادوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔مگر خلیفہ بننے کے بعد ان کی سادگی دیکھ کر انہیں عمر ثانی کا خطاب ملا اور چند ہی سال میں ایسی ایسی مثالیں قائم کیں جو آج تک سنہری حرفوں سے لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔اس کے بعد بھی بہت سے حکمران آئے اور سادگی کی عمدہ مثالیں چھوڑ گئے کئی تو صرف اپنے ہاتھوں سے بنی ٹوپیاں بنا کر بیچ کر گزارہ کرتے تھے مگر آج کے مسلمان حکمران ہی نہیں کم وبیش دنیا کے تمام حکمران شاہی خرچیوں، عیاشیوں میں گھرے ہوئے ہیں اگرچہ ان کے محاسبے بھی ہورہے ہیں۔کون کون جلاوطن یا قید میں ہیں یا پھر اس دنیا سے کوچ کر دیئے گئے اور نشان عبرت بن چکے ہیں۔پھر بھی آج اکثریت میں مسلمان حکمران اُن سے سبق سیکھنے کے بجائے اپنی اپنی دولت دیارِ غیر میں چھپا کر جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور 100 فیصد حکمران وہ دولت خود استعمال نہیں کرسکے ہیں یا وہیں جمع رہی یا پھر ان کے مرنے کے بعد اس ملک کو لوٹا دی گئیں۔

ایسے نفسا نفسی کے دور میں آج بھی ایک ایسے حکمران جس کا تعلق جنوبی امریکہ کی ریاستوں میں ہوتا ہے اس ریاست کا نام یوروگوئے ہے جس کی آبادی 35 لاکھ سے بھی کم ہے اس کے نئے منتخب صدر جوسی موجیکا (Jose Mujica)۔یکم جنوری 2010ء کو اقتدار میں آئے تو یوروگوئے کا شمار

بھی کرپٹ ترین ریاستوں میں ہوتا تھا۔صرف ڈھائی سال میں ان کی ٹیم جس میں ان کی اہلیہ بھی شامل ہیں جو خود سینیٹر بھی ہیں نہ صرف کرپشن ختم کی بلکہ آج اس ریاست کا شمار کرپٹ ریاستوں میں آخری نمبر پر آچکا ہے یہی کافی نہیں ۔ان کی سرکاری تنخواہ 12500 ڈالر ہے جبکہ وہ صرف 1250 ڈالر یعنی 10 فیصد وصول کرتے ہیں بقایا 90 فیصد تنخواہ وہ اور ان کی بیگم غریب اور فلاحی تنظیموں میں تقسیم کرتے ہیں۔خود 1987ء ماڈل کی گاڑی چلاتے ہیں کوئی باڈی گارڈ نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی قسم کا پروٹوکول رکھتے ہیں۔عام شہریوں کی طرح سڑکوں پر گھومتے ہیں۔سرکاری محل بھی انہوں نے غریبوں کے لئے وقف کردیا ہے اب اس میں غریب وغربا رہائش پذیر ہیں اور وہ اپنے ذاتی فارم ہاؤس میں رہتے ہیں۔ 1973ء جب یوروگوئے میں فوجی انقلاب آیا تھا اس وقت سے لیکر 1985ء تک فوجی دور میں ان کے انقلابی خیالات کی وجہ سے انہیں قید خانے میں رکھا گیا ان کی پارٹی جب یکم مارچ 2010ء میں برسر اقتدار آئی تو 90 فیصد نشستیں جیت کر آئی تھی ۔لہٰذا انہوں نے عوام کی فلاح و بہبود کا بیڑا اٹھایا، ملک سے غربت، کرپشن کا خاتمہ کرکے آج انہوں نے دنیا بھر میں غریب ترین صدر کا خطاب پایا۔ان کی غربت کا اندازہ لگایئے نہ ان کا کوئی بنک اکاؤنٹ ہے اور نہ ہی انہوں نے کسی قسم کا قرضہ لے رکھا ہے ۔اسی وجہ سے وہ اپنی قوم میں بہت مقبول ترین شخصیت کا درجہ پا چکے ہیں۔عوام ان کا احترام اپنے گھر کی فرد کی طرح کرتے ہیں ان کے کوئی مشاغل بھی نہیں صرف اپنے پالتو کتے کو لیکر جب سڑکوں پر گھمانے نکلتے ہیں تو ان میاں بیوی کو دیکھ کر عوام ان کے احترام میں باادب کھڑے ہوکر خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی سیکورٹی کی ضرورت نہیں ہے عوام سے خوف کیسا۔ان کی عمر 77 سال ہوچکی ہے مگر یہ جوڑا ابھی تک اولاد سے محروم ہے ۔مگر انتہائی سادگی کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہا ہے۔دونوں میاں بیوی صحت مند اور بے خوف رہتے ہیں، بہت کم میڈیا میں آتے ہیں، بہت کم انٹرویو دیتے ہیں۔ان کا

کہنا ہے کہ وہ جو 10 فیصد سرکاری تنخواہ وصول کرتے ہیں وہ بھی بہت زیادہ ہے، کیونکہ ان کے ملک میں ایسے بھی لوگ ہیں جن کی تنخواہ اس سے بھی کم ہے اور وہ بھی تو زندگی گزار رہے ہیں۔وہ اپنی اکلوتی 1987ء ماڈل گاڑی سے بہت پیار کرتے ہیں اور اسے اپنی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ قرار دیتے ہیں۔

اس چھوٹی ریاست کی قومی زبان اسپینش (Spanish) ہے، 88 فیصد گورے، 4 فیصد کالے اور 8 فیصد مختلف قومیں آباد ہیں۔ 1825ء میں برازیل سے آزادی حاصل کی، 1985ء میں بہت ترقی آئی ان کی 15 ہزار ڈالر فی کس آمدنی ہے۔کرنسی کا نام پیسو (Peso) ہے۔ 50 ارب ڈالر کی ایکسپورٹ اور 40 ارب ڈالر کی امپورٹ ہے۔اس ملک میں قومی اسمبلی اور سینیٹ کا نظام ہے۔قومی اسمبلی، سپریم کورٹ تشکیل دیتی ہے اور سینیٹ ججوں کی تقرری کرتی ہے ۔موجودہ حکومت نے بہت انقلابی اقدامات کئے جس کی وجہ سے باہر سے سرمایہ کاری ہوئی جس سے غربت کا خاتمہ اور بے روزگاری بھی ختم ہوگئی ۔اس ملک میں بھی کئی سیاسی اتار چڑھاؤ آتے رہے ہیں کبھی فوجی حکومتیں بنیں تو کبھی کولیشن حکومتیں بنتی رہیں۔مگر 2009ء میں موجودہ صدر کی جماعت BROAD FRONT نیتجا سب سیٹیں جیتیں تو ملک میں تعلیم، صحت، سیکورٹی، خارجہ پالیسیاں بنائی گئیں جس سے اس ریاست کا نام کامیاب ریاستوں میں شمار ہونے لگا۔ملک کا قانون بنانے میں انہوں نے سوئٹزرلینڈ کے قوانین سے مدد لےکر تشکیل دیا ہے ۔کیا ایسا غریب صدر ہمیں بھی میسر آسکتا ہے؟ اس حکومت کے آنے کے بعد 10 سال تک تعلیم مفت اور لازمی قرار دی جاچکی ہے جو وزارت تعلیم اور کلچر کے ذمہ ہے، تمام مذہبی آزادی ہے۔فوج کی تعداد کم کرکے صرف 14000 کردی گئی ہے جن میں زمینی، سمندری اور ہوائی افواج شامل ہیں۔

کینیڈا میں جنت کے مزے اور عید

3 ہفتے پہلے امریکہ اور کینیڈا آیا تھا ایک ہفتہ امریکہ میں رکنے کے بعد ارادہ تھا کہ صرف ایک ہفتہ کینیڈا میں اپنے صاحبزادوں اور انکی فیملی کے ساتھ گزاروں گا جو گذشتہ 4 پانچ سال سے پاکستان میں دہشت گردی اور افراتفری کے سبب یہاں منتقل ہو گئے تھے۔ جس دن یہاں پہنچا تو حسب عادت صبح اخبارات کا بذریعہ انٹرنیٹ مطالعہ کیا۔ قارئین کی اطلاع کے لئے کینیڈا اور پاکستان میں گرمیوں میں 10 گھنٹے اور سردیوں میں 9 گھنٹے کا فرق ہے۔ کینیڈا ہم سے وقت کے لحاظ سے 9 دس گھنٹے پیچھے ہے۔ تمام اخبارات سوات کی ملالہ پر قاتلانہ حملے کی سرخیوں سے بھرے پڑے تھے۔ بہت دکھ والم سے بس میں سے اتار کر اس معصوم لڑکی پر گولیوں کی بوچھاڑ کی بزدلانہ واردات پڑھی۔ قوم کا غصہ اور طالبان کے دعوے اور دلائل پڑھے اس وقت حیرت ہوئی کہ جب میری پوتی یہاں شام کو اسکول سے لوٹی تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ پاپا سوات میں ملالہ کو کیوں مارا۔ ہمارے اسکول کی لڑکیاں ہم سے سوال کر رہی تھیں کہ تم پاکستانی کتنے ظالم ہو کہ معصوم لڑکیوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ بھلا ہمیں کیا پتہ کہ پاکستان میں کیا ہو رہا ہے ہم کو یہاں آئے ہوئی 5 سال ہو چکے ہیں۔ ہم کو ابھی تک پاکستان میں ہونے والے واقعات کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ ہر کوئی ہم پر آوازیں کستا ہے ہم مسلمانوں اور خصوصاً پاکستانیوں کے دل میں نفرت کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ البتہ یہاں کے قانون کے مطابق کھل کر اظہار نہیں کرتا۔ اس معصوم پوتی کو میں کیا جواب دیتا صرف یہ کہا کہ افغانستان کی جنگ میں پاکستان کو ساتھ دینے کی سزا مل رہی ہے اب تو پورا ملک دہشت گردی کا شکار ہو چکا ہے۔ دوسرے دن میری بیٹی جو 3 سال سے انہی حالات کی وجہ سے لندن منتقل ہو چکی ہے اس کا فون آیا اُس نے بھی بتایا کہ اس کی بیٹی جو وہاں اسکول میں پڑھتی ہے ان کی ٹیچروں نے ملالہ کے متعلق اسکول کے بچوں کو آگاہ کیا اور اس واقعہ کی مذمت کی نہ ہماری حکومت نے اس واقعہ سے لاتعلقی ظاہر کی اور وزیر داخلہ کا عجیب بیان یہاں کا میڈیا بار بار دکھاتا

رہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ کس نے یہ کاروائی افغانستان سے سوات میں آ کر کی ہے۔ جبکہ صوبہ خیبر پختون خواہ کے وزیر داخلہ ان ملزمان سے لاعلم ہیں۔ وہ مرکز سے پوچھ رہے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایسی بھیانک کاروائی کرنے کے بعد روپوش ہیں۔ پوری دنیا میں اتنا پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا کبھی نہیں ہوا جتنا ملالہ کو مرکزی کردار بنا کر ہر شخص ہم پر تھوتھو کر رہا ہے اور خود یہاں تمام پاکستانی بھی حیران و پریشان ہیں۔ آخر ہمارے حکمرانوں، سیاستدانوں کو کیا ہو گیا ہے جو پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرا کر کبھی دشگردوں، کبھی طالبان یا شدت پسندوں کو آگے کر کے اپنی اپنی جانیں بچا رہے ہیں اور ہماری عوام کو سانپ سونگھ گیا ہے، غیرت مر گئی ہے، ہر طبقۂ فکر الگ الگ نقطہ پیش کر رہا ہے۔ کوئی پاکستان میں آنے والے الیکشن سے حکمران بھاگنا چاہتے ہیں تو حزب اختلاف الیکشن میں ناکامی سے بچنے کے لئے خاموش تماشائی ہے۔ ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ یہاں کا میڈیا ہمارے واقعات کو اپنی مرضی کا رنگ بھر کر اپنے عوام کے سامنے پیش کرتا ہے تو یہاں کے عوام اس کو سچ سمجھ کر ہم کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کینیڈا میں لاکھوں پاکستانی اب کینیڈین شہریت حاصل کر کے بڑی پُرامن زندگی گزار رہے ہیں۔ یہاں پر مذہب کی مکمل آزادی ہے، یہاں مسلمانوں کو اپنے اپنے مسلک کے مطابق طور طریقے اپنانے کی آزادی ہے۔ حتیٰ کہ مساجد اور امام بارگاہوں کو بنانے اور عبادتیں کرنے کی بھی آزادی ہے۔ محرم الحرام میں تعزیے، ماتمی جلوس تک سڑکوں پر اجازت ناموں اور ٹائم ٹیبل کے ساتھ نکالنے کی آزادی ہے۔ یہاں بہت سی مساجد، گرجے خرید کر مسجدوں میں تبدیل کر کے نمازیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اسلامی اسکول تقریباً ہر مسجد میں قائم ہے جس میں انگریزی کے ساتھ عربی اور قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے البتہ ہمارے پاکستانی بچے اردو کی تعلیم سے محروم ہیں۔ اب وہ صرف اردو بول سکتے ہیں مگر لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ یہاں تقریباً 15 بیس اخبارات ہفتہ وار شائع ہوتے ہیں جو بالکل مفت گروسری کی دوکانوں میں رکھے جاتے ہیں جو ہر شخص جتنے اخبار چاہے اٹھا سکتا ہے ان اخبارات میں

اشتہارات کی بھرمار ہوتی ہے اوران اشتہارات سے اخبار چلتا ہے۔یہاں بھی پاکستان کی طرح تعویز، پیرفقیری، اشتہارات شائع ہوتے ہیں۔اتنے پڑھے لکھے ہونے کے باوجود پاکستانی خواتین خصوصاً ان اشتہارات سے متاثر ہوکران سے رجوع کرتی ہیں۔ٹی وی بھی تمام پاکستانی چینلز آزادی کے ساتھ قیمتوں کے عوض آپ دیکھ سکتے ہیں۔آج کل جادو دام کی ایک ڈیوائس کے ذریعے گھر گھر ٹی وی چینلز دیکھے جاتے ہیں، بھارتی چینلز بھی یہاں پاکستانی خواتین بڑے اہتمام، انہماک سے دیکھتی ہیں۔بالکل پاکستانی خواتین کی طرح عورتوں کا اسٹار پلس یہاں بہت مقبول ہے، مردوں میں جیو ٹی وی بہت مقبول ہے۔پاکستانی خبروں کا سارا دارومدار اس چینل پر ہوتا ہے۔پاکستان میں ہر روز ایک نیا اسکینڈل اخبارات کی زینت اور ٹی وی پر بریکنگ نیوز بنتا ہے۔وقت گزارنے کے لئے عوامی سیاسی ٹاک بھی دیکھے جاتے ہیں اور پاکستانی سیاستدانوں اور حکمرانوں کی تکرار سے بیزار ہو چکے ہیں۔آج کل شہباز شریف کے بیٹے کی دعویدار منکوحہ عائشہ احد کے اوران کے داماد کی بیکری کے ملازمین کی پٹائی اور پھر گرفتاری موضوع گفتگو بنی ہوئی ہے۔یار لوگ ہر دو صورتوں میں اگر شہباز شریف اُن کو قانون کے حوالے کرتے یا نہ کرتے، موردِ الزام ٹھہرائے جا رہے ہیں۔حالانکہ سارا معاملہ ان کی صاحبزادی کی دھونس اور دھمکیوں کا نتیجہ تھا جو فوٹیج میں بہت واضح ہے ان کو بچالیا مگر شامت داماد کی آئی ہوئی ہے۔چلتے ہیں یہاں کہ پاکستانیوں پر گزشتہ 2 ہفتوں سے حکومت پاکستان کے ناعاقبت اندیشوں نے موبائل فون پر 8 پینس بھی تقریباً ساڑھے سات روپے سرچارج لگا کر ظلم کی انتہا کر رکھی ہے۔یہ صرف ہمارے پاکستان کے وزیر خزانہ کی اختراع بتائی جاتی ہے جو انہوں نے یک لخت، یکطرفہ پاکستان کالز کرنے والوں پر لگائی ہیں۔نہ بھارت اور بنگلہ دیش نے ایسا کیا اس وجہ سے پاکستان تمام انٹرنیشنل کالز سینٹر کی لسٹ سے تمام دنیا میں کٹ گیا ہے اور بدنامی الگ ہو رہی ہے۔اس کی وجہ کال سینٹر اپنی کمرشل میں بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان کو یکجا کرکے 1 دو پینس میں فی منٹ فروخت کرتے ہیں جو ایڈوانس

بکنگ کے ذریعے ہوتی ہے۔اب جب پاکستانی حکومت نے سرچارج 8 پینس فی منٹ لگایا تو انہوں نے اپنی پاکستانی کالوں پر 8 پینس اضافہ کرکے پاکستانیوں کے لئے مہنگی کالیں کر دی ہیں۔اس طرح تمام پاکستانی جو دیار غیر میں رہتے ہیں پاکستانی حکومت سے سخت نالاں ہیں۔اس جگا ٹیکس کو ختم کرنا چاہئے اور جس نے بھی یہ ظلم کیا ہے اس کے خلاف کاروائی ہونی چاہئے۔قائد تحریک الطاف حسین صاحب نے اس کی مذمت بھی کی مگر حکومت پاکستان ابھی تک خاموش ہے۔لندن ہائی کمشنر نے بھی یوکے کے پاکستانیوں کو یقین دلایا ہے کہ حکومت جلد یہ سرچارج واپس لے لے گی۔مگر جس کو آج کل میں فون کرنا ہو وہ کیا کرے؟ اب موبائل فونز ہی رابطے کے لئے موزوں طریقے سمجھے جاتے ہیں۔حکومت اس کو بھی کمائی کا ذریعہ بنانا چاہتی ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ کینیڈا میں پُرسکون دن گزارنے کی وجہ سے اب یہاں سے پاکستان واپسی کا دل نہیں چاہتا۔اس ہری بھری جنت کو چھوڑ کر کراچی میں جہاں آج بھی دہشت گرد دن دیہاڑے قتل عام کرتے پھر رہے ہیں کیسے واپس جایا جائے؟ عید انشاءاللہ کینیڈا میں ہی گزرے گی کم از کم قربانی تو اطمینان سے ہوگی۔کوئی کھالیں نہیں چھینیں گی، گوشت بھی محفوظ رہیگا۔

﴿ ڈاکٹر محمد علی شاہ سے آخری ملاقات ﴾

2ماہ قبل پی آئی اے کی پرواز سے لندن روانہ ہوا۔جہاز میں مرحوم ڈاکٹر محمد علی شاہ اور سرجن فیض محمد سے ملاقات ہوگئی۔ان دونوں ڈاکٹروں سے 40 سال سے دوستانہ مراسم تھے خصوصاً ڈاکٹر فیض محمد نے تو 1976ء میں میری فیکٹری میں شارٹ سرکٹ سے لگنے والی آگ کے متاثرین کا علاج کیا تھا۔جس سے دوستی کی ابتداء ہوئی تھی۔ڈاکٹر محمد علی شاہ کا کرکٹ سے تعلق کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اور میرا تعلق بھی کراچی سٹی کرکٹ ایسوسی ایشن کے نائب صدر کی حیثیت سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ گذشتہ 12 سال سے ہمارا ادارہ کراچی میں انڈر 15، انڈر 17، انڈر 19 اور انڈر 21 ٹورنامنٹ منعقد کرا رہا ہے۔جس میں کراچی اور مضافات کے تمام زونز اس میں حصہ لیتے ہیں۔اکثر ڈاکٹر محمد علی شاہ ان ٹورنامنٹ کے اختتام پر مہمان خصوصی ہوتے تھے اور جب سے کھیلوں کی وزارت ان کو ملی تو انہوں نے کراچی کے نوجوانوں کیلئے بے انتہا مواقع فراہم کیے۔خود انہوں نے اپنے والد کے نام سے اصغر علی شاہ اسٹیڈیم بنا کر کراچی میں کرکٹ اکیڈمی کی داغ بیل ڈالی۔راقم کے ملیر میں KN اکیڈمی کرکٹ کلب کا بھی افتتاح انہی کے ہاتھوں 2001ء میں ہوا تھا۔بعد میں اس اکیڈمی میں سندھ نابیناؤں (Blind) کی کرکٹ ٹیم کے میچ بھی ہوتے رہے اس کے بھی وہ مہمان خصوصی ہوتے تھے۔ڈاکٹر محمد علی شاہ کراچی سٹی کرکٹ ایسوسی ایشن کے 1987ء سے 2005ء تک نائب صدر بھی رہے۔پھر 2006ء سے 2011ء تک صدر منتخب ہوئے۔ 2008ء کے انتخابات میں وہ کراچی سے صوبائی الیکشن کے انتخاب میں کامیاب ہوئے اور اسپورٹس منسٹر بھی رہے۔زندگی بھر وہ کرکٹ کیلئے بلا معاوضہ خدمت کرتے رہے۔1984ء میں انڈر 14 کرکٹ ٹورنامنٹ اسپانسر کیا۔وہ ایمپائرنگ بھی کر چکے ہیں۔خود بھی کرکٹ کھیلتے رہے ہیں اور اپنے اسٹیڈیم میں ٹورنامنٹ بھی منعقد کرواتے رہے ہیں۔جن میں رمضانوں میں تو تمام

رات اسٹیڈیم میں مختلف میچز ہوتے تھے۔ ہاں تو ذکر ہو رہا تھا کراچی سے لندن تک کے سفر کا۔ راستہ بھر گپ شپ ہوتی رہی۔ جب لندن ایئرپورٹ پر اترا تو پی آئی اے کا عملہ ان کے استقبال کیلئے موجود تھا۔ بہت خوش و خرم دکھائی دے رہے تھے۔ باہر آنے پر کہنے لگے اس ویک اینڈ یعنی ہفتے کی رات میرے گھر تمہاری دعوت ہے ضرور آنا۔ میں نے بھی حامی بھر لی۔ آپس میں لندن کا پتہ بھی لے لیا اور ایک دوسرے کے فون نمبرز بھی لیے۔ جمعہ کی رات کو فون کر کے مجھے دعوت کی دوبارہ یاد دہانی کرائی۔ میں لندن میں اپنی بیٹی اور داماد کے گھر ہی ٹھہرتا ہوں تو دونوں نے مجھے کہا کہ پاپا آپ چند دنوں کے لیئے ہی تو ہمارے ہاں آتے ہیں۔ ہم آپ کو کہیں نہیں جانے دیں گے۔ خصوصاً ویک اینڈ پر بچوں کی چھٹیاں بھی ہوتی ہیں وہ سب ناراض ہو نگے۔ میں نے کہا بیٹا اب تو میں زبان دے چکا ہوں۔ آپ مجھے ان کے گھر ڈراپ کر دیں۔ واپسی پر میں آپ کو فون کر دوں گا۔ بہر حال ہفتے کی شام میرے بچوں نے ڈاکٹر صاحب کے گھر جو ایئرپورٹ کے قریب واقع تھا پہنچا دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے بچوں کو بھی دعوت دی مگر بچوں کے اپنے پروگرام تھے۔ انہوں نے معذرت کی کہ ہم تو لندن میں ہی رہتے ہیں انشاء اللہ آئندہ سہی۔ شام ہوتے ہی ان کے گھر دیگر مہمان بھی آنا شروع ہو گئے جن میں ہاکی کے سابق کپتان جناب اصلاح الدین، کرکٹ کے سابق کپتان مشتاق محمد بھی جو لندن سے باہر رہتے ہیں پہنچ گئے۔ سرجن فیض محمد، انگلینڈ ٹیم کے اویس شاہ کے والد، پی آئی اے کے منیجر اور ان کے کئی مقامی دوست جمع ہوئے۔ بہت پر تکلف کھانے لندن جیسی جگہ میں گھر میں پکے ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے بنفس نفیس پیش کئے۔ رات گئے گپ شپ میں پتہ نہیں چلا۔ تقریباً آدھی رات ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اب مجھے رات کو واپس جانے کی ضرورت نہیں۔ مشتاق محمد بھی باہر سے آئے تھے۔ ہم دونوں رات کو انہی کے گھر ٹھہر گئے۔ صبح تو ڈاکٹر صاحب نے حد کر دی۔ ناشتے میں مغز، پراٹھے، قیمہ، انڈے ان کی بہن صاحبہ نے خود اپنے

ہاتھوں سے پکائے اور گرم چائے کے ساتھ گرم گرم پراٹھے کھلائے سب نے خوب سیر ہو کر کھائے۔ ناشتے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میری عادت ہے کہ میں اپنے نئے مہمانوں کا فوٹو ضرور بناتا ہوں۔ چنانچہ خود انہوں نے اپنے کیمرے سے میرا اور اپنا فوٹو بنوایا اور پھر آئندہ ملنے کے لئے وعدے وعید ہوئے اور مجھے رخصت کیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری ان سے یہ آخری ملاقات ہے۔ میں وہاں سے کینیڈا چلا گیا، اپنے صاحبزادوں سے ملنے۔ پھر کراچی ایک ہفتے قبل ہی لوٹا تھا کہ 4 فروری 2013ء کو ان کی اچانک وفات کی خبر سنی کانوں کو یقین نہیں آیا۔ جناب سراج الاسلام بخاری صاحب نے تصدیق کی اور معلوم ہوا کہ مرحوم 2 سال سے بلڈ کینسر کی بیماری میں مبتلا تھے اور بار بار لندن آ کر اس کا علاج کراتے رہے اور اس مرض کو اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیا اور بہادری سے مقابلہ کرتے رہے اور بہت سے یار دوستوں کو بھی نہیں معلوم ہو سکا۔

اور وہ اس مرتبہ امریکہ علاج کے لئے گئے مگر موت نے مہلت نہیں دی اور وہ ہیں زندگی کا کیچ دے بیٹھے۔ جسدِ خاکی 7 فروری 2013ء کو لایا گیا اور اصغر علی شاہ اسٹیڈیم میں ہی ہزاروں مداحوں، عزیز و اقارب، دوستوں، ملازموں کو سوگوار کر کے سفر آخر اختیار کیا اور پاپوش نگر قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ دنیا بھر گھومنے پھرنے والا، زندگی بھر کامیابیوں کا کھیل کھیلنے والا، مختلف تمغوں کا حاصل کرنے والا، گینز بک کے ریکارڈ کے مطابق 80 ہزار آپریشن کر کے دوسروں کو نئی زندگیاں دینے والا اپنی زندگی کی بازی ہار گیا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ رہ رہ کر ان کا آخری جملہ یاد آ رہا ہے کہ خلیل بھائی جب لندن آؤ تو میرے ساتھ کھانا ضرور کھانا۔ اب نہ وہ رہے نہ میرے وہ فوٹو بھجوا سکے۔ میرے لبوں پر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

صدارتی دن(President Day)

آج کی دنیا میں امریکہ ایک سپر پاور ہے اس لحاظ سے امریکن اپنے آپ کو سپر پاور سمجھتے ہیں ۔ بقایا دیگر قوموں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں ۔ کسی زمانے تک جب روس نہیں ٹوٹا تھا وہ اس کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا مگر روس کی ریاستوں کے ٹکڑے ہوتے ہی امریکہ نے تنہا اپنے آپ کو سپر پاور سمجھ لیا ہے اور اس پر اس کو فخر بھی ہے ۔ وہ الگ بات ہے کہ عراق ،افغانستان جنگوں کی وجہ سے امریکہ معاشی طور پر بہت مقروض ہو چکا ہے ۔ امریکی صدر بارک اوباما ، سابق صدر جارج ڈبلیو بش کی چھیڑی ہوئی ان 2 جنگوں کے نقصانات کم کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں اور اپنے دوسرے صدارتی دور میں افغانستان سے فوجیں کم کر کے اپنی معاشی ساکھ کو بہتر بنانے کی پوزیشن میں آرہے ہیں ۔ البتہ اب چین ان گزشتہ 20 پچیس سالوں میں معاشی اور ایٹمی طاقت کے لحاظ سے دوسری سپر پاور کے طور پر ابھرا ہے اور بہت جلد سپر پاور بن جائیگا ۔ امریکی قوم بھی ہمارے لاہوری بھائیوں کی طرح بڑی زندہ دل قوم سمجھی جاتی ہے ، کھانے پینے ، اچھا پہننے ، گھومنے پھرنے ہی کو زندگی کا مقصد سمجھتی ہے ۔

امریکہ میں ہر ہر مواقعوں کے نام سے تہوار منانے کی رسمیں W ہیں مثلاً مزدوروں کو خوش کرنے کے لئے مزدوروں کا دن ، باوجود اس امر کے کہ امریکہ کے شہر شکاگو میں مزدوروں پر ہی گولیاں برسائی گئی تھیں ۔ آج اس غم کو منانے کے لئے لیبر ڈے بنایا جاتا ہے ۔ ماں باپ سے سال بھر نہ ملنے کے باوجود ایک دن فادرڈے اور ایک دن مدرڈے منا کر سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے ماں باپ کا حق نبھا دیا ۔ اسی طرح روٹھی ہوئی محبوبہ کے لئے ایک دن اس کو پھول پیش کرنے کا دن ویلنٹائن ڈے منا کر خوش کر دیا جاتا ہے ۔ کرسمس اور سالِ نو بھی زور وشور سے منایا جاتا ہے ۔ یہ تہوار کئی صدیوں سے منائی جارہی تھیں مگر 1968ء سے امریکی کانگریس نے اپنے بانی صدور جارج واشنگٹن اور ابراہم لنکن کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ہر سال فروری کے تیسرے پیر کو صدارتی دن منانے کا دن

منظور کیا ۔ اس دن سے آج تک یہ دن منایا جاتا ہے اور دیگر تہواروں کی طرح چھٹی ہوتی ہے ۔ ساتھ ساتھ اس کو خوشگوار بنانے کے لئے شاپنگ سینٹروں اور صنعتی اداروں کی طرف سے سیلز لگائی جاتی ہیں تا کہ قوم ایک مرتبہ پھر سستے داموں اپنی ضرورت کی اشیاء خرید کر خوشی میں شریک ہو سکے ۔

1971ء میں صدر نکسن نے اس میں ترمیم کر کے ماضی کے تمام صدور سے منسلک کر دیا گیا تا کہ امریکہ کی یوم آزادی سے لیکر موجودہ صدر تک کو خراج تحسین پیش کیا جا سکے ۔ امریکہ میں بھی صدر ابراہم لنکن اور صدر جان آف کینیڈی کو قتل کیا گیا ۔ 2 صدور کا خود ان کے دور میں مواخذہ کیا گیا ان پر بھی الزامات لگے ، صدر نکسن پر حزب اختلاف کی جاسوسی کے الزامات لگے عدالت میں طلب کیا گیا اور الزامات ثابت ہونے پر صدر نکسن کو قبل از وقت مستعفی ہونا پڑا ۔ صدر کلنٹن جس نے اپنے دونوں ادوار میں امریکی معیشت کو زبردست مضبوط کیا تھا اور بڑا نام کمایا تھا دوسرے دور میں جنسی اسکینڈل کا سامنا کرنا پڑا ۔ مشہور زمانہ مونیکا سے جنسی تعلقات کا اقرار کر کے قوم اور اپنے خاندان سے معافی مانگنی پڑی ۔ امریکی قوم بڑی فراخ دل واقع ہوئی ہے اس نے نہ صرف کلنٹن کو معاف کر دیا بلکہ ان کی بیگم ہیلری کلنٹن کو صدر اوباما کے صدارتی الیکشن کے ساتھ الیکشن لڑوایا بعد میں وہ دستبردار ہو گئیں اور صدر اوباما نے ان کو اپنی وزارت خارجہ کا عہدہ دیا ۔ اب کہا جارہا ہے کہ وہ اگلے الیکشن میں وہ پھر ڈیموکریٹک صدارتی اُمیدوار ہونگی ۔ الغرض امریکی قوم ایسے ایسے تہواروں کے ساتھ ہنسی خوشی سال گزارتے ہیں اور ہر تہوار کو انجوائے کرتے ہیں ۔ خوب خریداریاں کرتے ہیں ، رات مل کر ہوٹلوں اور شراب خانوں میں ڈانس کی پارٹیاں سجاتے ہیں ، یہ ان کا کلچر ہے ۔

ہمارے ملک میں عید اور بقرہ عید جیسے تہوار جو ہم مذہبی طور پر مناتے ہیں ، سیلز تو کیا لگیں گی الٹا قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں ۔ قوم کو اس کی آڑ میں دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا ہے ۔ قوم مجبور ہوتی ہے ، عید پر تو اس نے ہر حال میں خریداری کرنی ہوتی ہے لہٰذا چپ چاپ اس کو جھیل جاتی ہے ۔

صدارتی دن کے حوالے سے برصغیر ہندو پاک میں بھی صدارتی نظام ہے، مگر ان دونوں ممالک میں صدارتی دن منانے کی کوئی رسم نہیں ہے خصوصاً ہمارے ہاں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔امریکہ میں آنے والا صدر، جانے والے صدر کو خراج تحسین پیش کر کے بیٹھتا ہے اور جانے والے سے مشورہ بھی کرتا ہے۔مگر ہمارے ہاں صدر ایوب خان، صدر سکندر مرزا کو معزول کر کے اقتدار پر قبضہ کیا۔صدر ایوب کو صدر یحییٰ نے مجبور کر کے زبردستی صدارت سے استعفیٰ لیا اور خود صدر بن بیٹھے اور ملک کو دولخت کر دیا۔ اگر پاکستان 2 ٹکڑے نہ ہوتا تو شاید آج بھی فوجی مسندِ اقتدار پر براجمان ہوتے۔فوجی جرنیلوں نے ہی صدر یحییٰ کو معزول کر کے اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کیا۔فرق صرف فوجی اقتدار میں صدر صدر ہوتا ہے، عقل کل سمجھا جاتا ہے جو چاہتا ہے من مانی کرتا ہے۔مگر جمہوری نظام میں صدر صرف ایک شوپیس ہوتا ہے جیسا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں صدر فضل الٰہی تھے۔کسی منچلے نے جب بھٹو صاحب کے خلاف اپوزیشن نے نظام مصطفیٰ تحریک چلائی اور ملک میں ہنگامے ہو رہے تھے تو صدارتی محل کی دیوار پر لکھ دیا کہ مجھ کو رہا کرو (فضل الٰہی کو پنجاب میں محاورتاً فضل کو فجہ کہتے ہیں)۔بہر حال جب بھٹو صاحب کے خلاف تحریک فیصلہ کن موڑ پر پہنچی تو پھر فوج نے مداخلت کی اور ضیاء الحق صدر بن کر 11 سال اقتدار کے مزے اٹھا گئے۔ان کے کارناموں میں روس افغان جنگ کے نتیجے میں 40 پچاس لاکھ افغان مہاجرین، منشیات اور اسلحہ قوم کو تحفہ میں ملا۔پھر ہوائی حادثہ میں صدر ضیاء الحق جاں بحق ہوئے۔ان کے نائب جنرل اسلم بیگ نے خود اقتدار نہیں سنبھالا، البتہ اس وقت کے سینیٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان کو نامزد کر کے الیکشن کروائے جنہوں نے جمہوریت تو بحال کر دی مگر یکے بعد دیگرے پی پی پی اور مسلم لیگ (ن) کی حکومتیں 2 دوبار توڑ کر اپنے مضبوط صدر ہونے کا ثبوت دیا۔مگر جب تیسری بار مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو توڑنے کی کوشش کی تو خود کو بھی مستعفی ہونا پڑا۔پھر باہر سے ہم نے وزیر اعظم معین قریشی کو امپورٹ کیا جنہوں نے الیکشن کروائے پھر پی پی پی کی حکومت بنی۔

محترمہ بےنظیر بھٹو صاحبہ نے فاروق لغاری کو اپنا صدر بنایا تو کچھ عرصے کے بعد ان ہی کے صدر نے ان کی حکومت ختم کر دی اور الیکشن کروا کر مسلم لیگ (ن) کے نواز شریف کو اقتدار سونپ دیا۔وزیر اعظم نواز شریف صاحب نے اپنی حکمت عملی سے صدر فاروق لغاری کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر کے قصرِ صدارت پر اپنا صدر محمد رفیق تارڑ صاحب کو نامزد کر دیا۔صدر رفیق تارڑ مزے سے اقتدار کے مزے لوٹتے رہے کہ کارگل کا واقعہ پیش آ گیا۔وزیر اعظم نواز شریف اور جنرل پرویز مشرف میں ٹھن گئی۔چیف آف آرمی اسٹاف پرویز مشرف سری لنکا سے جہاز میں واپس اپنے ملک آ رہے تھے تو یکا یک وزیر اعظم نواز شریف نے ان کو معزول کر کے اپنے حامی جنرل ضیاءالدین کو چیف آف آرمی اسٹاف نامزد کر دیا، جس کو جنرل مشرف کے حامی جرنیلوں نے قبول نہ کیا اور پرویز مشرف نے نواز شریف کا تختہ اُلٹ دیا۔الغرض صدر پرویز مشرف 8 سال تک حکومت کرتے رہے۔9/11 کے واقعہ نے پھر پاکستان کو افغان امریکہ جنگ تختے میں دلوائی، جس سے پھر پاکستان معاشی مشکلات سے دوچار ہوا۔ اس دوران لال مسجد، بلوچستان کے اکبر بگٹی کا قتل محترمہ بےنظیر بھٹو کا قتل اور موجودہ چیف جسٹس کے خلاف ایکشن ان کے گلے پڑ گیا۔الیکشن بھی (ق) لیگ ہار گئی اور پی پی پی پھر اقتدار میں آئی۔آصف علی زرداری نے حکمت عملی سے صدر مشرف سے استعفیٰ لے لیا اور اب صدر آصف علی زرداری نے 5 سال حکومت کر کے پہلی مرتبہ جمہوری حکومت ہونے کا ریکارڈ قائم کیا۔اب پھر الیکشن سر پر ہیں، ہر طرف افراتفری ہے، عوام دہشت گردی سے سہمے ہوئے ہیں۔روز افغان تختے میں ملنے والے اسلحہ کے زور پر کبھی طالبان، کبھی لشکر جھنگوی کے نام پر معصوم عوام پر بم دھماکے ہو رہے ہیں۔اگر امریکہ کی طرح ہم صدارتی دن منائیں تو کیا خراج تحسین صدور صاحبان کے حصے میں آئے گا اور ہم اپنے صدور کو کس نام سے یاد کریں گے؟

کینیڈا کے ایک دوست کا مشورہ

میرے ایک مخلص دوست جو گذشتہ 20 پچیس سال سے کینیڈا میں رہائش پذیر ہیں۔ جن کا تعلق کراچی کے صنعت کاروں میں ہوتا تھا مگر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں ہونے والے کراچی کے ہنگاموں سے تنگ آ کر پاکستان سے نقل مکانی کر گئے تھے۔ اکثر مجھے ای میل کے ذریعے اپنے اور کینیڈا میں رہنے والے پاکستانیوں کے خیالات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اور جب بھی راقم کینیڈا جاتا ہے تو وہ بڑے خلوص کے ساتھ ملتے ہیں اور اپنی دعوتوں سے نوازتے بھی ہیں۔ آج ان کی ای میل ملی تو وہ بہت ناراض سے لگے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی وہ جب شیخ الاسلام علامہ طاہر القادری صاحب نے کینیڈا سے اچانک پاکستان آ کر جو سیاسی دنگل اور اسلام آباد میں حشر نشر کیا اس پر بھی بہت ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ اور جب ہمارے چیف جسٹس جناب افتخار محمد چوہدری صاحب نے غیر ملکی پاسپورٹ رکھنے والے پاکستانیوں پر زمین تنگ کی اور انہیں نا اہل قرار دیا تو وہ اس سلسلے میں اپنی ذاتی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عدلیہ کو اس پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ غیر ملکی پاسپورٹ اتنی آسانی سے نہیں ملتا۔ اس کیلئے 5 دس سال اس ملک میں گزارنے پڑتے ہیں اور تعلیم، نوکریاں اور اچھے اچھے کام کرنے پڑتے ہیں۔ ان تمام مشکل مراحل سے گزر کر ہی وہاں کی شہریت ملتی ہے۔ اپنے خاندان، گھر والوں، بیوی بچوں، دوست اقارب سے دور رہ کر سردی گرمی، اجنبی لوگوں میں رہ کر ان کے طرح طرح کے کھانے، بدمزاج لوگوں کے طعنے سن کر ان کو غیر ملکی پاسپورٹ ملتا ہے۔ پھر پاکستان کی محبت میں یہی غیر ملکی پاسپورٹ رکھنے والے ان تمام ملنے والی غیر ملکی آسائشوں کو چھوڑ کر پاکستان کی محبت میں اقارب داروں کی رفاقت کی خاطر واپس پاکستان آتے ہیں۔ اپنی تعلیمات کا نچوڑ اپنے مسلمان بھائیوں میں پھیلاتے ہیں۔ خواہ وہ تعلیم کے میدان کے ماہر ہوں یا پھر ڈاکٹرز، پروفیسرز، سرجن، انجینئر ہوں پاکستان کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو تو ان کے مالکان لاکھ روکتے ہیں، ڈراتے ہیں کہ پاکستان جا کر کیا

کرو گے۔ نہ وہاں اتنی اچھی نوکریاں ملیں گی، نہ اتنی اچھی تنخواہیں، آسائشیں ملیں گی اور اب تو پاکستان میں تمہاری آبرو، دولت اور جان و مال بھی محفوظ نہیں ہے، پھر کیوں واپس جا رہے ہو۔ مگر شاباش ہے ان محب وطن پاکستانیوں پر، سب کچھ بُرا جانتے ہوئے ان کی پیش کش ٹھکرا کر نئے سرے سے پاکستان کے عوام کی خدمت کرنے کی خواہش لے کر پاکستان لوٹتے ہیں تو ان کو کیا ملتا ہے۔ ان ممالک میں وہ ڈالروں، پاؤنڈ اور یورو میں کھیل رہے ہوتے ہیں مگر وہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد پاکستان کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم ان کی ان قربانیوں کو بھلا کر اگر انہوں نے سیاست میں حصہ لیا تو ہم ان کو آج ذلیل کرنے میں تُلے ہوئے ہیں۔ غیر ملکی پاسپورٹ تو صرف آنے جانے کی سہولت کا کام دیتا ہے۔ وہ ان سے پاکستانی ہونے کا ثبوت تو زائل نہیں کرتا۔ خود سوچیے اگر انہیں غیر ملکی کہنے اور کہلوانے کا شوق ہوتا تو بھلا وہ پھر پاکستان کیوں آتے۔ دیارِ غیر میں انہیں کس چیز کی کمی تھی۔ ان کو پاکستان آنے کیلئے کس نے ورغلایا تھا۔ وہ کونسی کشش تھی جو ان کو پاکستان کی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ صرف اور صرف پاکستانی خون تھا جو ان کو پاکستان واپس لانے کیلئے ان کے ضمیر کی آواز تھی۔ جس مٹی نے ان کو سب کچھ دیا انہوں نے اس مٹی کا حق ادا کیا۔ وہ آگے لکھتے ہیں خدارا ان پاکستانیوں کو سیاست میں آنے کے بعد صرف پاسپورٹ کی وجہ سے باہر نہ کریں۔ ان کا تجربہ اور خلوص دیگر سیاست دانوں سے بہت بہتر ہے اور قوم کو ان کے تجربے سے مستفید ہونے دیں۔ اگر سیاستدانوں کو جن کے پاس غیر ملکی شہریت ہے وہ نا اہل ہیں تو ہزاروں غیر ملکی شہریت رکھنے والے ڈاکٹرز، انجینئرز اور پروفیسرز کو بھی نا اہل قرار دینا چاہیے اور ان کے تعلیمی سرٹیفکیٹ بھی منسوخ ہونے چاہیں۔ صرف سیاستدان ہی کیوں؟ غیر ملکی پاسپورٹ رکھنے والوں کی شق آنے والے الیکشن سے بھی قومی اسمبلی اور سینٹ سے منظور کروا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کروا دیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ دیارِ غیر میں پاکستانیوں کو ووٹ دینے کا حق کا کریڈٹ سپریم کورٹ کو جاتا ہے۔ کم از کم ہم اپنے آپ کو فخریہ پاکستانی سمجھ کر اپنا ووٹ استعمال کر سکیں گے۔ اس کیلئے ہنگامی اقدامات کر کے

اس آنے والے الیکشن کیلئے ممکن بنا دیں۔ 68 سال بعد یہ ہمارا بنیادی حق دیر ہی سے سہی بحال تو ہوا۔ مگر اس کا استعمال ابھی تک شک وشبہات کا شکار ہے۔ لاکھوں پاکستانیوں کو دیارِ غیر میں خدارا اس حق کو ضرور استعمال ہونے کا موقع فراہم کر کے ان کی دعاؤں کو سمیٹیں۔ ویسے بھی یہ الیکشن ابھی تک خواب بنے ہوئے ہیں۔ پورے ملک میں افراتفری، دہشت گردی، قتل وغارت ہمارے سہمے ہوئے پاکستانی عوام ان دھماکوں، دھرنوں سے نکل کر پولنگ اسٹیشن کیسے جا سکیں گے۔ جہاں پولیس بے بس، رینجرز خاموش اور فوج تماش بین بن چکی ہے۔ جسے ہزاروں بے گناہوں کا خون جو روز کراچی اور بلوچستان میں بہہ رہا ہے بالکل نظر نہیں آتا۔ خفیہ ہاتھوں کا گھناؤنا کھیل ہر پاکستانی کو ہلا چکا ہے۔ ہمارے رکھوالوں کو کیوں بے حس کر رکھا ہے۔ آنے والے دنوں میں کہاں سے کہاں پہنچے گا۔ اس خون کا کون حساب دے گا۔ سرحد سے باہر کی حفاظت سے زیادہ اب سرحد کے اندر کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

اگر الیکشن فوج کی نگرانی میں نہیں ہوئے تو پھر پولنگ اسٹیشنز کا اللہ حافظ ہو گا۔ اس ای میل کے آخر میں میرے دوست نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ محسن قوم ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کو مشورہ دیں کہ خدارا آپ اس پاکستان کی سیاست میں اپنے پاک قدم نہ ڈالیں جو ہمارے سیاست دانوں کی وجہ سے عوام کے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ قوم ان کا احترام بھی عبدالستار ایدھی کی طرح کرتی ہے جنہوں نے کبھی اس گندی خون آلود سیاست سے اپنے آپ کو ہمیشہ دور رکھا۔ آپ بھی اس سے دور رہیں۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے آمین۔

برف سے بنا ہوا ہوٹل

ہمارا ملک پہلی مرتبہ ایک جمہوری حکومت کے 5 سال مکمل ہونے کی تاریخ مرتب کر رہا تھا کہ اس دوران ہر طرف سے فوج کو ماضی کی طرح دعوت دی جا رہی تھی۔ آیئے اور پی پی کی حکومت کو ختم کر کے اقتدار سنبھالیں۔ مگر آفرین ہے ہمارے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی صاحب کو کہ وہ آنکھ اور کان بند کیے اپنے کام میں لگے رہے اور اس طرح 5 سال مکمل ہو گئے۔ نگران حکومت ابھی تک نہیں آسکی۔ شاید میرے کالم کے چھپنے تک معاملہ طے ہو جائے۔ مگر اس وقت بھی قوم کراچی میں عباس ٹاؤن، پشاور میں خودکش حملے، بلوچستان میں ہزارہ بستیوں کی تباہی سہہ رہی تھی کہ ایسے میں پنجاب میں جہاں امن وامان ہر لحاظ سے بہتر تھا۔ یکا یک مسیح برادری والے علاقے بادامی باغ میں 150 گھروں کو آگ لگا کر پوری قوم کو دنیا کے سامنے بدنام کر دیا۔ بھلا مسلمان بھی ایسا گھناؤنا کام کر سکتے ہیں؟ قوم شرمسار ہے مگر کام کرنے والے آزاد گھوم رہے ہیں۔ پھر ہمارے شیخ الاسلام واپس پاکستان تشریف لا چکے ہیں۔ کینیڈا شاید پہلے اتنا زیادہ مشہور نہیں تھا مگر چند ماہ قبل جب ہمارے شیخ الاسلام نے اس ملک کی شہریت لی اور وہاں 7 آٹھ سال بھی گزار لیے تو عام آدمی بھی کینیڈا سے واقف ہو گیا۔ اتفاق سے میں بھی امریکا، کینیڈا اور برطانیہ کاروبار کے سلسلے میں جاتا رہتا ہوں۔ مجھے چند ماہ قبل کینیڈا کے شہر مارخم کے میئر جناب مسٹر فرانک سے ایک تقریب میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ ہمارے ادارے کی کارکردگی سے واقف تھے۔ کیونکہ ہماری پراڈکٹس دنیا میں جہاں جہاں پاکستانی رہتے ہیں وہاں ہر پاکستانی گروسری شاپ میں دستیاب ہوتے ہیں۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ کینیڈا میں بھی اپنی مصنوعات بنائیں۔ ایک دعوت نامہ مجھے بھیجا اس لیے کینیڈا کے میئر کی دعوت قبول کر کے یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ کینیڈا میں مارچ ہالیڈے ہو گئی ہے۔ یہاں میری فیملی بھی رہتی ہے تو ان کے ساتھ مارچ ہالیڈے منانے کے لئے ہم نے صرف 1 ہفتے کا پروگرام ترتیب دیا۔ ہفتہ کی صبح ہم

نے 1800 کلومیٹر جانے کا پروگرام مارکھم سٹی سے شروع کیا۔ 250 کلومیٹر کے بعد کنگسٹن (Kingston) میں جو ایک خوبصورت جھیل نما جزیرہ ہے۔ ہم نے وہاں پہنچ کر مچھلی کے شکار کا پروگرام رکھا۔ کینیڈا میں مچھلی کے شکار کے لئے بھی لائسنس لینا پڑتا ہے جو با آسانی آن لائن مل جاتا ہے۔ مگر ایک شرط اس میں ہوتی ہے کہ آپ صرف 3 مچھلیاں ہی ایک وقت میں شکار کر سکتے ہیں اور اگر آپ کے جال میں چھوٹی مچھلی آجائے تو آپ اس کو واپس سمندر یا جھیل میں ڈال سکتے ہیں یا پھر آپ شام تک مچھلی پکڑتے رہیں اور پھر اس کو کانٹے سے نکال کر واپس سمندر یا جھیل میں چھوڑتے رہیں۔ اتفاق سے 2 گھنٹوں میں ہماری ڈور میں کوئی مچھلی نہیں آئی اور کینیڈا میں ہم جیسے سینئر شہریوں کے لئے لائسنس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے مایوس ہو کر ہم کینیڈا کے دوسرے شہر مانٹریال پہنچے، میں یہ بتانا بھول گیا کہ آج کل یہاں کا درجہ حرارت منفی 4 سے لیکر منفی 17 تک ہے۔ اس وجہ سے ہمارے تمام راستے میں ہر طرف برف ہی برف نظر آتی ہے حتیٰ کہ جھیلیں بھی جم چکی ہیں۔ یہاں سے ہم اپنی اصلی جگہ کیوبک شہر پہنچے جہاں ہم نے مشہور ترین جگہ یعنی برف سے بنے ہوئے ہوٹل کو دیکھنا تھا اور ساتھ ساتھ اس شہر کیوبک کی برف سے ڈھکی پہاڑیوں جہاں چیئر لفٹ بھی لگی ہوئی ہیں اس کا بھی نظارہ کرنا تھا۔ تمام دن سفر کر کے ہم کیوبک سٹی پہنچ گئے بہت تھکان تھی، کھانا کھا کر ہوٹل میں سو گئے مگر دوسرے دن جب اٹھے تو ہر طرف برف کی پہاڑیاں، خوبصورت ریسٹورنٹ اور ہوٹل تھے پھر ہم اس برف سے بنے ہوئے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے جو کیوبک سٹی سے 30 کلومیٹر پر واقع تھا۔ وہاں پہنچ کر ہم کو اس برف کے ہوٹل (Ice Hotel) کو صرف دیکھنے کے لئے فی کس 17 ڈالر یعنی 1700 روپے دینے پڑے۔ یہ ہوٹل جنوری میں ہر سال تیار کیا جاتا ہے اس میں صرف برف کی سلیں یعنی پانی سے جما کر بنائی جاتی ہیں، کیونکہ اس دوران کیوبک سٹی کا نقطۂ انجماد منفی ہوتا ہے تو یہ ہوٹل تعمیر ہو جاتا ہے اور جب مارچ کے آخر میں کیوبک سٹی کی برف پگھلنے لگتی ہے تو یہ ہوٹل خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ اس ہوٹل میں

صرف جنوری اور مارچ کے دوران دنیا بھر سے لاکھوں افراد آتے ہیں جس سے اس ہوٹل کو زبردست زرِمبادلہ ملتا ہے مگر اس ہوٹل میں رہنے کے لئے بہت ہی کم لوگ تیار ہوتے ہیں۔ اس برف سے بنے ہوئے کمرے میں برف کی سلوں پر ایک پلاسٹر چڑھا ہوا میٹ ڈالا ہوا تھا، کمروں پر صرف پردے پڑے ہوئے تھے اور رات 8 بجے سے صبح 8 بجے تک لوگ سو سکتے تھے۔ اس کا کرایہ فی رات 200 ڈالر تھا، رات سونے کے لئے انتظامیہ ایک خصوصی بیگ دیتی ہے جو آپ پہن کر سو سکتے ہیں۔ تمام راستے ہوٹل کے برف کے بنے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ باتھ روم بھی برف کے بنے ہوئے ہیں۔ اگر آپ چائے یا مشروب طلب کریں تو اس کے لئے بھی برف کے بنے ہوئے گلاس ہیں۔ چونکہ سارا دن ٹورسٹ آتے ہیں تو ان کے لئے برف کی بنی ہوئی سلائیڈز بھی ہیں یہاں بچے بہت انجوائے کرتے ہیں۔ اس برف والے ہوٹل میں 90 فیصد لوگ صرف اس کو دیکھنے آتے ہیں، عام طور پر 2 گھنٹے سے زیادہ ہوٹل میں کوئی نہیں رک سکتا صرف فوٹوگرافی یقیناً بہت اہم ہے یہ ہوٹل خودبخود مارچ 24 کو تحلیل یعنی ختم کردیا جاتا ہے۔ مگر یہ واقعی دنیا کی ایک عجوبہ چیزوں میں سے ہے جو کینیڈا والوں نے برسوں سے اس کو ہر سال نہ صرف اپنے عوام کے لئے بلکہ پوری دنیا کے لئے ایک اٹریکشن بنایا ہوا ہے۔ یہاں سے فارغ ہوکر تیسرے دن کینیڈا کے ایک شہر پرنس ایڈورڈ آئس لینڈ ہے، وہاں پہنچے جہاں زبردست سمندری ساحل ہیں اس کی سب سے خوبصورت اور تاریخی تقریباً 12 کلومیٹر لمبی، ڈبل ٹریک برج ہے۔ یہاں بھی لاکھوں سیاح گرمی میں آتے ہیں یہ بہت تاریخی شہر ہے اس شہر کے باشندوں نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ ان کی یادگاریں یہاں موجود ہیں مگر اس شہر میں بدقسمتی سے مسلمان نہیں رہتے تو یہاں حلال کھانے کا کوئی خیال بھی پایا نہیں جاتا۔ اگر آپ صرف اس سمندری علاقے کو انجوائے کرنا چاہتے ہیں تو سمندری غذا یعنی سی فوڈ اس علاقے سے بہتر آپ کو نہیں ملے گا۔ 2 دن ہم یہاں رکنے کے بعد واپس ٹورنٹو روانہ ہوئے 1800 کلومیٹر واپسی کا سفر تھا، پھر صبح سے رات

تک ہم اس علاقے کی خوبصورتی، سمندر، جھیلیں، پہاڑ انجوائے کرتے ہوئے 5 دن میں ٹورنٹو پہنچ گئے۔ راستے اتنے خوبصورت اور روڈ اتنے پائیدار تھے کہ ہم کو تھکن کا احساس بھی نہیں ہوا۔ گویا 4000 کلومیٹر آنے اور جانے میں پتا ہی نہیں چلا۔ ہم نے برف کا بنا ہوا ہوٹل، پہاڑوں پر چیئر لفٹ، اسکنگ، طویل ترین برج، برف باری، پہاڑیاں، سمندر، جھیلیں، مچھلی کا شکار اور کیا چاہئے؟ ہمارے ملک میں ایسے خوبصورت مقامات تو موجود ہیں مگر ہم نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ کاش ہمارے سیاستدان سوچیں وہ اس ملک کو صرف دہشت گرد ملکوں میں شمار کرانے میں لگے ہوئے ہیں۔ صرف اور صرف اپنے مفادات کی خاطر۔ اب جب دوبارہ الیکشن ہونے جارہے ہیں کیا ہم اپنے ملک کی تقدیر کو بدلنے کے لئے بھی تیار ہیں یا صرف گھروں میں بیٹھ کر خود کو اور اپنے ملک کو کوستے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے ملک نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

﴿ پاپا گویا بیچ (Papa Goya Beach) ﴾

گذشتہ ہفتے کے کالم میں راقم نے کینیڈا کے شہر کیوبک سٹی کے مشہور برف کے ہوٹل کا ذکر کیا تھا۔ پورے کینیڈا میں ابھی تک زبردست سردی کے ساتھ ساتھ برف باری اور درجہ حرارت نقطہ انجماد سے نیچے ہے مگر تمام کاروبار روزمرہ کی طرح جاری ہیں۔ ویک اینڈ پر بڑے بڑے مالز میں عوام سردی اور گرمی دونوں کے کپڑوں کی خریداری میں لگی ہوئی ہے۔ سردی کے کپڑوں پر بڑی بڑی سیلز لگی ہوئی ہیں۔ تا کہ گرمی آنے سے قبل گرم کپڑے فروخت کر کے گرمی کے کپڑوں کیلئے جگہ دستیاب ہو سکے۔ کینیڈا کے سب سے بڑے صوبے "اونٹوریو" کے شہر مارکھم کے میئر نے میرے اعزاز میں ایک استقبالیہ رکھا اور مارکھم شہر کے متعلق بریفنگ دی اور ایک یادگار شیلڈ مارکھم کے شہریوں کی طرف سے پیش کی۔ یہ ایک پاکستانی کیلئے بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پاکستانی کمیونٹی کی بہت عزت ہے جن میں صنعت کار، تاجر، ڈاکٹرز، انجینئرز، آئی ٹی اسپیشلسٹ اور نوکر پیشہ افراد کی تعداد 4 لاکھ سے زیادہ ہے جو کینیڈا کی بہت بڑی کمیونٹی میں شمار ہوتی ہے۔ دوسرے دن یہاں پاکستان کے قونصل جنرل عزت مآب جناب محمد نفیس ذکریا اور جناب اصغر علی گولو نائب قونصل جنرل سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی دونوں حضرات یہاں پاکستانیوں میں بہت مقبول ہیں اور پاکستانیوں کیلئے نئے نئے منصوبے تشکیل دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ پاکستانی صنعت کاروں کو زیادہ سے زیادہ کینیڈا کی منڈی تک رسائی مل سکے اور پاکستانی مصنوعات کو کینیڈا میں متعارف کرایا جا سکے۔ یوم پاکستان 23 مارچ کا پروگرام بھی کینیڈا میں منایا گیا جس میں مارکھم کے میئر جناب فرانک بھی شریک ہوئے جو فلیٹو مارکھم تھیٹر میں ہوا جس میں کینیڈا میں مقیم ہزاروں پاکستانیوں نے شرکت کی۔ جہاں پاکستانی پرچم کشائی ہوئی۔ مارکھم میں ایک اسپتال کیلئے 1.5 لاکھ ڈالر کا چندہ بھی ان پاکستانیوں نے مارکھم کے میئر کی اپیل پر جمع کرایا خاص طور پر

فلیٹو ادارے کے روح رواں جناب شاکر رحمت اللہ صاحب جو میرے عزیز دوست بھی ہیں انہوں نے 25 ہزار ڈالر دینے کا اعلان کیا وہ اس سے قبل بھی 1 لاکھ ڈالر کا چندہ دے چکے ہیں۔ یہ بہت معروف تعمیری ادارے فلیٹو ڈیویلپر سے منسلک ہیں اور آئے دن پاکستانی کمیونٹی کی طرف سے اس تھیٹر میں تفریحی پروگرام منعقد کرا کے پاکستانی برادری میں بہت مقبول ہیں۔

یہاں ایک دوست جو بہت مخلص ہیں امریکہ سے خصوصی طور پر تشریف لائے اور مجھے سینٹرل امریکہ کے ایک سیاحی ملک ''کوسٹاریکا'' کی دعوت دی کیونکہ پورے کینیڈا میں ابھی تک سردی اور برف باری کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ سوچا ان 5 دن کے تفریحی دورے سے فائدہ اُٹھایا جائے جہاں کا درجہ حرارت نہایت خوشگوار 70 فارن ہائیٹ سے 80 فارن ہائیٹ تک اور خوب مزیدار دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ اور سب سے خوبصورت جزیرے سینٹ جوز (Sant Jose) اور پاپا گویا (Papa Goya) جو لائبیریا میں واقع ہے۔ ایک ایک دن ان کے سمندری ساحل پہ گزارنے کیلئے کینیڈا سے روانہ ہوئے۔ یہاں سے ہوائی جہاز سے ساڑھے پانچ گھنٹے لگتے ہیں۔ خوبصورت ائیر پورٹ سینٹ ہوزے اگرچہ انگریزی میں جوزے لکھا جاتا ہے مگر بولا ہوزے جاتا ہے کیونکہ اس زبان میں (جیم) کو (ھ) پڑھا جاتا ہے۔ وہاں پہنچتے ہی شام ہو چکی تھی، سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے رات جلدی ہوٹل میں سو گئے تھے صبح سویرے 12 سیٹوں والا سیسنا طیارہ سینٹ ہوزے سے لائبیریا کے ہوائی اڈے پہ اُترا وہاں سے 30 کلومیٹر کے فاصلے پر پاپا گویا کی سمندری سطح پر ایک خوبصورت ہوٹل جو ایک سعودی شہزادے طلال بن سعود جن کا شمار دنیا کے 10 بڑی امیر ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ 12 کلومیٹر پر محیط ہے جس میں 250 کمروں پر مشتمل دنیا کا سات ستاروں والا مشہور ہوٹل "فورسیزن" ہے۔ اس کی خوبصورتی کی وجہ 3 طرف سے سمندر میں گھرا ہوا یہ ہوٹل بھی بہت خوبصورت مانا جاتا ہے۔ جس کے کمروں کے دونوں طرف سے سمندر

لگتا ہے۔12 کلومیٹر پر جگہ جگہ "گالف کورس" بنے ہوئے ہیں جہاں پوری دنیا کے امیر ترین سیاح پورے سال آتے ہیں۔اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ 12 مہینے یہاں کا ساحلی علاقہ دھوپ، بارش اور اچھی آب وہوا کے ساتھ ساتھ گالف کورس اضافی خصوصیت رکھتے ہیں۔اس ہوٹل میں ہر طرح کی غذائیں خصوصاً تازہ سمندری کھانے بہت ہی لذیز طریقے سے فراہم کیے جاتے ہیں۔طرح طرح کی مچھلیاں، لابسٹر، جھینگے، کریبس کا تو جواب ہی نہیں ہے۔فرائی اور آگ پر سینک کر طرح طرح کے طریقوں سے پکایا جاتا ہے۔کیونکہ یہ ہوٹل شہر سے باہر دور سمندر کے کنارے واقع ہے۔تو یہاں ٹھہرنے والے ہوٹل کے کمروں کے ساتھ ساتھ دو وقتوں کا کھانا بھی معہ ناشتہ اس میں شامل ہے جو کم از کم 1000 ڈالر یعنی 1 لاکھ روپیہ روزانہ فی کمرہ یعنی 2 افراد اور اگر 2 بچے ہوں تو بھی 1000 ڈالر وصول کیا جاتا ہے۔اگر آپ ڈیلکس کمرہ لیں تو 1500 ڈالر سے 2500 ڈالر روزانہ کا کرایہ لیا جاتا ہے۔

ہم جب پہنچے تو ابھی تک سیزن شروع نہیں ہوا تھا۔اس کے باوجود 90 فیصد کمرے بھرے ہوئے تھے۔جرمن، امریکن، جاپانی، کینیڈین البتہ پاکستانی ہم صرف 2 سیاح تھے۔یہاں بھی کھانے کا مسئلہ تھا کیونکہ کوئی بھی حلال گوشت یہاں نہیں ملتا۔اس کی وجہ بھی یہاں کوئی مسلمان آبادی نہیں ہے ۔لہٰذا صرف سی فوڈز پر گزارہ کرنا پڑا۔اس خطے میں جس ملک میں بھی آپ جائیں پھل فروٹ، سبزیاں، گوشت باہر سے لے جانے کی پابندیاں ہیں۔امریکہ اور کینیڈا میں تو سب سے پہلے کسٹم میں ہی سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کوئی پھل، سبزیاں، دودھ اور اس کی اشیاء اور گوشت تو ساتھ میں نہیں لائے۔اگر آپ کا جواب ہاں میں ہو تو وہ فوراً آپ کے سامان سے یہ نکلوا کر ضائع کردیتے ہیں۔اس کی وجہ اس میں باہر کے جراثیم اندر کے جراثیم سے مل کر (Contamination) سے بچانا مقصود ہوتا ہے۔خیر ہم ان چاروں دن سبزیاں اور سی فوڈز پر گزارہ کرتے رہے۔سمندر

میں نہانے کا مزہ پھر یہاں چھوٹی بڑی کشتیوں میں سیر اور پھر تازہ مچھلیاں پکڑنا، دن ایسا گزرتا ہے جیسے گھنٹے۔

پھر ہوٹل میں واکنگ ٹریک، تیراکی، دھوپ کا سینکنا جو یورپین اور امریکی کینیڈین ساحلوں پر سردی اور برف باری کی وجہ سے ناممکن ہوتا ہے۔یہاں سارا سارا دن مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سوئمنگ پول پر یا سمندر کے ساحل پر تیل لگا کر چڑیوں میں گھنٹوں لیٹے رہتے ہیں۔الغرض کھانا، نہانا سیر و تفریح کیلئے کوسٹا ریکا کے سمندری ساحلوں کا دنیا میں کوئی جواب نہیں ہے۔اس طرح کے 10 جزیرے ہیں جن میں 7 قومی پارک ہیں۔جن کو دیکھنے کیلئے سیاح دور دور سے آتے ہیں۔ ویزے پر بھی زیادہ پابندیاں نہیں ہیں۔90 دن کا ویزہ 32 ڈالر میں ملتا ہے جو واپسی پر ادا کرنا پڑتا ہے۔سڑکیں ایک شہر سے دوسرے شہر تک لانے لے جانے کیلئے دو طرفہ ہیں۔البتہ یہاں کے ڈرائیور تیز رفتار گاڑی چلانے میں مشہور ہیں۔

ایک شہر سے دوسرے شہر کیلئے چھوٹے چھوٹے جہاز 7 سے 12 سیٹر صرف آدھے گھنٹے میں پہنچا دیتے ہیں جبکہ 5 سے 6 گھنٹے پہاڑی راستے بھی ہیں مگر وہ خطرناک سمجھے جاتے ہیں۔خود ہم نے 30 کلو میٹر کے راستے میں 2 حادثے دیکھے جبکہ ہم شہر میں تھے اور دوپہر کا وقت تھا۔بسیں اور بوٹس بھی ہیں جو ایک شہر سے دوسرے شہر آتی جاتی ہیں مگر وہ بھی کئی گھنٹوں میں پہنچاتی ہیں۔یہاں کی مقامی زبان اسپینش ہے مگر شہروں میں سیاحوں کی آمد ورفت کی وجہ سے لوگ انگریزی بھی بولتے ہیں۔مقامی کرنسی بھی ایک ڈالر میں 500 کلون ملتی ہے۔شہر میں کھانا زیادہ مہنگا نہیں ہوتا۔عام طور پر 5 ڈالر میں برگر، مرغی ناشتہ، سینڈوچ مل جاتے ہیں۔مگر یہی کھانا ہوٹلوں میں 20 سے 25 ڈالر میں ملتا ہے۔عوام بے حد ملنسار، سادہ لوح ہیں۔آپ کو غیر نہیں سمجھتے۔اس کی وجہ سیاحی آمدنی ان کے لیے سب کچھ درجہ رکھتی ہے۔اور وہ آپ سے ٹپ کے منتظر ہوتے ہیں۔الغرض کوسٹاریکا اور اس کی خوبصورت ترین سمندری سطح

پاپا کویا کی بیچ جنت نذیر منظر ہے۔یہاں 25ڈالر سے لے کر جیسا اوپر لکھا ہے ہر طرح کے ہوٹل ہر شہر میں بھرے پڑے ہیں نہ ہوٹلوں کی کمی ہے نہ کھانوں کے ریسٹورینٹس کی اور نہ ہی سیاحوں کی کمی ہے اگر کمی ہے تو صرف حلال کھانے کی۔اس کی اپنی آبادی 40لاکھ کے قریب ہے۔

﴿ایک بھارتی شادی صرف ایک ارب روپے کی﴾

ملک میں الیکشن کی تیاریاں تو زور نہیں پکڑ رہی تھیں البتہ عدلیہ اور الیکشن کمیشن امیدواروں کی اسکروٹنی میں مصروف تھی۔کئی امیدواروں کے کاغذات نامزدگیاں مسترد ہو رہی تھیں تو کچھ کے کاغذات جعلی ڈگریوں کے باوجود منظور ہو رہے تھے۔ایک طرف سے جیل بھیجا جا رہا تھا تو دوسری طرف ضمانتیں ہو رہی تھیں۔عجب تماشہ عوام کو دیکھنے میں آ رہا تھا۔خصوصا جب سابق مرد آہن جن کا ہوا میں مکا لہراتا تھا چاروں جگہ سے کاغذات نامزدگی مسترد ہو چکے تھے۔وہ بھی حیران و پریشان تھے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرہ رونما ہو رہا ہے۔ابھی تو صرف الزامات کی بھرمار ہے۔عدلیہ نے تو ابھی کاروائی بھی شروع نہیں کی پھر کیوں ان کو ہر طرف سے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔حکمران مکافات عمل سے اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں اور دوران اقتدار ہر جائز ناجائز کام کر گزرتے ہیں اور جب وقت کا شکنجہ ان کو جکڑتا ہے تو وہ واویلہ مچاتے ہیں۔ان کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔صرف اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے قانون توڑتے ہیں۔راستے کے کانٹے ہٹانے کیلئے قتل سے بھی باز نہیں آتے۔ناجائز کو ناجائز نہیں سمجھتے اور اقتدار کے نشے میں حد سے گذر جاتے ہیں۔آج کے کالم میں میں اپنے قارئین کو ایک اپنے ہمسائے ملک بھارت میں شادی کی کہانی سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ہمارے 2دوست جو کاروبار میں پارٹنر بھی ہیں ان کے بیٹے اور بیٹی کی الگ الگ جگہ پر شادی میں شرکت کا دعوت نامہ ملا جو دِلّی شہر میں ہونی تھی۔ایک دوست جس کا بیٹا تھا اس کی شادی کے ایک بہت بڑے کاروباری صنعت کار جن کا شمار 20بڑے صنعت کاروں میں ہوتا ہے۔سکھ مذہب سے تعلق رکھنے والی پڑھی لکھی لڑکی سے ہو رہی تھی۔لڑکے کے خاندان کا تعلق ہندو مذہب سے تھا۔لڑکے کا تعلق سندھی فیملی سے اور لڑکی پنجابی فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔پہلی شادی کا دورانیہ 3دنوں پر مشتمل تھا۔ہم دلی کے ائیرپورٹ پر اُترے تو ہمارے میزبان کی طرف سے گاڑی اور ڈرائیور ائیرپورٹ کے باہر منتظر تھا۔دِلّی کا ائیرپورٹ شہر سے کافی دور ہے اور بہت بڑا بنایا گیا ہے۔

عام طور پر ڈیڑھ 2 گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ یہاں ہمیں ایک فائیو سٹار ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا۔ ہم لڑکے کی طرف سے مگر لڑکی والوں کے اصرار پر تمام مہمان ان کے مہمانوں کے طور پر ٹھہرائے گئے تھے۔ جو پوری دنیا سے شرکت کر رہے تھے۔ ان کی تعداد 250 سے زیادہ تھی جو اسی ہوٹل میں ٹھہرائے گئے تھے۔ اس ہوٹل کا کرایہ بھارتی 25000 روپے روزانہ تھا جو پاکستانی کرنسی میں 50000 روپے روزانہ بنتا ہے۔ بھارتی کرنسی میں ڈالر 54 روپے کا ہو چکا ہے جو 40 تک ہوتا تھا۔ پہلا دن آرام کا تھا۔ ائیر پورٹ سے لے کر ہوٹل تک دِلّی سرکار نے نیا ہائی وے بنا کر عوام کو سہولتیں مہیا کر رکھی ہیں مگر پھر بھی گاڑیوں کی اکثریت اور بے پناہ ملکی اور غیر ملکی پروازوں کی وجہ سے ٹریفک اکثر جام رہتی ہے۔ ہوٹل کی گیلری میں میزبان کی طرف سے ہیلپ ڈیسک بنادی گئی تھی۔ مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے خصوصی عملہ رکھا گیا تھا۔ ایک ہال 24 گھنٹے کیلئے ان مہمانوں کی خاطر و مدارت کیلئے بک تھا جن میں ناشتے سے لیکر رات کے کھانے تک کا الگ انتظام رکھا گیا تھا۔ دوسرے دن پہلی دعوت لڑکی کے گھر پر تھی۔ 8 بجے ہم ان کے گھر لڑکے والوں کے ساتھ پہنچے۔ بہت بڑی کوٹھی دِلّی کے دل میں واقع تھی جو 10 ہزار گز پر محل نما کوٹھی تھی۔ جس کے دونوں طرف ائیر کنڈیشن باغ تھے۔ 9 بجے تک پورا لان بھر چکا تھا جو 3 سے 4 ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ لڑکی والوں نے خوب دل لگا کر سجاوٹ کی تھی۔ امریکہ سے بھی ایک بہت بڑا گلوکار بلوایا جس نے آنے جانے کا کرایہ ٹھہرنے کیلئے فائیو اسٹار ہوٹل کے علاوہ 2 لاکھ ڈالر لیے تھے۔ شروع سے ہی مہمانوں کی اسٹارٹر اور مشروبات سے تواضع ہو رہی تھی۔ 5 ہلکے پھلکے کھانے، سبزیوں اور 5 گوشت کی ڈشوں پر مشتمل بیرے بار بار آ کر پیش کر رہے تھے۔ مشروبات کیلئے بہت لمبا بار بنا ہوا تھا۔ اس تقریب میں وزراء، سفراء، بھارت کے وزیر اعظم من موہن سنگھ کے علاوہ تبت اور بھوٹان کے شاہی شہزادے بھی شرکت کر رہے تھے۔ وزیر اعظم ٹھیک اپنے وقت پر آئے۔ مہمانوں کو ہاتھ لہرا کر اسٹیج پر دولہا، دُلہن کو مبارکباد دی، فوٹو کھنچوائے اور میزبان کے ساتھ ان کے

ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گئے۔ نہ ہمارے ملک کی طرح میلوں سڑکیں بند ہوئیں اور نہ عوام کو دور رکھنے کیلئے سیکورٹی کا گھیرا بنا۔ نہ شور شرابا ہوا، نہ کسی کی جامعہ تلاشی ہوئی، نہ کسی سے موبائل رکھوایا گیا۔ البتہ صرف 10 گز کے فاصلے پر تمام گاڑیوں سے مہمانوں کو اترنے کی گزارش کی گئی۔ بس یہ تھا ان کا پروٹوکول۔ ساڑھے 9 بجے کھانا کھلا، میں حیران ہو گیا یہ پچھلے لان میں 100 سے زیادہ ٹوے لائیو کھانا بنانے اور پیش کرنے میں مصروف تھے۔ ہر طرح کے کھانے، چینی، کورین، سبزیاں، گوشت، مچھلیاں، جھینگے الغرض شاید ہی کوئی کھانا ہو جو میزبان نے وہاں نہ رکھا ہو۔ اس طرح 25 تمیں ڈشیں صرف میٹھے کی رکھی گئی تھیں۔ طرح طرح کی آئس کریم الگ تھیں۔ یہ رات کا نظارہ تھا کہ کھانوں کی بھرمار اور اسی دِلّی شہر میں راقم نے صبح ہمارے ساتھ آنے والے میرے دوست جن کے رشتہ دار دِلّی میں رہتے تھے جو پرانا دِلّی کہلاتا ہے ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اور جو سنا تھا دِلّی کی تنگ گلیاں تو واقعی دیکھی جو بالکل نئی دِلّی کا الٹ منظر پیش کر رہی تھیں۔ ان تنگ گلیوں سے پیدل گزر کر کیونکہ یہاں گاڑیاں اندر نہیں آ سکتی تھیں۔ چند گلیاں تو 2 ڈھائی فٹ کی تھیں۔ پرانی بوسیدہ عمارتیں جن سے ہیبت آ رہی تھی بدبو سے اٹی ہوئی تھیں۔ یہاں گلی میں گھوڑے بھی بندھے ہوئے تھے۔ گدھا گاڑیوں کے بھی ریڑھے تھے۔ ہاتھ گاڑیوں اور ہاتھ کے رکشے سے پبلک آ جا رہی تھی۔ اپنے اس پاکستانی دوست کی خاطر جو غالباً وہ خود بھی محسوس کر رہے تھے اپنے غریب رشتہ دار سے ملنے ان کی رہائش گاہ تک پتہ پوچھتے پوچھتے آخر کار پہنچ گئے۔ موصوف ایک کوٹھڑی نما ڈیڑھ کمرے پر مشتمل 60 سال سے رہائش پذیر تھے۔ چونکہ ان کو فون پر آنے کی اطلاع دے دی تھی تو وہ صبح سے ہی ہمارے منتظر تھے مگر ہم شام تک پہنچے۔ اس کی وجہ دِلّی کی سخت لو والی گرمیاں شروع ہو چکی تھیں۔ دن میں نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ہمارے میزبان جو بوڑھے میاں بیوی تھے۔ جن کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی مل کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے بہت خاطر مدارت کی مگر ہم سے تو بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ڈر لگ رہا تھا کہیں یہ بوسیدہ چھت گر نہ جائے۔ غربت

سے بھری پرانی دِلّی کے رہنے والوں پر ترس آرہا تھا۔گلیوں میں ننگے بھوکے بچے،ہڈیاں نکلی عورتیں،مرد دِلّی کے امیروں کا مذاق اُڑا رہے تھے۔اس سے باہر نکل کر چوڑی چوڑی سڑکیں اور کہاں یہ تنگ گلیاں کیسا تضاد صرف چند میل کے فاصلے پر دیکھنے میں آرہا تھا۔ان جھگی نشینوں کیلئے سرکار نے مفت راشن کارڈوں کا اجراء کر رکھا ہے۔سستے داموں دال،چاول،دودھ اور پتی بھی ان کو مہیا کی جاتی ہے۔بعض علاقوں میں تو مفت بجلی بھی فراہم کی جاتی ہے۔یہاں سے ہم محلّہ نظام الدین پہنچے اور مفت کھانا بنوانے کیلئے مزار کے پچھواڑے جہاں غریب فقیروں کا جھمگٹا رہتا ہے۔ہوٹل والے کو پیسے دیئے جس نے ایک گوشت کی پلیٹ اور 3 روٹیوں کے 25 روپے فی کس لیے اور ان فقیروں کو کھانا دینا شروع کیا۔ ان بھوکے فقیروں کی خوشی قابلِ دید تھی۔کچھ فقیروں نے پیسوں کی فرمائش کی غلطی سے ہم نے ان کی غربت دیکھتے ہوئے 50 پچاس کے نوٹ نکالے تو تمام فقیر کھانا چھوڑ کر ہماری گاڑی پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی مشکل سے کپڑے بچاتے ہوئے ہمارے ڈرائیور نے پھرتی دکھائی اور گاڑی دوڑا دی۔کچھ فقیر، مرد،عورتیں اور بچے تو گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتے رہے۔رات کو سردار جی کے کھانوں کی قطاروں کو دیکھ کر دن کا منظر آنکھوں میں گھوم گیا کہ یا اللہ ایک طرف کھانا بچ کر پھینکا جا رہا ہے تو دوسری طرف تیری ہی مخلوق کھانے کیلئے ترس رہی ہے۔دوسرے دن لڑکے والوں کا کھانا تھا وہ بھی 10 بارہ کھانوں اور 10 بارہ میٹھوں پر مشتمل تھا۔تیسرے دن آخری لڑکے والوں کا ولیمہ تھا۔سردار جی کے گھر پر بھی 50 کھانوں سے کم نہیں تھا۔وہی مہمانوں کی تعداد ہزاروں میں کہتے سنے گئے کہ سردار جی نے اس تقریب پر 50 کروڑ بھارتی روپے خرچ کئے جبکہ وہ 75000 کروڑ کی آسامی سمجھے جاتے ہیں۔تیسرے دن ہم دوبارہ ان تنگ گلیوں میں مشہور شاعر مرزا اسداللہ غالب کی حویلی دیکھنے گئے جو بھارت سرکار نے خصوصی طور پر عجائب گھر کی طرح محفوظ کر رکھی ہے جو عوام اور شاعر کے چاہنے والوں کیلئے بہت اہمیت رکھتی ہے پھر شام کو ہی ان کے مزار جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار سے ملحق تھا۔وہاں 6 بجے پہنچے

تو تالا لگا ہوا تھا۔آوازیں دے کر اندر سے گارڈ کو بلوایا تو اس نے کہا کہ 5 بجے احاطہ بند کر دیا جاتا ہے کل آئیں۔ہم نے کہا ہم پاکستان سے آئے ہیں خصوصی طور پر غالبؔ صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کیلئے۔اس نے تالا کھولا ہم نے فاتحہ پڑھی۔کچھ اس مسلمان گارڈ کی بھی سیوا کی اور ہوٹل واپس آئے۔ ان تمام 6 دنوں میں ہم نے دن میں دِلّی شہر کی سیر کی۔لعل قلعہ،ہمایوں کا مقبرہ،جمعہ کی نماز بادشاہی مسجد میں ادا کی۔قطب مینار،ابراہیم لودھی کا مقبرہ دیکھا جو خستہ حال ہو چکے ہیں۔بھارتی سرکار کی غفلت یا عدم توجہ کی شکار ہیں۔دیکھ کر واپس پاکستان لوٹ آئے۔یہاں ایک بات بتاتا چلوں کہ پاکستان اور بھارت میں 2 چیزیں بہت مشترک ہیں کہ دونوں کے سیاستدان کرپشن میں مبتلا ہیں اور دونوں کی پولیس بھی کرپٹ ہے،البتہ ہندوستان کی پولیس آنکھیں چرا کر رشوت لیتی ہے اور پاکستان کی پولیس آنکھیں دکھا کر۔پاکستان آکر پتہ چلا آج ہی عدلیہ نے پرویز مشرف کی ضمانت منسوخ کر کے جیل بھجوانے کا حکم جاری کر دیا۔قرآن پاک میں ارشاد ہے ’’اے آنکھ والو! عبرت پکڑو‘‘ کیا اب ہمارے حکمران اور سیاستدان اس سے عبرت حاصل کریں گے؟

﴿ زندگی بڑھایئے 9 مشوروں پر عمل کیجئے ﴾

آج کل جدید سائنسی دور ہے۔انٹرنیٹ بہت فعال ہے جو تحقیق سائنسی رسالوں سے عوام تک کئی ہفتوں اور مہینوں میں پہنچتی تھی آج چند گھنٹوں میں مختلف اداروں ، یو ٹیوب ، یاہو اور گوگل کے ذریعے پوری دنیا میں پہنچ جاتی ہے اور آج ایک عام طالب علم سے لیکر ڈاکٹر ، انجینئر ، خواتین و حضرات فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے لئے کوئی زیادہ سرمایہ بھی درکار نہیں ہوتا ۔لیپ ٹاپ ، آئی پیڈ ، بلیک بیری تو اب دور کی بات ہے ، عام موبائل فونز سے جو چند ہزار روپے میں دستیاب ہیں یہ سب کچھ ان سے اَپ لوڈ کیا جا سکتا ہے۔میں چند دن قبل انٹرنیٹ پر ایک خبر پڑھ کر چونک گیا جس کا عنوان تھا عمر بڑھایئے اور 9 جدید تحقیقی مشوروں پر عمل کیجئے۔قارئین سے شیئر کر رہا ہوں جو کئے نہیں غور کریں گے تو سمجھ جائیں گے۔

-1 کافی کا استعمال! عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کافی مضر صحت ہے اور اس کی زیادتی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے مگر نیو انگلینڈ جرنل آف میڈیسن کی حالیہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ جس میں بتلایا گیا ہے کہ دن میں 2 سے تین کپ کافی پینے والے مرد و خواتین کافی نہ پینے والے افراد سے 14 سال زیادہ زندہ رہتے ہیں ۔اگر وہ سگریٹ یا اس سے ملتا جلتا نشہ نہ کرتے ہوں ، زیادہ کافی پینے سے ہارٹ اٹیک ، ذیابیطس اور اسٹروک سے بچا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ چینی اور کریم استعمال نہ کریں۔

-2 لمبی نیند! پہلے یہ بتایا جاتا تھا کہ 10 گھنٹے سونے والے افراد پوری نیند لیتے ہیں لہٰذا صحت مند رہتے ہیں۔مگر یہ نئی تحقیق سامنے آئی ہے جو Monti Foire Medical Center برونکس نیو یارک نے انکشاف کیا ہے کہ صرف قدرتی نیند جو عام طور پر 6 ساڑھے چھ گھنٹوں پر محیط ہوتی ہے وہ ہی بہت کافی ہے۔مزید سونے سے آپ کی توانائی ضائع ہو جاتی ہے لہٰذا

اس قدرتی نیند کے اوقات پورے ہونے کے بعد جبراً سونے کی کوشش نقصان دہ ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

-3 ڈائیٹنگ ! عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اکثر خواتین موٹاپے سے بچنے کے لئے بغیر ڈاکٹروں یا ذاتی معالج سے مشورہ کیئے بغیر ڈائیٹنگ شروع کر دیتی ہیں جو مضر صحت ہے۔جرنل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن میں چھپی ہوئی ایک Study کے مطابق وزن کا تھوڑا سا زیادہ ہونا آپ کی زندگی کا دورانیہ بڑھا سکتا ہے۔بالغ افراد جو BMI (جسمانی کمیتی جدول) کے مطابق (25 سے 29.9)تھوڑا وزن میں زیادہ لیکن موٹے نہیں ہیں ۔ان میں اپنی عمر کے دوسرے افراد سے مرنے کی شرح 6 فیصد کم پائی گئی ہے۔ BMI (جسمانی کمیتی جدول) کسی بھی فرد کی صحت کو ہونے والے خطرات کا بالکل درست پیمانہ نہیں ہے۔جین بریور جو کہ ایک رجسٹرڈ ڈائی ٹیشن ہے ، کہتا ہے کہ اگر زائد وزن پٹھوں کی وجہ سے ہے تو آپ میں کولیسٹرول کی مقدار کم اور ایک بہتر شرح اچھی / بری چکنائی کی موجود ہو اور یہ جان لیوا بیماریوں مثلاً دل کے امراض ، ذیابیطس اور فالج جیسے خطرات سے بچنے کے لئے اچھی علامت ہے اور یہ ایک اچھی زندگی گزارنے کے لئے اچھا ہے۔

-4 تفکرات (فکر مند افراد)! جو مرد و خواتین آنے والے کل کے خطرات سے دور ہوتے ہیں ان کی زندگیاں لمبی اور خوشگوار ہوتی ہیں ۔یعنی آدھا گلاس خالی ہے سمجھنے والے ہی افراد خوش نصیب سمجھے جاتے ہیں اور آنے والے کل کو مثبت انداز سے سوچنے والے اپنی عمر خود بڑھاتے ہیں بانسبت ان افراد کے جو آنے والے کل کی منفی سوچوں کے غم و الم میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں وہ ان منفی سوچوں سے اپنی عمر 10 سے پندرہ سال کم کر لیتے ہیں ۔یعنی خوش باش زندگی گزارنے والے غمزدہ لوگوں سے 10 پندرہ سال زیادہ زندہ رہتے ہیں اور معاشرے میں اچھا نام کماتے ہیں۔

5- اسپرین کی ایک گولی روزآنہ! کہا جاتا ہے کہ ایک گولی اسپرین روزآنہ کھانے سے آپ ہارٹ اٹیک اور اسٹروک سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ اگر آپ صحت مند اور عمر 45 سال ہے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ حالیہ تحقیق میڈیکل ڈائریکٹر Jeon H. Tasch Centre for Women's Health کی نیویارک یونیورسٹی امریکہ کے مطابق ایک گولی روزآنہ اسپرین کے کھانے سے بلیڈنگ، الرجی یا معدے میں تیزابیت ہوسکتی ہے۔ لہٰذا بغیر اپنے معالج کے مشورے کے ہرگز ہرگز اسپرین کی گولیاں نہیں کھانی چاہئے۔

6- 8 گلاس پانی روزآنہ! کہا جاتا ہے کہ روزآنہ 8 گلاس پانی پینے سے مرد و خواتین صحتمند رہتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ جب بھی آپ کو پیاس لگے اور آسانی سے جتنا پانی آپ پی سکتے ہیں ضرور پیجئے 6 آٹھ گلاس پانی ضرور پینا ہے۔ ایسی کوئی عملی تحقیق سامنے نہیں آئی البتہ پانی کے ساتھ سبز چائے، قدرتی جوس کا اضافہ صحتمند ہے۔ اس میں کولڈ ڈرنک ہرگز شامل نہ کریں نہ اس سے ملتے جلتے مشروبات پئیں۔ اس سے بہتر پھل، سبزیاں خصوصاً سبز رنگ والی کھانے سے آپ کی صحت بہتر اور رنگت کھل اٹھے گی اور اس سے آپ پانی کی کمی کو بھی پورا کر سکتے ہیں۔

7- دودھ کا کثرت سے استعمال! کہا جاتا ہے جو خواتین دودھ زیادہ استعمال کرتی ہیں ان کی ہڈیاں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ 12 سال کی تحقیق کے بعد یہ پتہ چلا ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ جو خواتین دن میں 3 گلاس دودھ پیتی تھیں ان کی ہڈیاں جلد ٹوٹ گئیں بہ نسبت ان خواتین کے جو ہفتے میں صرف ایک گلاس دودھ پیتی تھیں اور وہ کم چکنائی کا دودھ ہونا چاہئے۔ اس سے ہڈیاں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ البتہ Beans کیلشیم D، ہرے پتوں والی سبزیاں اور سورج کی سکائی (سن باتھ) یا وزن اٹھانے سے ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔

8- ملٹی وٹامن کی گولیاں! یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روزآنہ ایک ملٹی وٹامن کی گولی کھانے والے

افراد لمبی عمر پاتے ہیں۔ ایسی کوئی تحقیق سامنے نہیں آئی البتہ قدرتی طور پر حاصل کی جانے والی طاقت پھل، سبزیاں، اناج اور کیلشیم کی افادیت ضرور فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اس کی وجہ ان پھلوں، سبزیوں، اناج اور کیلشیم میں تمام منرل وٹامن اور کیلشیم موجود ہوتا ہے۔

9- نشہ آور مشروبات کا استعمال! تحقیق تمام منشیات کو مرد اور عورت کے لئے نقصان دہ قرار دیتی ہے اور خواتین کے لئے حمل کے دوران تو زیادہ نقصان دہ اور آنے والے بچے کے لئے بھی بہت مضر ہے۔ کوئی بھی معالج اس کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہ جسم کو وقتی طور پر فرحت تو پہنچا سکتا ہے مگر اس کے After Effects زندگی کو کم سے کم کرنے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ اس سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

قارئین میں نے ان جدید تحقیقات کو آپ سے شیئر کیا ہے، اُمید ہے کہ یہ جدید تحقیقات آپ کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں گی۔ (انشاءاللہ)

﴾ سوازی لینڈ کے بادشاہ کو چودھویں ملکہ کی تلاش ﴿

سوازی لینڈ کا نام آتے ہی ایسا لگتا ہے جیسے ہم سوئٹزرلینڈ جیسے ترقی پذیر کسی ملک کا موازنہ کر رہے ہیں مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ دراصل سوازی لینڈ افریقہ کا ایک انتہائی غریب اور پسماندہ ملک ہے جو 1902ء سے برطانیہ کے زیر اثر ملکوں میں شمار ہوتا تھا اور 1968ء میں آزاد ہوا۔ جس کی کل آبادی 12 لاکھ سوازی باشندوں پر مشتمل اور رقبہ 191 کلومیٹر ہے اور فی کس آمدنی سواڈالر یومیہ ہے۔ اس ملک میں بادشاہت کے ساتھ ساتھ نام نہاد جمہوری نظام بھی رائج ہے۔ موجودہ بادشاہ جن کا نام سواتی سوم (III) ہے۔ 1986ء میں اپنے آنجہانی بادشاہ سبازا جن کا انتقال 1982ء میں ہوا تھا بادشاہ بنے۔ تمہید اس لیے لکھی تاکہ میرے قارئین کو ان کے ملک سے آگاہی ہو سکے۔ اصل وجہ گذشتہ ماہ راقم لندن اپنی صاحبزادی سے ملنے گیا تھا تو ایک نوجوان سوازی لینڈ کی لڑکی Ngobeni جس کی عمر صرف 22 سال تھی۔ سوازی لینڈ ایمبیسی کے باہر اکیلی مظاہرہ کر رہی تھی اس کے ہاتھ میں ایک بینر تھا جس میں لکھا تھا کہ سوازی لینڈ میں جمہوریت بحال کرو۔ اخباری نمائندوں نے جب اس کا انٹرویو لیا تو اس نے روتے ہوئے انکشاف کیا کہ سوازی لینڈ کا بادشاہ سواتی (III) اس کو زبردستی اپنی چودھویں ملکہ بنانا چاہتا ہے۔ اس کے ڈر سے وہ 2007ء میں جب اس موجودہ بادشاہ کی چھٹی ملکہ کی شادی کی تقریب میں شریک تھی تو وہ بادشاہ کو پسند آ گئی۔ اس وقت اس کی عمر صرف 15 سال تھی۔ بادشاہ کے ڈر اور ناراضگی سے بچنے کیلئے وہ برطانیہ پڑھنے کے بہانے اپنی ماں کے ساتھ بھاگ آئی۔ پھر جب سے بادشاہ گاہے بگاہے اس کے ہاسٹل میں فون کر کے شادی کا ذکر چھیڑتا رہتا تھا جس کو سن کو وہ مصلحتاً خاموش رہتی تھی۔ 2007ء میں اس نے بادشاہ کے ڈر سے پناہ کی درخواست برطانوی امیگریشن میں داخل کی جو 2011ء میں مسترد کر دی گئی۔ اپریل 2013ء میں اس کو غیر قانونی برطانیہ میں رہنے کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا اور اس کو ملک بدر

کرنے کیلئے کیمپ میں نظر بند کر دیا گیا۔

اب اس کے وکیل نے اس کی قانونی مدد کی اور رہائی دلوائی ہے۔ اگر اس کو ملک بدر کر کے سوازی لینڈ بھیجا گیا تو اس کو خطرہ ہے کہ یا تو بادشاہ اس کو زبردستی ملکہ بنائے گا جو اس کو ناپسند کرتی ہے۔ اس بادشاہ کی عمر 45 سال ہے۔ اس کی 13 بیگمات پہلے ہی سے ہیں اور سوازی لینڈ کے قانون کے مطابق بادشاہ کو ہر سال ایک نئی شادی کی اجازت ہوتی ہے۔ اور وہ ہر سال اگست کے مہینے میں نوجوان کنواری دوشیزہ سے شادی رچاتا ہے۔ جس کیلئے ہر سال ماہ اگست میں تقریباً 80 ہزار کنواری دوشیزائیں اس کے محل میں 8 روز تک نیم برہنہ رقص کر کے اپنی شادی کی آمادگی ظاہر کر کے ملکہ بننے کی تمنا کرتی ہیں۔ مگر اس سال بادشاہ نے مجھے شادی کا پیغام بھجوایا ہے۔ اس کے لیے اس نے سوازی لینڈ سے اپنے خفیہ آدمی بھی بھجوائے ہیں جو کسی وقت بھی مجھے اغواء کر کے سوازی لینڈ لے جائیں گے۔ سوازی لینڈ میں کسی کی مجال نہیں ہے کہ جو بادشاہ کی مرضی کے خلاف آواز بلند کر کے بغاوت کرے۔ اس کی سزا جیل کی قید اور موت اس کا مقدر بن سکتی ہے۔ لہٰذا حکومتِ برطانیہ اس کی حفاظت کا بندوبست کرے۔ وہ ہرگز موجودہ بادشاہ سے شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ وہ بالغ اور خود مختار ہے اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اور بادشاہ کی غلام نما ملکہ نہیں بننا چاہتی ہوں۔ سوازی لینڈ کے قانون کے مطابق تمام ملکائیں صرف اور صرف بادشاہ کی خوشیوں کو مدِ نظر رکھ کر ہی محل میں سخت پہرے داروں کی موجودگی میں رہتی ہیں اور بادشاہ کی مرضی کے خلاف محل سے باہر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ اگر بادشاہ کی اجازت ہوگی تب ہی ملکائیں محل سے باہر جا سکتی ہیں۔ صرف سال میں ایک بار اس کی ملکہ امریکہ کی سیر کو جا سکتی ہے۔ اس کے تمام اخراجات حکومتِ سوازی لینڈ کو برداشت کرتی ہے۔ اس کو ایسی غلامی سے سخت نفرت ہے جبکہ اس بادشاہ کے 27 بچے بھی ہیں۔ اس کی چھٹی ملکہ اس کے ظلم سے تنگ آ کر محل سے خفیہ فرار ہو چکی ہے۔ وہ ایک

پڑھی لکھی آزاد خیال کی حامل لڑکی ہے۔اگرچہ اس کے وکیل نے عارضی رہائی دلوادی ہے اور اس کو برطانیہ کی ہوم آفس اپیل کرنے کی بھی اجازت دلوادی ہے مگر اس سے اس کا مسئلہ تب تک حل نہیں ہوگا جب تک اس کو برطانیہ کی حکومت پناہ نہیں دے دیتی۔اس کو اپنی جان جانے کا خطرہ بھی ہر وقت لاحق ہے۔

قارئین اندازہ لگائیں آج کے ترقی یافتہ دور میں بادشاہ مطلق العنان بن کر جمہوریت کی آڑ میں اپنے عوام پر کس طرح کے مظالم ڈھا رہے ہیں اور پوری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں ۔سوازی لینڈ افریقی ممالک میں سب سے زیادہ غریب ہی نہیں بلکہ غیر تعلیم یافتہ اور یہاں امریکی ہیلتھ سوسائٹی کی سروے رپورٹ کے مطابق سب سے زیادہ ایڈز کے مریض رہتے ہیں ۔جن کا آبادی کے لحاظ سے 26فیصد حصہ ہے۔پورے ملک میں 1لاکھ افراد کیلئے صرف ایک ڈاکٹر ہے۔ یعنی پورے ملک میں صرف 16سرکاری ڈاکٹر ہیں ۔جبکہ اس ملک میں ایڈز کے علاوہ کینسر، دل کے مریض اور بخار کے علاوہ متعدد بیماریاں کثرت سے پھیلی ہوئی ہیں ۔ہزاروں مریض تو علاج کے بغیر ہی موت کا شکار ہو جاتے ہیں ۔گویا جس ملک میں طبی سہولتیں ہی نہ ہوں اس ملک کا بادشاہ 80ہزار خواتین کو ہر سال اپنے محل میں نچوا کر اپنی ملکہ چننے اور عوام خاموشی سے اس کا تماشہ دیکھیں اور اُف تک نہ کہیں ۔اگر بیرونی امدادیں نہ ملتیں تو 2008ء میں سوازی لینڈ بھی دیگر افریقی ریاستوں کی طرح خصوصاً زمبابوے کی طرح بینک دیوالیہ ہو جاتا اور پھر عوام بھوکوں مر جاتے مگر بادشاہ کو اپنی تفریح اور عیاشیوں سے فرصت نہیں ملتی مگر دنیا نے ان کی طرف سے آنکھیں بند رکھی ہوئی ہیں ۔بادشاہ کو برطانوی حکومت کی بھی آشیر باد حاصل ہے۔گزشتہ ملکہ برطانیہ کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر اور شہزادہ ولیم کی شادی کے موقع پر پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ اس کو ٹھہرایا گیا تھا۔

جرمنی میں ایک شادی کی تقریب میں شرکت

ہمارے ایک جرمن دوست نے اپنے بیٹے کی شادی میں مدعو کیا جو جرمنی کے شہر فرینکفرٹ سے 130 کلومیٹر دور ایک چھوٹے سے صنعتی شہر کے ہوٹل میں منعقد تھی ۔وقت 6:30بجے سے 9:00بجے تک کا تھا۔ویک اینڈ جمعہ کا دن تھا راقم اس دعوت میں شریک ہوا صرف 15منٹ کے وقفہ سے تقریباً 250افراد مع بیگمات جمع ہو چکے تھے ۔مجھے اس سے قبل کبھی یورپین ممالک میں شادی میں شرکت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے وقت مقررہ پر پہنچ گیا تا کہ تقریب کو شروع سے آخر تک انجوائے کرسکوں ۔مہمانوں کو جو باہر سے آئے ہوئے تھے ان کو ان کے ہوٹلوں سے لانے اور پہنچانے کا انتظام تھا۔پھر بھی تمام غیر ملکی مہمانوں کو ٹائم سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ٹھیک 7:30بجے تک مشروبات میں جس میں ہر قسم کے تازہ پھلوں کے جوس اور وائن وغیرہ شامل تھے۔ مہمانوں کو پیش کئے جاتے رہے۔تقریب میں صرف جرمن موسیقی اور ہلکے پھلکے گانے بجتے رہے پھر جرمن زبان میں ہی کھانے کی دعوت کا اعلان ہوا۔دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایک کر کے مہمان مع بیگمات پلیٹوں کی طرف گئے،پلیٹیں ہاتھ میں اُٹھائیں اور کھانے کے بوفے ٹیبل پر قطار میں لگ گئے۔پہلی ٹیبل پر مختلف قسم کی سالادیں،پنیر،مکھن،بریڈ اور سلائس تھے۔حسب ضرورت انہوں نے پلیٹوں میں ڈالے پھر کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھے۔2قسم کے گوشت،ایک سبزی اور ایک ڈش مچھلی کی تھیں ۔سبزی اور چاول وجیٹیرین مہمانوں کے لئے،مچھلی اور چاول مسلمانوں کے لئے، اکثریت کے لئے دیگر گوشت کا بندوبست تھا۔مہمان یہ سامان لے کر واپس اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ کر کھاتے رہے جس کو مزید چاہیے تھا وہ بعد میں جا کر سلیقے سے اُتنا نکالتے جتنا وہ کھا سکتے تھے،کچھ ضائع نہیں کرتے تھے پھر آخر میں وہ میٹھے کی ٹیبل پر جا کر دوسری پلیٹوں میں اپنے من پسند میٹھے پھل، کیک،آئسکریم اور آئسکریم کسٹرڈ لے کر اسی طرح دوسری بار قطار میں لگ کر لیتے رہے۔ٹھیک

8:30 بجے تک تمام مہمان کھانے اور پینے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ پھر دولہا دولہن اپنے روایتی لباس میں تشریف لائے، تالیوں کی گونج میں ان کا استقبال ہوا پھر دیکھا دیکھی مہمانوں نے ہال کے کونے والے خالی حصہ پر کراکری کی پلیٹیں، برتن پھینکنے شروع کر دیئے اور دولہا دولہن دونوں مل کر جھاڑو سے سمیٹ کر ایک کنارے پر ٹوٹے ہوئے ٹکڑے جمع کرتے رہے یہاں وہ اپنے گھروں سے بھی پرانی کراکری لائے تھے اور ٹیبل پر بھی پرانی استعمال شدہ کراکری بھی رکھی ہوئی تھی وہ سب اٹھا کر زمین پر توڑتے رہے۔ یہ جرمنی کی اپنی تخلیق تھی جو پہلی مرتبہ راقم نے دیکھی اس طرح مہمانوں کی پرانی کراکری بھی نمٹ گئی اور ایک طرح کی ان کی رسم بھی ادا ہو گئی جو بہت دلچسپ تھی۔ بے چارے میاں بیوی دونوں مل کر آدھے گھنٹے تک ان ٹوٹے ٹکڑوں کو سمیٹ سمیٹ کر خاصے تھک چکے تھے پھر یہ رسم ختم ہوئی تو تالیوں کی گونج میں دولہا دولہن جن کی عمریں دونوں کی تقریباً ایک ہی سی 30 کتیس سال لگ رہی تھی۔ خوش خوش مہمانوں سے رخصت ہوئے ٹھیک 9:00 بجے ان کے والدین جنہوں نے مہمانوں کا استقبال کیا تھا اب سب کو رخصت کیا، گویا 9:00 بجے مہمان رخصت ہو رہے تھے اور ہم اکیلے پاکستانی، چند بھارتی اور چند مسلمان عربی اس ڈسپلین اور وقت کی پابندی کی تعریف کر رہے تھے۔ اس سے قبل جس تقریب میں سعودی عرب، یو اے ای، بھارت اور ہمارے پاکستان میں اول تو شادیاں 10:00 بجے رات سے پہلے شروع ہی نہیں ہوتیں، پھر بغیر قطار بڑبونگ میں کھانا لیا جاتا ہے اور غیر ضروری پلیٹیں بھر بھر کر کھانا نکال کر ضائع کیا جاتا ہے اور رات گئے تک تقریباً آدھی رات یعنی 12:00 تک تقریب کا بے ہنگم طریقے سے تقریب کا اختتام ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں علاوہ صوبۂ پنجاب میں جہاں صرف ایک چاول، ایک گوشت کری اور ایک میٹھا، چائے، کولڈ ڈرنک پیش کئے جاتے ہیں۔ دیگر تینوں صوبوں میں حسب حیثیت 10 بارہ ڈشیں تو عام ہوتی ہیں وقت کی پابندی بھی صرف صوبۂ پنجاب میں نظر آتی

ہے وہ بھی وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کی سخت روایتی پالیسیوں کی وجہ سے عمل میں آتی ہے۔ اب ون ڈش کا اعلان تو ہمارے وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ صاحب نے بھی فرما دیا ہے مگر ان کی انتظامیہ پر کوئی گرفت گذشتہ 5 سالوں میں دیکھنے میں نہیں آئی۔ البتہ اس کی آڑ میں شادی ہالوں سے رشوت کا ایک اور دروازہ کھل جائے گا جو ماضی میں بھی دیکھنے میں آتا رہا ہے۔ ہمارے بھولے وزیر اعلیٰ سندھ کے لئے یار دوستوں نے ایک شعر گھڑ رکھا ہے، کہ میں وزیر اعلیٰ ہوں سندھ کا، مجھے چلاتا کوئی اور ہے۔ تعجب اس بات پر بھی ہے کہ ہمارے تینوں صوبوں میں تو دہشت گردی عام ہے مگر پھر بھی عوام رات گئے تک تقریبات سے محظوظ ہوتی رہتی ہے اور ہماری خواتین سونے کے بھاری زیورات میں لدی گھنٹوں ان کی نمائش کر کے خوش ہوتی رہتی ہیں۔

اتفاق سے دوسرے دن جرمنی کے دوسرے نزدیکی شہر میں جو بلیک فارسٹ کے نام سے مشہور ہے ایک مشینی نمائش میں بھی مدعو تھا۔ نئی نئی اقسام کی مشینیں، چھوٹی سے لے کر بڑی بڑی آٹومیٹک مشینیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اتنی جدید مشین جو ایک منٹ میں 100 سے لیکر 700 بوتلیں، ٹیوب، جار، انجکشن بھرنے کی صلاحیتیں رکھتی تھیں۔ اپنے سامنے عملی طور پر بھرتے دیکھ کر احساس ہوا کہ دنیا کہاں سے کہاں جا چکی ہے۔ صنعتی انقلاب یورپ چھوٹے چھوٹے شہروں میں برپا کر چکا ہے، صنعتی ترقیاں اپنے عروج پر ہیں۔ یورپ کے 30 تیس ممالک اپنی اپنی کرنسیوں، ملکی حدوددوں کو ختم کر کے ایک جان ہو چکے ہیں جن کی تہذیبیں، زبانیں، تمدن، مذہب الگ الگ ہیں مگر وہ سب مل کر اپنی اپنی معیشتیں کہاں سے کہاں پہنچا چکے ہیں مگر افسوس 57 سے زائد مسلم ممالک جن کے پاس دنیا کی 80 فیصد توانائی کی حامل صلاحیتیں، تیل، گیس، ڈیزل، کوئلہ اور معدنیات کے ہوتے ہوئے ایک خدا اور رسول کو ماننے والے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو کر الگ الگ فرقوں میں تقسیم ہو کر خود اپنا مذاق بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ اور اسکے رسول کو بھلا کر اپنے اپنے وضع کردہ غیر شرعی، غیر اسلامی اصولوں کے سہارے اپنے عوام پر مسلط ہیں۔

سب کے سب کرپشن، ایذا رسانی اور عوام کو دھوکہ دینے میں پیش پیش ہیں۔ انہیں صرف اور صرف اپنے مفادات سے سروکار ہے۔ عوام کو جہالت، غربت، بے بسی کی زندگی گذارنے پر خوش ہیں اور پوری پڑھی لکھی قوموں کے سامنے دہشت گردوں کے نام سے پکچانے جاتے ہیں۔ خود بھی ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور قوم کو بھی ذلیل و خوار کر رہے ہیں۔ اپنے سنہرے اصولوں کو غیر مسلموں کے ہاتھوں فروخت کر کے اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں اور اپنی عوام کو بھیڑ، بکریاں سمجھ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے زندہ در گور کرنے سے بھی باز نہیں آرہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ یہ خونی باب کب تک مسلمانوں سے مسلمانوں کو لڑوانے اور مروانے کا ختم ہوگا؟ تیسرے دن جب جرمنی سے واپس جہاز میں روانگی ہوئی تو خبروں سے معلوم ہوا کہ طالبان نے ہمارے فوجی قافلہ کو خود کار بم سے اڑا دیا اور ایک میجر جنرل سمیت 5 فوجیوں کو شہید کر دیا گیا۔ یہ طالبانوں کو رہا کرنے کا اور بات چیت آگے بڑھانے کا تحفہ ہے؟

انا للہ وانا الیہ راجعون

﴿ کوسٹاریکا میں 6 دن ﴾

6 ماہ قبل راقم نے لاطینی امریکہ کے ایک ملک کوسٹاریکا (Costa Rica) کے بارے میں ساحلی تفریح گاہ لابیرہ جزیرہ پر واقع دنیا کا سب سے بڑا خوبصورت 7 اسٹار ہوٹل جو ایک مسلمان سعودی شہزادے کی ملکیت ہے اُس کے بارے میں تفصیل سے لکھا تھا جس کو ہمارے قارئین نے بہت دلچسپی سے پڑھا تھا اور بہت سی ای میل میں مزید تفریحی مقامات سے آگاہی چاہی تھی۔ اتفاق سے ہمارے ایک دوست جو امریکہ کے شہر اورلنڈو (Orlando) میں رہتے ہیں۔ اسی جزیرے کے دوسرے شہر کیوپاس (Que-Pas) کی سیر کی دعوت دی۔ یہ میرے کالم کا وہیں نیٹ سے جنگ اخبار کا باضابطہ مطالعہ کرتے ہیں۔ کیونکہ امریکہ میں اصلی جنگ اخبار نہیں ملتا البتہ نقلی جنگ اخبار ضرور چھپتا ہے جو مقامی ہے وہ بھی ایک پاکستانی نژاد امریکن شہری چھاپتا ہے۔ دوست نے معہ اہلیہ دعوت دی تھی لہٰذا میں معہ اہلیہ امریکہ کے میامی ائرپورٹ پر اترا تو وہ بھی معہ اپنی اہلیہ استقبال کے لئے موجود تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ کیوپاس جزیرہ کوسٹاریکا کا سب سے خوبصورت جزیرہ ہے۔ چنانچہ میامی سے 3 گھنٹے کی فلائٹ تھی جو انہوں نے پہلے سے بک کروا رکھی تھی۔ ہم چاروں افراد کوسٹاریکا کے دارالخلافہ سین جوزے (Sanjoza) کے ائرپورٹ پہنچے، لاطینی زبان میں J کو H پڑھا جاتا ہے۔ ویسے سین ہوزے نام کا شہر ایک امریکہ میں کیلیفورنیا میں بھی واقع ہے۔ بہت سے نئے سیاح امریکہ بھی پہنچ جاتے ہیں اور پھر جب ان کو پتہ چلتا ہے تو وہ پھر کوسٹاریکا کا اضافی کرایہ ادا کر کے جاتے ہیں۔ پچھلے کالم میں راقم نے لکھا تھا کہ کوسٹاریکا میں مسلمان آبادی چند سو افراد پر مشتمل ہے اور یہاں حلال گوشت تقریباً ناپید ہے تو اس مرتبہ میرے دوست نے جو ایک ریٹائرڈ کرنل پاکستان آرمی سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے حلال مرغی، بکرے کا گوشت اور مصالحہ جات پیک کرا کر اپنے سوٹ کیس میں رکھ لیئے۔ پچھلی مرتبہ سان ہوزے ائرپورٹ بہت چھوٹا تھا، اس دفعہ ہم کو نئے اور بہت کشادہ ائرپورٹ پر اتارا گیا۔ بہت

خوبصورت تھا، سامان جب آیا تو مشینوں سے گزارا گیا۔ پچھلی مرتبہ اُس وقت مشین نہیں تھی جب اسکرین پر گوشت نظر آیا تو کسٹم حکام نے سوٹ کیس کھولنے کا حکم دیا، ہم نہیں سمجھے کہ وہ کیا چاہتا ہے ویسے بھی ہم امریکہ سے آئے تھے پھر اس نے گوشت کی تھیلیوں کو باہر نکالا، سبزیاں، پھل بھی باہر نکال کر وہ ڈسٹ بن میں ڈالنے لگا تو ہم نے اس کو اپنی مجبوری بتائی کہ ہم مسلمان ہیں اور یہاں حلال گوشت نہیں ملتا۔ ویسے بھی ہم نے یہ گوشت امریکہ سے خریدا ہے۔ یقیناً کوسٹاریکا سے تو زیادہ ہی حفظان صحت ہوگا مگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ ہمارے ملک میں باہر سے گوشت، سبزیاں، پھل، دودھ اور اس کی بنی اشیاء جس طرح امریکہ میں منع ہے یہاں بھی منع ہے۔ قبل اس کے کہ ہم مزید بحث کرتے اس نے دراز سے مچھر، مکھی مارنے کا اسپرے نکالا اور تھیلیوں پر اسپرے کر کے ڈسٹ بن میں ڈال دیں۔ ہم سب افسوس کرتے رہ گئے اب ہمارے پاس حلال گوشت کھانے کے لئے نہیں تھا۔ باہر آکر ہم نے معلوم کیا یہاں کوئی مسجد ہے تو شاید ہم کو حلال گوشت مل جائے۔ ہمارے دوست نے کیوپاس جزیرے میں ہوٹل اپارٹمنٹ اسی لئے بک کرایا تھا کہ اس میں کھانے پکانے کی تمام سہولتیں موجود تھیں۔ ائرپورٹ سے پہلی رات ہم کو سین ہوزے میں رکنا تھا، اتفاق سے ہوٹل کے نزدیک ایک مسجد تھی میرے میزبان اور میں بیگمات کو ہوٹل چھوڑ کر مسجد میں گئے، مسجد میں کچھ لوگ مل گئے۔ انہوں نے بتایا کہ پورے کوسٹاریکا میں حلال گوشت نہیں ہوتا البتہ تمام مسلمان مرغی، بکرا، دنبہ، گائے کا گوشت حلال سمجھ کر کھاتے ہیں، حرام گوشت خنزیر یعنی سور کے گوشت کو کہا جاتا ہے اور چونکہ مسلمان آبادی نہیں ہے اس لئے کوئی اجتماعی قربان گاہ ذبیحہ نہیں ہوتا۔ خیر دوسرے دن ہم سین ہوزے سے رینٹ اے کار کے ذریعے کیوپاس روانہ ہو گئے جو تقریباً 180 کلومیٹر دور تھا۔ آج کل کیونکہ ہر گاڑی کے ساتھ جی ایس ایم ہوتا ہے تو راستہ آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ ویسے یہاں رینٹ اے کار کا کرایہ امریکہ سے دوگنا 60 ڈالر یومیہ پھر جی ایس ایم کا 15 ڈالر یومیہ کے علاوہ انشورنس تو حد سے بھی زیادہ یعنی

روزمرہ کا 50 ڈالر تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ انشورنس کمپنی کا لائسنس کوسٹاریکا میں صرف ایک بہت بڑے سیاستدان کے پاس ہے اور اس کے پاس موبائل فون کا بھی لائسنس ہے۔ وہ من مانے دام وصول کر کے اپنی اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہے۔ 3 گھنٹوں کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم کیوپاس جزیرے پہنچے، ہوٹل اپارٹمنٹ ایک پہاڑی پر بنا ہوا تھا مقامی نام لاس اٹوس (Lasatos) تھا بالکل ہماری مری کی پہاڑیوں کا سلسلہ لگتا تھا اسی طرح بازار تھے، نیچے سمندر بہت خوبصورت نظارہ پیش کر رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ ہمارے پینٹ ہاؤس اپارٹمنٹ جو آٹھویں فلور پر بہت کشادہ تقریباً 4000 ہزار اسکوائر فٹ پر 4 کمروں مع اٹیچ باتھ روم، کشادہ لان، بہت بڑا ورانڈا، کچن ہر چیز بہت خوبصورتی سے ڈیکوریٹ تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا پرتکلف ہوٹل اپارٹمنٹ نہیں دیکھا تھا جو میرے دوست نے خلوص کی انتہا کر کے بک کروایا۔ کیونکہ ستمبر میں کوسٹاریکا میں بارشوں کا مہینہ ہوتا ہے اس لئے سیاح بہت کم آتے ہیں۔ آف سیزن ہونے کے باوجود 700 ڈالر یومیہ کرایہ تھا۔ گرمیوں میں 1200 سے 2 ہزار ڈالر تک یہ پینٹ ہاؤس بک ہوتا ہے اور پورا ہوٹل فل رہتا ہے۔ کیونکہ یہ واحد 5 اسٹار ہوٹل بلندترین پہاڑی پر واقع ہے۔ صرف ناشتہ اس میں شامل تھا اس لئے ہم روز بازار سے تازہ سبزیاں، مچھلی اور جھینگے خرید کر پکاتے تھے۔ ایک دن سمندر کی سیر کی مچھلیاں بھی پکڑیں مگر یہاں کا قانون ہے کہ آپ مچھلیاں صرف پکڑ سکتے ہیں مگر کانٹے سے نکال کر آپ کو واپس سمندر میں ڈالنا ہوگی۔ دوسرے دن ہم جنگل میں بنے ہوئے درختوں پر تاروں کی مدد سے اسکائی ڈائیونگ کرتے رہے۔ یہ جنگل میں اونچائی پر درختوں سے تار باندھ دیئے جاتے ہیں اور کمر میں چین کپیوں کی مدد سے دوسرے درخت پر ہر مچان پر جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ نیچے جاتے رہتے ہیں۔ پھر آخر میں سب سے نیچے مچان تک پہنچتے ہیں وہاں سے واپس پگڈنڈیوں کی مدد سے اوپر آتے ہیں۔ اس طرح یہ ٹور آدھے دن کا ہوتا ہے، بہت ایکسرسائز ہو جاتی ہے، جنگل میں مور، طوطے، طرح طرح کے رنگ برنگے پرندے اور بندر

ہوتے ہیں۔ میلوں تک آم کے درختوں، انناس اور کیلے کے درخت ہوتے ہیں جو سرکاری ملکیت ہیں۔ کوسٹاریکا میں مختلف جزیرے ہیں، آپ بائی روڈ بھی جاسکتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے جہاز اور بیلی کاپٹر کا سفر سیاحوں کو بہت دلچسپ بناتا ہے۔ اکثر آبادی غریب ہے مگر پڑھی لکھی ہے، چھوٹے چھوٹے گھر ہوتے ہیں اور کھڑکیوں میں لوہے کی گرل اور دیواروں پر تاروں کا جال پہلی منزل کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ ایک بھی پولیس والا ہم کو ان 5 دنوں میں نظر نہیں آیا، البتہ کبھی کبھی پولیس کی گاڑی نظر آجاتی تھی۔ کوسٹاریکا کی آبادی 60 لاکھ ہے اور 95 فیصد پڑھی لکھی مقامی اسپینش زبان بولتی ہے، بمشکل انگریزی بولنے اور سمجھنے والا ترجمان ملے گا۔ اشاروں، کناروں سے کام چلانا پڑے گا البتہ بہت خوش اخلاق اور ہمہ تن سیاحوں کی مدد کے لئے تیار رہتے ہیں۔ 1 ڈالر میں 550 مقامی سکے ملتے ہیں، پاکستان جتنی مہنگائی ہے مگر کوئی منہ نہیں بناتا اور نہ اپنے ملک کو برا بھلا کہتا ہے۔ اتفاق سے 6 دنوں میں سے صرف 2 دن بارش رہی بقایا دن دھوپ اور خوشگوار موسم میں گزارے۔ سمندر، پہاڑ، جنگلات تو ہمارے ملک میں بھی ہیں مگر ہم ان سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ امریکہ جائیں تو کوسٹاریکا بہت خوبصورت ملک ہے اس کے جزیرے اور لوگ لاجواب ہیں۔ مگر آپ کو صرف سبزیوں اور سمندری کھانوں پر گزارا کرنا پڑے گا۔ آپ کو ویزہ بھی آن ارائیول صرف 28 ڈالر میں مل جائے گا۔ کوسٹاریکا میں ہر طرح کے ہوٹل اور کھانوں کے ریسٹورینٹ ہیں اور 10 ڈالر کا اچھا کمرہ مل جاتا ہے اور مقامی سستے فاسٹ فوڈ چین بھی ہیں جہاں ایک وقت کا کھانا 2 سے تین ڈالر میں باآسانی مل جاتا ہے۔

وزیراعظم پاکستان کا دورۂ امریکہ

موجودہ وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف صاحب 4 روزہ دورہ امریکہ سے واپس پاکستان آگئے ہیں اور بقول ان کے کہ صدر اوباما سے ان کی ملاقات بہت کامیاب رہی اور صدر اوباما کا رویہ بہت مثبت رہا۔ گزشتہ دنوں ان کا اور صدر اوباما کا ایک فوٹو تمام اخبارات میں چھپا تھا جس میں دونوں صاحبان خوشگوار موڈ میں دیکھے جاسکتے تھے۔ قوم کو اُمید کی کرن اُبھرتی نظر آرہی تھی کہ شاید صدر اوباما کو ڈرون حملے بند کرنے کے لئے ہمارے وزیراعظم نے آمادہ کرلیا ہوگا۔ خصوصاً اسی دن امریکہ میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نمائندوں نے اپنی ایک پریس کانفرنس میں ڈرون حملوں کو جنگی جرائم قرار دے کر فوری طور پر بند کرنے پر زور دیا تھا اور اسکی تفصیلات اور حقائق سے پوری دنیا کی توجہ مرکوز کروائی تھی جو پاکستان کے لئے بہتری کی صورت پیدا کرنے کے لئے مثبت سوچ رکھتی تھی اور طالبان سے محاذ آرائی بھی کم کرسکتی تھی۔ پھر مذاکرات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دور ہونے کا قوی امکان تھا۔ مگر ایسا کوئی دوطرفہ اعلانیہ سامنے نہیں آسکا اور نہ ہی ماضی کی طرح دونوں سربراہوں نے مشترکہ اعلامیہ میڈیا کے ذریعے دیا۔ بس صرف ملاقات کا فوٹو سیشن شائع ہوا۔ میاں محمد نواز شریف صاحب نے پریس بریفنگ میں بتایا کہ انہوں نے صدر اوباما کو ڈرون حملوں کو فوری طور پر روکنے کے لئے زور ڈالا اور اُمید ظاہر کی کہ جلد ہی ڈرون حملے جو پاکستان کی خودمختاری پر کاری ضرب اور افغانستان کے امن کی راہ میں زبردست روکاٹ ہیں، بند ہوجائینگے۔ ابھی اس خبر کی روشنائی سوکھی بھی نہ تھی اور مذاکرات کے ثمرات سامنے بھی نہیں آئے تھے کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی بنانے والے ادارے کی طرف سے کھل کر یہ بیان سامنے آیا کہ ڈرون حملوں کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ امریکہ اور نیٹو افواج اپنے دفاع میں یہ حملے جاری رکھیں گے، مزید پاکستان کی دوسری درخواست امریکہ مسئلہ کشمیر میں ثالثی قبول کرکے بھارت پر دباؤ ڈالے تاکہ پاکستان اور بھارت کا

سب سے بڑا تنازعہ جس کی وجہ سے ماضی میں 2 بڑی جنگیں بھی ہوئی اور سرحدوں پر بھی فوج کشی ہوتی رہی ہے وہ بھی ختم ہونی چاہئے۔ بدقسمتی سے وہ بھی امریکہ نے ثالثی کی پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ پاکستان، بھارت خود مل کر مسئلہ کشمیر کا حل نکالیں اور تیسرے فریق کو بیچ میں نہ ڈالیں۔

گویا اس سے بھی مایوسی ہوئی۔ تیسرا مسئلہ بقول ہمارے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف انہوں نے مدت سے قید عافیہ صدیقی جن کو امریکہ میں لمبی سزا ہوئی ہے، رہائی کا مطالبہ کیا تو اس میں بھی ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور عافیہ صدیقی کی رہائی کرانے میں وہ صدر اوباما کو قائل نہیں کر سکے۔ رہا پاکستان کے توانائی کے بحران کو حل کرنے کے لئے امریکہ نے زبانی حامی تو بھر لی ہے مگر کب اور کیسے وہ ہماری مدد کرے گا جس سے پاکستان کی معاشی حالت بہتر ہو سکے گی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے برعکس اب یہ نئے انکشافات سامنے لائے گئے کہ ماضی کی حکومتوں بشمول پرویز مشرف اور پاکستان پیپلز پارٹی کے ادوار میں ڈرون حملوں کی توثیق اور باہمی رضامندی شامل تھی چند ثبوت وزارت خارجہ نے ہمارے وزیراعظم کو بھی پیش کئے۔ ماضی کی حکومتوں نے خود ڈرون حملوں کی درخواست کی تھی تاکہ مفرور دہشت گردوں کا صفایا کیا جا سکے۔ جبکہ پرویز مشرف تو ماضی میں اس کی تردید کرتے رہے اور ہمیشہ قوم اور طالبان کو یہ تاثر دیتے رہے کہ امریکہ خود اپنی طرف سے ڈرون حملے کرتا رہا۔ اُن کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ طیارے کہاں سے اُڑائے جا رہے ہیں۔ آج کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے ڈرون حملوں کی اجازت دینے کی سختی سے تردید کر دی ہے جبکہ امریکی وزارت خارجہ نے 2008ء میں وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کا اجازت نامہ (کیبل) بھی دکھایا تھا۔ اللہ ہی جانے پرویز مشرف اور یوسف رضا گیلانی قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے اور اپنے اقتدار کو بچاتے رہے۔ قوم کیسے سمجھے، کون سچا ہے اور کون جھوٹ بولتا رہا۔ مگر اس حقیقت سے سب ہی

آگاہ ہیں کہ ان ڈرون حملوں میں دہشت گردوں سے زیادہ ہزاروں معصوم شہری، عورتیں، مرد، بچے ایک ہی جھٹکے میں موت کی نیند سلا دیئے گئے اور صرف چند ہی دہشت گرد مارے گئے۔ البتہ ان ڈرون حملوں کی وجہ سے ہزاروں خودکش بمبار پیدا ہو گئے جن کا مقصد پاکستان سے بدلہ لینا تھا اور آج تک پاکستان اس کی سزا بھگت رہا ہے اور خود اس کے ہزاروں شہری اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ اگر حقیقت سے امریکہ کے دورے کا تجزیہ کیا جائے تو الٹا امریکہ نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ خود پاکستان دہشت گردوں کو نہ صرف پناہ دے رہا ہے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے حافظ محمد سعید کی تنظیم جماعت الدعوۃ کو دہشت گرد تنظیم قرار دے کر اس پر پابندی عائد کرنے پر زور دیا اور ان کے سربراہ کی سر کی قیمت بھی لگا رکھی ہے۔ جبکہ پاکستان اس تنظیم کو خالص مذہبی سمجھتا ہے جو عوام میں رفاہی خدمات انجام دے رہی ہے۔ جو ماضی میں ہونے والے ہولناک زلزلوں میں اس کی خدمات سے عوام مستفید ہوتے رہے ہیں۔ سب سے حیرتناک پاکستان کے غدار اور امریکہ کی نظر میں ہیرو کا درجہ رکھنے والے شکیل آفریدی جس نے اسامہ بن لادن کی مکمل مخبری کر کے ایبٹ آباد میں امریکی طیاروں سے حملہ کروا کر اسامہ بن لادن کو موت کے گھاٹ اتروایا۔ اس کی رہائی پر زور دیا جس کو ہمارے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ اس کا معاملہ عدالت میں ہے اور عدالت جو فیصلہ کرے گی دونوں حکومتوں کو قبول کرنا ہوگا۔ چند ہی دنوں میں قوم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے وزیراعظم صاحب کا دورہ کامیاب رہا جیسا کہ وہ کہہ رہے ہیں یا پھر ماضی کی طرح ناکام اور خالی ہاتھ لوٹایا گیا ہے۔ البتہ صرف ایک بات ضرور سامنے آئی ہے کہ میاں محمد نواز شریف صاحب نے ڈرون حملوں پر کمپرومائز کرنے سے انکار کر کے قوم کے دل کی آواز اپنے ضمیر کو صاف کر کے دوٹوک صدر اوباما کے سامنے رکھ دی جو پہلی مرتبہ کسی حکومت نے جرأت مندی کا ثبوت دیا۔ خدا کرے طالبان مذاکرات کی میز پر بغیر پیشگی شرائط بیٹھ کر اس خطے کو پہلے کی طرح امن کا گہوارہ

بنادیں اورامریکی فوج کو 2014ء تک آسانی سے واپس جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں اور مزید معصوم جانوں کوضائع نہ ہونے دیں۔جس کی وجہ سے ہمارا ملک بلاوجہ اس کی لپیٹ میں ہے۔

ایک انجکشن کی کہانی

اس سال رمضان المبارک میں بھی عمرے کی ادائیگی کی سعادت ملی۔عام طور پر میں ماضی میں بھی عمرے کی ادائیگی سے قبل ضروری ادویات فرسٹ ایڈ کا سامان اپنے ساتھ ضرور لے جاتا ہوں۔ وہاں اکثر اس سامان کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور ساتھی عمرہ کرنے والوں کی خدمت بھی ہو جاتی ہے۔دن میں 5 اوقات فرض نمازوں اور عمرہ کے کرنے کے لئے خانہ کعبہ میں حاضری ضروری ہوتی ہے۔اس سال اتفاق سے میرے معالج نے جانے سے قبل ہمیشہ کی طرح خون ٹیسٹ کروایا تو میری اور اہلیہ کی رپورٹ میں وٹامن ڈی کی بہت کمی ظاہر ہوئی تو انہوں نے ہر ہفتے ایک انجکشن باقاعدگی سے لگوانے کی ہدایت کی جو میں نے دونوں کے لئے اپنے سامان میں رکھ لئے۔ایک ہفتے کے بعد میں ایک چھوٹے کلینک میں معہ اہلیہ گیا اور اس کو دوا انجکشن جو پاکستان سے خریدے تھے کمپاؤڈر کو دیئے جو اتفاق سے پاکستانی ہی تھا۔اس نے بتایا کہ سعودی عرب میں بغیر ڈاکٹر کے نسخے کوئی انجکشن نہیں لگایا جاتا جب تک مقامی ڈاکٹر اس نسخہ میں خود تجویز نہ کردے۔سعودی عرب میں اکثریت مقامی ،سرکاری اور غیر سرکاری ہسپتالوں میں پاکستان اور بھارت کے ڈاکٹر نوکریاں کرتے ہیں۔اس کی 2 وجوہات ہیں اول سعودی عرب میں لاکھوں پاکستانی ،بھارتی اور بنگلہ دیشی ورکرز ہر شعبے میں کام کررہے ہیں جن میں لیبر کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ صرف اردو زبان سمجھتے ہیں۔ سعودی، مصری اور دوسرے ممالک کے ڈاکٹر بہت زیادہ تنخواہ طلب کرتے ہیں مگر پاکستانی اور بھارتی ڈاکٹرز صاحبان بہت کم تنخواہ پر بھی گذارہ کر لیتے ہیں اور دوسری سب سے بڑی وجہ عمرہ اور حج پر بھی ان تینوں ممالک سے لاکھوں مسلمان ضرور آتے ہیں وہ بھی کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔اس طرح سعودی حکام ان کے لئے بھی ان کی زبان جاننے والوں کو رکھتے ہیں۔لہذا زبان کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔خیر واپس میں اپنی اصلی مشکل کی طرف آتا ہوں،جب اس کمپاؤڈر نے انکار کیا تو میں

نے اس کا حل پوچھا، کیونکہ وٹامن ڈی کا ایک لاکھ یونٹ کا انجکشن سعودی عرب میں دستیاب بھی نہیں تھا۔البتہ ہزار یونٹ تک کی گولیاں اور کیپسول دستیاب تھے۔

اس نے مشورہ دیا کہ کسی پاکستانی ڈاکٹر کو ڈھونڈو۔وہ اس مسئلہ کو حل کر سکے گا۔کراچی فون کر کے اپنے پاکستانی ڈاکٹرز سے سعودی عرب میں کسی جاننے والے ڈاکٹر کا پتہ معلوم کیا۔خدا کا کرنا میرے دوست نے ایک اس کے جاننے والے ڈاکٹر کا فون نمبر دیا اور اس کو فون بھی کر دیا۔دوسرے دن صبح میں نے مذکورہ ڈاکٹر صاحب کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں اس وقت مدینہ میں تعینات ہوں اور چونکہ میں مکہ میں تھا تو انہوں نے اپنے ہی ایک پاکستانی ساتھی ڈاکٹر کو فون کر کے مسئلہ حل کرنے کے لئے کہا اور مجھے بھی مکہ میں رہنے والے ڈاکٹر کا موبائل نمبر دے دیا۔جب میں نے فون کیا تو ان ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ مکہ میں تو ہے مگر کافی دور ہسپتال میں کام کر رہے ہیں۔حرم میں انہوں نے سرکاری ہسپتال کے ایک دوست کو فون کر کے انجکشن لگوانے کی درخواست کی تو سرکاری ڈاکٹر جو بھارتی تھا اس نے صاف انکار کر دیا۔پھر پاکستانی ڈاکٹر نے ایک اور پاکستانی ڈاکٹر کو ڈھونڈ نکالا جس کی ڈیوٹی عشاء کے بعد شروع ہوتی تھی،اس نے حامی بھر لی۔پھر ہم دونوں میاں بیوی نماز عشاء سے فارغ ہو کر اس سرکاری ہسپتال میں جو اتفاق سے ہمارے ہوٹل کے برابر والی بلڈنگ میں واقع تھا، پہنچے تو معلوم ہوا کہ سرکاری عملہ نماز تراویح ادا کرنے حرم میں گیا ہوا ہے، لہٰذا رات 10:30 بجے نماز تراویح کے بعد یہ مسئلہ حل ہو سکے گا۔ہم بھی نماز تراویح کی ادائیگی کے لئے سامنے ہی حرم میں روانہ ہو گئے پھر جب واپس لوٹے تو پاکستانی ڈاکٹر نے اپنے ماتحت کو بلایا وہ جونیئر ڈاکٹر تھا،اس سے کہا کہ نرس اور ڈاکٹر یہ انجکشن جو معمولی قسم کے وٹامن ڈی کا ہے لگا دے۔ اس ماتحت ڈاکٹر نے کہا کہ چند دن قبل ہی باہر سے انجکشن لگانے پر محکمۂ صحت نے پابندی عائد کر دی ہے۔لہٰذا وہ یہ فرض انجام نہیں دے سکتا۔ڈاکٹر بے چارہ اپنا منہ دیکھتا رہ گیا اس نے ہم سے کہا

آپ تشریف رکھیں مگر میری اہلیہ جو کافی تھک گئیں تھیں،انہوں نے کہا چھوڑیے کل دیکھیں گے۔ میں نے بیگم کو ہوٹل روانہ کر دیا اور خود ڈاکٹر کے ساتھ گپ شپ لگانے بیٹھ گیا۔اس نے اپنے 2 تین ڈاکٹروں کو فون کر کے مسئلہ بیان کیا،اتفاق سے ایک شناسا ڈاکٹر جس کی ڈیوٹی حرم کے اندر رات 12:00 بجے کی تھی مجھے بھیجنے کو کہا۔رات 12:00 بجے میں حرم کے اندر گیا اور اس ڈاکٹر سے علاوہ غالباً اردن یا مصر سے تعلق رکھتا تھا اس نے ایک نرس کو بلایا اور کہا کہ یہ انجکشن لگا دے۔نرس نے مجھے کلینک میں بیٹھنے کو کہا اور اندر سے انجکشن لگانے کے لئے اسپرٹ کا ڈبہ روئی وغیرہ لے کر آئیں ،انجکشن میرے ہاتھ سے لیا اور پڑھ کر بولی کہ معذرت یہ انجکشن صرف پہلو میں لگانا ضروری ہے وہ صرف ہاتھ میں لگا سکتی ہے اس کے لئے میل نرس (مرد) ضروری ہے اور اس وقت کوئی میل نرس (مرد) ڈیوٹی پر نہیں ہے۔لہٰذا کل صبح آئیں شاید یہ مسئلہ حل ہو سکے۔میں سارا دن اس کی جستجو میں لگنے کی وجہ سے پریشان حرم میں کھڑا تھا کہ سامنے سے میرے ایک پاکستانی دوست ڈاکٹر آتے نظر آئے۔بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا اور اپنا مسئلہ بتایا،انہوں نے میرے ہاتھ سے انجکشن لیا اور ساتھ سامنے ہی ہوٹل جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے چلنے کو کہا۔راستے میں انہوں نے بتایا کہ وہ اب امریکہ میں شفٹ ہو چکے ہیں ان کی اہلیہ بھی ڈاکٹر ہیں۔رمضان المبارک میں وہ بھی عمرہ کی ادائیگی کے لئے آئے ہوئے ہیں۔میں نے اہلیہ کو بھی ساتھ لیا جو اسی ہوٹل میں اوپر والی منزل پر تھیں،سب ان کے کمرے میں پہنچ گئے۔یہ جان کر حیرت ہوئی کہ انجکشن پڑھ کر انہوں نے کہا کہ یہ انجکشن دونوں طریقہ سے استعمال ہو سکتا ہے۔یہ انجکشن توڑ کر بھی پیا جا سکتا ہے،انہوں نے ہمارے سامنے انجکشن توڑے اور ہم کو پلا کر کہا کہ اب آپ کو آئندہ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔میں ان کا شکریہ ادا کر کے لوٹا تو معلوم ہوا کہ واقعی سعودی عرب میں وزارت صحت کس قدر چوکس ہے اور سب لوگ قانون کا احترام کرتے ہیں۔جبکہ ہمارے ملک میں تو کیمسٹ شاپ پر ہر طرح کی ادویات بغیر

نسخہ مل جاتی ہیں حتیٰ کہ نشہ آور انجکشن، گولیاں بھی اور ہر کوئی بغیر معلومات انجکشن لگا بھی دیتا ہے۔ کہاں کا قانون، کہاں احتیاط اور توجہ۔ قارئین کی معلومات کے لئے امریکہ، کینیڈا اور تمام یورپی ممالک میں جان بچانے والی ادویات کسی قیمت پر بھی بغیر ڈاکٹر کے نسخے حاصل کرنا غیر قانونی ہے اور ناممکن ہے یا کوئی فارمیسی اس کو فروخت کرے۔ اور تو اور کینیڈا میں ہر فارمیسی میں ایک کوالیفائیڈ کمپاؤڈر یا ڈاکٹر ضرور تعینات ہوتا ہے اور ہر نسخے پر 10 یا پانچ ڈالر اضافی فیس بھی چارج کی جاتی ہے اور میں یہ بھی ساتھ ساتھ بتا دوں کہ کوئی بھی اینٹی بائیوٹک گولی اور کیپسول کم از کم قیمت 2 ڈالر یعنی -/225 روپے فی گولی یا کیپسول وصول کی جاتی ہیں اور ہر دوا جو پاکستان میں اگر 100 روپے میں ملتی ہے تو وہی دوا اور اسی کمپنی کی بنی ہوئی کم از کم -/1500 روپے میں ملتی ہے۔ پورے امریکہ، کینیڈا، یورپ میں وہی پاکستان میں ملٹی نیشنل ادارے 10 بیس گنا زیادہ قیمت میں فروخت کرتے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں سب سے کم قیمت پر ادویات فروخت کی جاتی ہیں اور ہر مریض کی پہنچ میں ہوتی ہیں۔ مگر میڈیا مہنگائی کا شور مچاتا رہتا ہے۔ اس کو دیگر ضروری کھانے، پینے کی اشیاء کی مہنگائی نظر نہیں آتی اور نہ پیٹرول، ڈیزل، گیس پر حکومت کے اضافی ٹیکس بڑے لگتے ہیں وہ کیوں خاموشی سے خریدتا ہے۔

کیا ہم سب حرام کھا رہے ہیں؟

ایک نوجوان تعلیم حاصل کرنے 70 کی دہائی میں فرانس گیا۔ ان دنوں یورپ کے تمام ممالک آن ارائیول یعنی یورپ کے جس ملک میں آپ جانا چاہیں تمام پاکستانیوں کو ائرپورٹ پر ویزا مل جاتا تھا کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوتی تھی۔ سستا زمانہ تھا نوجوان لڑکے وہاں دن میں تعلیم کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم نوکریاں کرتے تھے جس سے تعلیم اور رہائش کے اخراجات نکل آتے تھے۔ تعلیم کے ساتھ ویک اینڈ پر چل پھر کر کچھ سامان اخبارات، گھڑیاں، چشمے، وغیرہ پارکوں میں بیچ کر اضافی رقم جمع کر لیتے تھے۔ اکثر کو جب اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں مل جاتیں تو کچھ وہیں شادی کر لیتے تھے تو اس ملک کی نیشنلٹی آسانی سے مل جاتی تھی۔ بہت سے نوجوان وہیں اچھی نوکریاں حاصل کر کے سیٹل ہو جاتے تھے البتہ جب ان کی لڑکیاں جوانی میں قدم رکھتی تھیں تو ان کو وہاں کے ماحول سے بچانے کے لیے پاکستان کا رخ کرتے تھے، یہاں امن ہی امن تھا۔ کافی عرصہ بعد یہ نوجوان بھی شادی کر کے معہ فیملی پاکستان آ گئے۔ یہاں انکی میرے صاحبزادے جنید خلیل سے ملاقات ایک بیڈمنٹن کلب میں ہو گئی اس طرح ہماری فیملی میں ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا ہو گیا۔ ایک دن وہ میرے دفتر میں گپ شپ کر رہے تھے تو موضوع حلال اور حرام کھانے کا چھڑ گیا کیونکہ یورپ میں گائے، بکرے، مرغی کے گوشت ذبح نہیں ہوتے اور مشینوں سے جانوروں کی گردنیں بغیر کلمہ پڑھے (کیونکہ صرف مسلمان اور یہودی اپنا اپنا کلمہ پڑھتے ہیں) عیسائی کاٹ ڈالتے ہیں۔ اکثریت مسلمان ان کا گوشت کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس کی دوسری وجہ مسلمانوں کی بہت کم گروسری کی دوکانیں ہوتی ہیں اور اس کے لئے دور دراز علاقوں میں جانا پڑتا تھا اس لئے آسان طریقہ اپناتے ہوئے سور کے گوشت کے علاوہ تمام دیگر جانوروں کا گوشت خرید لیتے ہیں۔

اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں ان صاحب نے فرمایا کہ یورپ میں ملنے والا گوشت ہر

لحاظ سے پاکستان میں ملنے والے نام نہاد حلال گوشت سے کہیں بہتر ہوتا ہے بلکہ انہوں نے دلیل بھی دی کہ پاکستان میں حلال گوشت کس طرح حلال ہو سکتا ہے۔ اول تو پورے ملک میں جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان میں صفائی کا کوئی انتظام نہیں ہوتا ہر طرف غلاظت کے ڈھیر، خون، جانوروں کی اوجھڑیوں سے رستہ ہوا گند، قصائی کے اپنے کپڑے، چھری کانٹے، منڈیاں سب پرخون اٹا ہوتا ہے۔ قصائی ایک ایک جانور سے کشتی لڑ کر اس کو گرانے میں مشغول اور اس کے ساتھی ایک دوسرے پر گندی زبان میں مخاطب ہوتے ہیں۔ انہیں اکثر تو کلمہ یاد ہی نہیں ہوتا، بس ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کسی طرح زیادہ زیادہ سے جانور ذبح کر کے ان کا جیسے تیسے گوشت بنا کر مارکیٹ میں صبح صبح بھیجا جائے۔ جن ٹرکوں پر یہ کھلا گوشت بھیجا جاتا ہے اس پر لاکھوں زندہ مردہ مکھیاں بھن بھنا رہی ہوتی ہیں۔ پھر جب جانور کاٹ دیا جاتا ہے اس کا کوئی سرٹیفکیٹ صحت کا نہیں ہوتا، بیشتر بیمار جانور بھی وہاں کے ڈاکٹروں کی ملی بھگت سے کاٹ دیے جاتے ہیں پھر ان جانوروں کو ایک بڑے گندے ٹپ میں جس میں عام گندہ پانی پڑا ہوتا ہے، گھنٹوں ڈال کر گوشت کے وزن میں اضافہ کر لیا جاتا ہے۔ پورے مذبح خانے میں کوئی عالمِ دین دیکھ بھال نہیں کرتے کہ اس نے یہ جانور کاٹنے سے پہلے کلمہ پڑھا تھا، اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی اور ہو بھی نہیں سکتی۔ الغرض اسلام کے تمام صفائی نصف ایمان کو ایک طرف رکھ کر تمام کام ہوتا ہے تو کس طرح اس جانور کے گوشت کو حلال کہہ سکتے ہیں جو مضرِ صحت ہوتا ہے اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو یہ مشاہدات آپ پاکستان کے کسی بھی مذبح خانے میں جا کر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح کراچی میں لاکھوں مرغیوں کی کھپت روزآنہ ہوتی ہے۔ بڑے بڑے سپلائرز نے اب مشینیں کاٹ کر صاف کرنے کی لگائی ہیں، کوئی بھی ان کے پاس کھڑے ہو کر یہ مرغی ذبح ہونے سے پہلے کلمہ نہیں پڑھتا اور نہ ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس کے لئے اتنا وقت نہیں ہوتا، لہٰذا وہ بھی دیگر جانوروں کی طرح پورے

کلمے کے ساتھ ذبح نہیں ہوتا تو وہ بھی حلال کیسے ہوا؟ اس کے دیگر اعضاء گندے پنجے، کھال، اوجھڑیوں کو جمع کر کے مارکیٹ میں فروخت کر دیا جاتا ہے جس سے مضر ترین طریقے سے آگ پر پکا کر تیل تیار کیا جاتا ہے۔ وہ تیل غریب علاقوں میں بیچا جاتا ہے جس سے طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ یہ تو رہی حلال گوشت اور تیل کی کہانی۔ آگے چل کر وہ بتاتے ہیں کہ فرانس کی ایک کمپنی سے انہوں نے منرل واٹر بنانے کے لئے فرنچائز مانگی اس کمپنی نے اپنا نمائندہ پاکستان بھیجا تو معلوم ہوا کہ کراچی شہر میں آج سے 50 ساٹھ سال پہلے تمام گٹر اور پینے کے پانی کی لائنیں ساتھ ساتھ ملا کر ڈالی گئیں جو اب زنگ آلود ہو کر خراب گل سڑ چکی ہیں اور دونوں کا پانی ایک دوسرے سے مکس ہو رہا ہے۔ آج تک اس کی نئی لائنیں الگ الگ نہیں ڈالیں۔ خصوصاً پرانے علاقے جہاں گنجان آبادیاں ہیں لہٰذا اس کمپنی نے کراچی میں فیکٹری لگانے سے انکار کر دیا۔ آج اکثریت اس پانی کو پی کر لاتعداد بیماریوں میں مبتلا ہو چکی ہے۔ کیا اسلام میں گندہ پانی حلال ہے؟ اب آیئے حلال روزگار کی طرف جواب ہمارے معاشرے کی حدود سے تقریباً نکل کر حرام ہو چکا ہے۔ 80 فیصد صنعتکار، تاجر حضرات، سودی کاروبار میں ملوث ہیں اور فخریہ بنک سے یا مقامی لوگوں سے سود پر قرض لے کر اپنا کاروبار بڑھا رہے ہیں۔ کیا سود کھانا یا دینا حلال ہے، بعض بنکوں نے اس سودی نظام کو اسلام کے کپڑے پہنا کر اسلامی نام دے کر عوام کو گمراہ کر دیا ہے۔

جو کمیشن، مارک اپ، مضاربہ، مدارابہ، سروس چارجز، انالیز کا نام دے کر سود ہی کی طرح وصول کیا جا رہا ہے۔ اگر کیا سور کو کلمہ پڑھ کر کاٹا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا؟ یہ تو رہی کاروبار کی ایک صورت۔ دوسرا آج کل ایک دوسرے کا مال ہضم کرنا بھی فیشن میں شامل ہو چکا ہے، دھوکہ، فریب، اصل کی نقل، جھوٹی قسمیں، ملاوٹ، جھوٹ بول کر مال بیچنا کیا یہ سب حلال کام ہیں؟ خراب مال بیچ کر تبدیل نہ کرنا، پھلوں کی بند پیٹی میں اوپر کی تہہ اچھی دکھا کر نچلی تہہ میں گلے سڑے پھلوں کو چھپا کر

رکھنا، کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے؟

ہمارے ملک میں اب بیشتر اشیاء چاکلیٹ، کیک، جیلی، ٹافیاں امپورٹ ہوتی ہیں جن کو یورپ، امریکہ میں اسلامی سینٹرز کی تحقیق میں وہ حرام اشیاء کی آمیزش کی وجہ سے مسلمان نہیں خریدتے مگر وہ کھلم کھلا پاکستان میں امپورٹ ہو کر ہر بڑے اسٹور پر فروخت ہو رہی ہے۔ کیا یہ یہاں پہنچ کر حلال ہو گئیں؟ دودھ، دہی، مصالحہ جات میں پانی اور دیگر اشیاء کی ملاوٹ کیا اسلام میں جائز ہے؟ دالوں، چاول، گندم میں کنکر اور چائے میں برادہ ملا کر فروخت کرنا کیا ہمارے تاجر اس کو حلال سمجھتے ہیں جو کھلے عام فروخت کر کے اپنے ایمان کا سودا نہیں کر رہے۔ کیا کوئی اس گھناؤنے کاروبار پر شرمندہ ہے؟ ہرگز نہیں ہے۔

میرے دوست نے یہ بھی بتایا کہ غیر ممالک سے درآمد شدہ جوتے جو بہت سستے ہیں ان جوتوں کے تسمے سور کی کھال کے بنے ہوئے ہیں، کیا ان جوتوں کو پہن کر مسجد میں نماز ہو جائے گی؟ سارا دن تاجر، صنعتکار اور ایک عام انسان ایک دوسرے کی غیبت کرنے میں سبقت لے رہا ہے۔ کیا اپنے بھائی کا مردار گوشت کھا کر مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں، جو آج ایک دوسرے سے حسد کرنے کو برا نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ان کی عمر کا بیشتر حصہ یورپ میں گذرا تھا وہاں کی اور یہاں کی مثالیں ان کے سامنے تھیں، انہوں نے بتایا کہ اب وہ پاکستان سے دوبارہ واپس یو اے ای میں اپنا کاروبار اور فیملی کو سیٹ کر رہے ہیں۔ وہاں کم از کم وہ حلال چیزیں کھا کر مسلمان ملک میں اپنا ایمان بچا سکیں گے؟ اور بقایا زندگی جب تک پاکستان کے حالات نہیں سدھرتے یہاں کا خیال دل سے نکال چکے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم پاکستانی اس وجہ گر چکے ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تو کس طرح پاکستان دوبارہ امن و آشتی والا ملک بنے گا؟

3 گھنٹے تک وہ یہ کہتے رہے، میں خاموشی سے گردن جھکائے شرمندگی محسوس کرتا رہا اور میرے

کانوں میں ان کی یہ آواز کہ بھائی ہم سب حرام کھا رہے ہیں تو اس کا نتیجہ تو وہی نکلے گا جو آج پاکستان میں تباہی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسے حالات میں کس کی نمازیں قبول ہونگی اور کس کی دعائیں اللہ سنے گا؟ ہر کام کے لئے رشوت دینا ضروری ہے بغیر اس کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس کو ہم کیا نام دینگے کہ کیا یہ حلال ہیں؟ جہاں انصاف بکتا ہو وہاں اللہ کے غضب سے کون بچے گا۔

﴿ بنگلہ دیش کی آزادی کیسے ہوئی ﴾

ہماری نئی نسل کو نہیں معلوم کہ مشرقی پاکستان کیسے بنگلہ دیش بنا۔ کیونکہ یہ سانحہ آج سے 42 سال پہلے اسی ماہ 18 دسمبر 1971ء کو پیش آیا تھا۔ ہمارے حکمرانوں نے اس مشرقی حصہ کو غیر ضروری سمجھ کر بھلا دیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ مگر عوامی لیگ جس کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن اس ملک کے ٹکڑے ہونے کے بعد برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے روزِ اول سے پاکستان اور پاکستانی فوج، اس کے حامی البدر اور الشمس جو جماعتِ اسلامی، مشرقی پاکستان کے نوجوانوں کی تنظیم تھی، جو اس علیحدگی کے خلاف ہماری فوج کی مدد کر رہی تھی زبردست تنقید کا نشانہ بنایا اور ہماری فوج کے خلاف ایکشن کے دوران جو 23 مارچ 1971ء سے ستوطِ ڈھاکہ تک قتل و غارت گری، خواتین کی بے حرمتی اور بنگالیوں کے نوجوانوں کو بے دردی سے اذیتیں دے کر ہلاک کرنے کے واقعات گھڑے اور پوری بنگلہ بولنے والوں سے ہمدردیاں سمیٹیں۔ جبکہ 03 مارچ کو جب یحیٰی خان نے اسمبلی کا اجلاس صرف ملتوی کیا تھا تو اس دن ڈھاکہ، چٹاگانگ اور تمام مشرقی پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں مجیب الرحمٰن کی اپیل پر عوامی لیگی سڑکوں پر نکل آئے۔ تمام کاروبار بند ہو گیا، ہنگامے شروع ہو گئے، اردو بولنے والوں کی دوکانیں، فیکٹریاں جلا ڈالیں۔ ان کے تمام بنک اکاؤنٹ سیز کر دیئے گئے اور روز نئے نئے اعلانات کر کے اردو بولنے والوں کو دھمکایا جاتا۔ لوٹ مار سے لے کر قتل و غارت گری، ان کی خواتین کا اغوا کرنا ایک عام بات تھی، حتیٰ کہ 23 مارچ 1971ء کو پورے ڈھاکہ میں شیخ مجیب الرحمٰن کے حکم پر پاکستانی جھنڈے اتار کر بنگلہ دیش (جو ابھی تک وجود میں نہیں آیا تھا) کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔ ان 3 ہفتوں کا حساب صرف اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کی حامی فوج جو بھارت کی اصلی فوج کے نوجوان تھے مکتی باہنی کا نام دے کر ہر طرف اردو بولنے والے اور پاکستان کے حامی بنگالیوں کو چن چن کر نشانہ بنایا گیا تھا، اس کا کوئی ذکر نہیں

کرتا۔ مگر جب 24 مارچ کو فوج نے اس لاقانونیت اور غیر بنگالیوں کے قتل عام کو روکنے کے لئے ڈھاکہ اور چٹاگانگ جو اس کی لپیٹ میں تھے روکنے کے لئے ایکشن لیا تو یہ عوامی لیگی قیادت بھارت بھاگ گئی اور وہاں سے بنگلہ دیش کے لئے احکامات دینے شروع کر دیئے۔ مگر شیخ مجیب الرحمٰن کو فوج نے گرفتار کر کے مغربی پاکستان (کراچی میں منتقل کر دیا)۔

قصہ مختصر ان 7 ماہ میں تمام بنگالیوں کو پاکستان کے خلاف بھارت نے بدظن کر دیا جیسے آج بلوچستان میں بھارت نے بلوچیوں کو پاکستان اور پاکستانی فوج کے خلاف اکسایا ہوا ہے۔ اسی طرح وہاں بھی یہی کھیل کھیلا گیا اور پھر پاکستان کی سرحدیں عبور کر کے دونوں حصوں پر یلغار کر دی جس کو ہماری فوج ان بنگالیوں کی وجہ سے پوری طرح دفاع نہیں کر سکی اور 2 ہفتوں میں ہتھیار بھارتی فوج کے سامنے ڈال دیئے اور بنگلہ دیش وجود میں آ گیا۔ پھر انہی بھارتی فوجیوں نے بنگالیوں کے ساتھ اردو بولنے والوں اور البدر اور الشمس کے نوجوانوں کو قتل عام کر کے اپنی آگ بجھائی، جاتے جاتے تمام بڑی بڑی فیکٹریوں کی مشینیں بھی ساتھ بھارت لے گئے۔ بنگالی خاموش رہے کیونکہ بھارت نے ان کو پاکستان سے نجات دلوائی تھی۔ عوامی لیگ نے خوب اپنے بنگالی نوجوانوں کو اس آزادی کا نام دیا اور ہماری افواج کے نام نہاد مظالم، خواتین کے عصمت دری کی داستانیں گھڑیں، حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا کہ 2 لاکھ سے زیادہ خواتین حاملہ ہو گئیں۔ یہ بات اتفاق سے میں ایک سال قبل ڈھاکہ میں تھا، جس ہوٹل میں مقیم تھا اس میں سارک کی پیٹرولیم کی کانفرنس تھی۔ جس میں ہمارے پیٹرولیم کے مشیر ڈاکٹر عاصم حسین صاحب نے آنا تھا، میں لابی میں تھا تو پاکستان ایمبیسی اور سارک پاکستان کے نمائندے جو نیپال سے آئے ہوئے تھے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے رات کے کھانے پر مجھے بھی مدعو کر لیا جو سارک کی طرف سے تھا اس میں وزیراعظم حسینہ واجد جو شیخ مجیب الرحمٰن کی صاحبزادی بھی ہیں چیف گیسٹ تھیں۔ وہ جب اسٹیج پر تقریر کرنے آئیں تو انہوں نے افواج پاکستان کی من گھڑت کہانی سنائی۔ مجھے بہت غصہ

آیا، میں نے ہمارے پاکستان مندوبین اور سارک پاکستان کے عہدیداروں کو احتجاج کے لئے کہا مگر انہوں نے مجھے خاموش رہنے کا مشورہ دیا۔ اتفاق سے ہمارے مشیر پیٹر ولیم اس اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے تھے تو مجھے اکیلے ہی خاموشی سے واپس اٹھنا پڑا۔ یہاں مجھے بتایا گیا کہ بنگلہ دیش کا سیاسی دور جب بھی عوامی لیگ کو ملتا ہے وہ پاکستان اور ہماری فوج کے خلاف بولنے کا کوئی فورم ضائع نہیں کرتی۔ حالانکہ بنگالی شیخ مجیب الرحمٰن جن کو وہ ہمارے قائداعظم کا درجہ دیتے ہیں۔ چند ہی سالوں بعد ان کی بے پناہ کرپشن، لوٹ مار کے خلاف فوج نے بغاوت کر کے ان کے خاندان کو قتل کر کے ان ہی کے بنگلہ میں 3 دن تک بے گوروکفن چھوڑ دیا تھا۔ کوئی عوامی ردعمل بھی نہیں ہوا، اس وقت خوش قسمتی سے شیخ حسینہ واجد بھارت گئی ہوئی تھیں۔ اگر وہ بھی وہاں ہوتیں تو شاید عوامی لیگ کا نام ونشان ختم ہو چکا ہوتا، ان کی پاکستان دشمنی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ پچھلے سال پاکستان اور بنگلہ دیش کی ٹیم کا فائنل میچ تھا۔ وہ مہمان خصوصی تھیں مگر جب آخری اوورز میں پاکستان نے کرکٹ میں بنگلہ دیش کو ہرایا تو وہ اُٹھ کر چلی گئیں اور پاکستانی ٹیم کو انعامات کسی اور سے دلوائے گئے۔ اسی سال یعنی 17 دسمبر کو انہوں نے عبدالقادر ملا کو جس غیر اخلاقی طریقہ سے پھانسی دلوائی وہ بھی ایک ان کی اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے بجائے پاکستانی فوج سے ہمدردی رکھنے والوں سے انتقام لیا گیا۔ آج پورے بنگلہ دیش میں اس پھانسی کے خلاف تمام سیاسی جماعتوں نے ہڑتال کر رکھی ہے۔ بنگلہ دیش کا پورا کاروبار ٹھپ ہے، ہر طرف اس کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں۔ مگر اس وزیراعظم خاتون جو بھارت کی حامی سمجھی جاتی ہیں صرف بھارت کو وہ خوش کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ اس سے اس وقت 250 سے زیادہ افراد ہنگاموں کی نظر ہو چکے ہیں، اربوں ڈالر کا صنعتوں کو نقصان پہنچ چکا ہے، مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی ہیں۔ ہماری اسمبلی نے جو قرارداد پاس کی وہ قابل ستائش ہے مگر افسوس ہمارے حکمران ان کی گالیوں کو بھی پھول کے ہار سمجھ کر پہن لیتے ہیں کہ وہ بنگلہ دیش کا اپنا معاملہ قرار دیتے ہیں۔ جبکہ بنگلہ دیش کی تمام

سیاسی جماعتیں متحد ہو کر اس کے خلاف صف آراء ہیں اور ہمارے محصورین پاکستانی جو آج تک وہاں پاکستان کا جھنڈا سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کو ہمارے حکمران بنگلہ دیشی سمجھ کر بھلا بیٹھے ہیں۔ کاش ہم ماضی سے ہی سبق سیکھیں۔ آج تک ایک معمہ ہے کہ بنگلہ دیش بنانے والی تینوں شخصیتیں یعنی شیخ مجیب الرحمٰن، اندرا گاندھی اور ذوالفقار علی بھٹو کو ان کے اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں غیر طبعی موت کیوں ہوئی۔

ایک کڑوا گھونٹ

اس سال بھی 5 فروری یوم یکجہتی کشمیر آکر گزر گئی۔ عوام و خواص اور سیاست دانوں سمیت حکمرانوں نے جلسے جلوس، ریلیاں نکالیں، کچھ نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے بھارت کے جھنڈے بھی جلائے تھک ہار کر دن گزر گیا۔ پاکستانیوں کو کیا ملا اور بھارتی عوام نے کیا کھویا کچھ نہیں، البتہ بھارتی حکومت نے اس کا مذاق اڑایا۔ بھلا ریلیاں نکالنے سے اور جلسے جلوس کرنے سے مسئلہ حل ہو سکتا تو آج 20 سال گزر چکے ہیں ہر سال ہی ایسا ہوتا ہے۔ محترمہ بے نظیر صاحبہ نے اپنے دوسرے دور میں کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی منانے کے لئے 5 فروری کا دن منتخب کیا۔ اس کی کشمیر کمیٹی بھی بنائی۔ نواب زادہ نصر اللہ خان کو اس کا چیئرمین بنایا بعد میں مولانا فضل الرحمان بھی چیئرمین بنے، وزارت کے مزے لوٹے، کروڑوں روپے ہر سال اس بے معنی وزارت پر خرچ ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں اور مسئلہ کشمیر جوں کا توں ہی رہا۔

آیئے آج ہم اس مسئلہ کشمیر کو ٹھنڈے دل سے سوچیں جو 6 دہائیوں سے دونوں ملکوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ دونوں ملکوں یعنی پاکستان اور بھارت نے اربوں کھربوں ڈالر پھونک ڈالے، پاکستان کے ہر سال کھربوں روپے کا بجٹ فوج اور اسلحہ کی نظر ہوتا ہے جبکہ بھارت کا اس سے دگنا بجٹ فوج کے علاوہ کشمیریوں کو سبیڈی (رعایتیں) برائے غلہ بجلی نان و نفقہ دینے پر خرچ ہوتا ہے۔ پھر بھی جموں اور کشمیر کے مسلمان آج تک سینہ سپر ہیں، ہزاروں جانوں کی قربانی دے چکے ہیں۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے بھارت کے حکمران جب بھی کشمیر میں الیکشن کرواتے ہیں تو صرف انکے پسندیدہ حکمرانوں شیخ عبداللہ اور ان کے بعد انکی اولادیں ہی حصہ لیتی ہیں اور کشمیر پر اپنا حق جتا کر حکومت کرتی ہیں، جبکہ دوسری سیاسی جماعتیں اور بڑے بڑے سیاست دان بائیکاٹ کر دیتے ہیں۔ اگر سب مل کر الیکشن کے لئے وہ ڈٹ جاتے تو بھارتی حکمرانوں کو گھٹنے ٹیکنے پڑ جاتے مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر آج تک الیکشن کا

بائیکاٹ جاری ہے۔ دوسری طرف پاکستان کے کشمیری حکمران کبھی اپنے بھائیوں کے حق کے لئے ان کو آزاد کروانے کی کوئی جد و جہد نہیں کرتے غالباً ان کو خطرہ ہے اگر جموں کشمیر اور آزاد کشمیر ایک ہو گئے تو آزاد کشمیر اقلیت میں چلا جائیگا۔ کیونکہ آزاد کشمیر کی آبادی مقبوضہ کشمیر سے بہت کم ہے۔ کسی بھی حکمران نے ہماری طرف کوئی سنجیدہ حل نہیں پیش کیا صرف یو این او کی قراردادیں یا پھر دو مرتبہ جنگ لڑ کر آدھا ملک گنوا دیا۔ دوسری طرف بھارت نے روزِ اوّل سے دشمنی مول لی جو کئی سال گزرنے کے ساتھ بڑھ بڑھ کر نفرتوں میں بدل چکی ہے۔ شروع سے بھارت مسئلہ کشمیر کو طاقت کے زور پر دباتا رہا۔ وقت گزارنے کے بہانے بناتا رہا۔ کئی نسلیں گزر گئیں حکمرانوں نے دونوں طرف سے انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ عوام کو اب اس میں خاص دلچسپی نہیں رہی، دونوں عوام تھک چکی ہیں۔ نئی نسل اس سے نابلد ہے۔ اگر 67 سال کے غیر ضروری اخراجات کا حساب لگایا جائے تو اس سے ہم دونوں ممالک اپنے اپنے عوام کو جہالت، غربت، نفرت سے چھٹکارا دلا سکتے تھے۔ آج کے دور میں بھلا جنگ سے مسائل حل ہو سکتے تو برطانیہ، فرانس، پرتگال، اپنی نو آبادیاں نہیں چھوڑتے ان پر جبری حکمرانی کرتے رہتے کیوں آہستہ آہستہ انہوں نے آزاد کر دیا کیا وہ بے وقوف تھے لڑے بغیر حکومتیں چھوڑ کر اپنے اپنے ملک تک محدود ہو گئے۔ بھارت نے اس کشمیر کو ہتھیانے کی خاطر ہمارے ہی عوام کو آلہء کار بنا کر ہمارے ملک میں دہشت گردی کا راج نافذ کروا دیا اور پوری دنیا کے سامنے ہم کو دوسرے اور تیسرے درجہ کی مخلوق بنا کر سب سے تنہا کر دیا۔ کہاں پاکستان کا ہرا بھرا پر امن ملک اور کہاں دنیا کا سب سے دہشت گرد ملک جس میں آج خود اپنے پاکستانی نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں کوئی ملک حتیٰ کہ خود ہمارے دوست بھی ہم سے کتراتے ہیں، ہم بدنام قوم جن کا کوئی مستقبل نہیں رہا۔ خود آج ہم بلوچستان میں خون ریزی، بھائی بھائی کا خون بہانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہا ہے۔ عوام نہیں وہاں تو پولیس، رینجرز اور اب فوجی بھی محفوظ نہیں ہیں۔ بنگلہ دیش کی طرح آزاد بلوچستان کے نعرے انہی بھارتی

حکمرانوں کی مرہون منت ہیں۔سندھ میں بھی یہ لہر شروع ہو چکی ہے ہم سے پختون خواہ صوبہ تک سنبھل نہیں رہا ہے۔اپنے گھر کو بچائیں اوپر سے کشمیر کو کیسے بچائیں ۔ہم نے عربوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اسرائیل کو اپنا دشمن بنایا ہوا ہے جبکہ ہماری ان سے کوئی دشمنی بھی نہیں ہے، بھارت نے اس کی آڑ میں جنگی معاہدے کر رکھے ہیں۔آدھے سے زیادہ عرب ممالک تجارت اور تعلقات بڑھانے میں مصروف ہیں ہم نے چین کی دوستی کی خاطر تائیوان سے سفارتی تعلقات نہیں رکھے جب کہ چین خود اس کے ساتھ تجارتی راہداریاں کھول چکا ہے ہماری بین الاقوامی سفارتی پالیسیاں دوسروں کی مرہون منت ہیں۔امریکہ سے بھی ہمارے تعلقات دھوپ اور چھاؤں کی طرح بدلتے رہتے ہیں افغانستان جس کو ہم نے روس سے بچایا اس کے چالیس لاکھ باشندوں کو اپنے ہاں پناہ دی جس کی وجہ سے ہمارا ملک اسلحہ اور منشیات جیسے گھناؤنے کاروبار میں اپنی اصلیت کھو بیٹھا آج اس کے سامنے گھٹنے ٹیکے طالبان سے مذاکرات کی بھیک مانگ رہے ہیں اور اتنی بڑی تباہی اٹھانے کے باجود ہمارے حکمران سامنے آنے سے بھی کترا رہے ہیں بھلا ایسے بھیانک اندھیرے میں بھارت سے دشمنی کیوں بڑھائیں اگر ہم صرف بھارت سے دوستی چاہتے ہیں تو جیسے آج آپ نے کشمیر اسمبلی میں بھارت کو مذاکرات کی کھلی دعوت پھر دی ہے کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ بھارت کشمیر کو اٹوٹ انگ کہنے کے بعد آپ سے مذاکرات کی ٹیبل پر آئے گا ہرگز نہیں۔جناب وزیر اعظم صاحب بہتر ہے ہم صحیح فیصلہ کریں آپ UNO میں جا کر اس مسئلہ کشمیر کو UNO کی گود میں ڈال دیں تا کہ وہ خود اپنی قرار دادوں پر عمل کروا کر دونوں کشمیریوں سے خود فیصلہ کروائیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں باہمی گفت وشنید کر کے فیصلہ کریں نہ پاکستان اور نہ بھارت کی بالا دستی ہو اس میں کسی کی سبکی نہیں ہو گی بے شک ایک نیا ملک وجود میں آجائے گا بھارت سے دشمنی بھی ختم ہو گی جس کے نتیجے میں دونوں پڑوسیوں کے ایک ساتھ مل بیٹھ کر ڈیڑھ پونے 2 ارب باشندوں کو سکون میسر آجائے گا پھر آپس کی تجارت ثقافت پروان چڑھے گی

دونوں طرف خوشحالی کا دور دورہ ہوگا اگر ایسا نہ کیا گیا تو خاکم بدہن سو سال تک ہماری دشمنیاں اتنی بڑھ جائیں گی جو آج ایک امریکن سینٹر کی زبان پر پاکستان کو ختم کرنے کی پیشن گوئی جو ماضی میں بھی کہی گئی تھی آج بہانہ نہ بن جائے ہماری آنے والی نسل بھی ہمیں معاف نہیں کرے گی۔کشمیر نہ ہمارا ہوگا اور نہ بھارت کا، کشمیر کشمیریوں کا ہوگا۔

﴾ ایک ہفتہ تھائی لینڈ میں ﴿

دنیا کے ترقی پذیر ممالک آج کل اپنی مصنوعات کو فروخت کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش میں لگے ہوئے اور نئے نئے تجربات کرتے رہتے ہیں ۔اسی طرح کا ایک موقعہ راقم کو تھائی لینڈ کی حکومت نے اپنے پاکستانی قونصل جنرل عزت مآب وی چائی سری سوجن (WICHAI SIRI SUJIN) کے ذریعے ان کے ملک آنے کی دعوت دی ۔اس وفد میں پاکستانی صنعت کاروں پر مشتمل 7 روزہ پلان تشکیل دیا گیا اور ان 7 دنوں میں روزانہ 2 بڑی کمپنیوں کا معائنہ کروانا تھا جو پاکستان میں حلال فوڈ متعارف کروانا چاہتے تھے تا کہ تھائی لینڈ حلال فوڈ جس میں پولٹری اور اُس کی مصنوعات سرفہرست تھی دیگر حلال جانوروں کے گوشت اور اُن سے بننے والی اشیاء پاکستانی تاجروں کے ہاتھ فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ کمانا چاہتے تھے۔

اس وقت پاکستان تھائی لینڈ سے حلال فوڈ درآمد نہیں کرتا البتہ دیگر اشیاء شربت ، جوس ،جوتے ،چمڑا ،کپڑا ،کیمیکل موٹر کے پارٹس وغیرہ وغیرہ شامل ہیں تقریباً 900 ملین ڈالر امپورٹ کرتا ہے اور اس کے جواب میں پاکستان سے صرف 100 ملین ڈالر کی مصنوعات برآمد کی جاتی ہیں ۔گویا ایک کے مقابلے میں ہم 9 گنا تجارتی حجم رکھتے ہیں ہمارے ایکسپورٹ میں کھانے پینے کے اشیاء مچھلی ،چاول ،آم وغیرہ شامل ہیں ۔اس 7 روزہ دورے کا مقصد بھی ان کا اپنا تجارتی ہدف بڑھانا تھا ۔اور اس لئے انہوں نے آنے ،جانے ،کھانے ،ٹھہرنے اور ٹرانسپورٹ کے اخراجات خود اٹھائے تھے ۔جانے سے ایک ہفتہ قبل پہلے تمام ارکان وفد کو قونصل جنرل نے دوپہر کا ظہرانہ دیا اور تمام پروگرام سے آگاہ کیا ۔تھائی ایئر لائنز کے ذریعے جمعرات کی رات کو جانا تھا اور ایک ہفتے بعد یعنی جمعرات کو واپس آنا تھا ۔پروگرام کے مطابق ہم سب کی ملاقات وہاں کی پہلی خاتون وزیر اعظم سے کرانا تھی مگر آخری وقت پر وزیر اعظم صاحبہ کو برما جانا پڑ گیا جہاں ہلیری کلنٹن جو آج کل آسیان کے

دورے پر ہیں ۔ان کے دورے کا مقصد وزیر اعظم تھائی لینڈ اور برما کے فوجی حکمرانوں کے درمیان ہم آہنگی میں اضافہ کرنا تھا ۔اور عوامی جمہوری حکومت برما میں پیش رفت کی جانی تھی ۔وزیر اعظم صاحبہ کی غیر موجودگی میں ان کی نمائندگی اُن کے ڈپٹی وزیر اعظم صاحب نے کی اور ہمارے وفد کو خوش آمدید کہتے ہوئے پاک تھائی تجارتی ،ثقافتی اور دوستی کے فروغ کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا ۔ہمارے ایمبیسڈر عزت مآب جناب سہیل محمود صاحب بہ نفسِ نفیس تشریف لائے اور انہوں نے دونوں ممالک کو تجارتی حجم بڑھانے پر زور دیا اور خاص طور پر تھائی صنعت کاروں کو پاکستانی مصنوعات بھارت کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ خریدنے پر زور دیا اور محترمہ وزیر اعظم صاحبہ کو پاکستان کے دورے کی بھی دعوت دی تا کہ دونوں قومیں اس خطے میں باہمی تجارتی منڈی کا حجم بڑھائیں ۔اس ملاقات کے بعد ہم کو اسلامی سینٹر آف تھائی لینڈ کے صدر سے ملاقات کرائی گئی بہت کشادہ مرکز تھا جہاں بنکاک کے سب سے بڑی اور خوبصورت مسجد دکھائی گئی اور دوپہر کو پر تکلف کھانا کھلایا گیا ۔پھر دوپہر کو ایک حلال اسنیک بنانے والی بہت بڑی فیکٹری کا معائنہ کرایا گیا ۔جس کے مالک بھی مسلمان تھے اور پولٹری اور اُس کی مصنوعات تھائی لینڈ میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے تیار کرتے ہیں ۔اور وہ پاکستان میں بھی ایسی مصنوعات فروخت کرنا چاہتے تھے ۔فیکٹری میں تمام آٹو میٹک پلانٹ لگے تھے جن پر سنیک ،چپس ،پولٹری یعنی مرغیاں اور اُس دیگر مصنوعات کی پروسیسنگ ہائی جینک طریقے سے جاری تھی ۔اُن کے اسنیک اگر چہ تھائی لینڈ کے حساب اور مصالحوں سے بنے ہوئے تھے اور ہماری مرچوں اور ذائقوں سے مختلف تھے ۔مگر پھر بھی ذائقہ دار تھے ۔رات کا کھانا ہوٹل واپسی پر کھلایا گیا یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے پورے تھائی لینڈ میں صبح 07:30 بجے ناشتہ ،دوپہر 12 بجے کھانا اور رات 6 بجے سے 7 بجے تک رات کا کھانا کھانے کا رواج ہے اور پھر 10 بجے تک تمام تھائی ریسٹورنٹ بند ہو جاتے ہیں ۔تھائی باشندے جلد سونے کے عادی ہیں اور صبح بھی جلدی اٹھتے ہیں بہت خوش اخلاق اور سب کو ہاتھ جوڑ کر

خوش آمدید کہتے ہیں۔البتہ پاکستانی، بھارتی، عربی ریسٹورنٹ رات دیر تک اور بعض علاقوں میں جہاں پاکستانی، بھارتی سیاحوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے وہ صبح 3 بجے تک کھلے رہتے ہیں۔آج سے 30 سال پہلے تک ہمارے ایک روپے میں 2 بھات آتے تھے۔جو اُن کی کرنسی کا نام ہے پھر 25 سال قبل ایک کے بدلے ایک ہوا پھر 2 روپے میں ایک بھات 15 سال پہلے ہو گیا تھا۔آج 3 روپے میں صرف ایک بھات ملتا ہے اس سے اندازہ لگایئے۔تھائی لینڈ جو ایک زمانے میں صرف عیاشی کا اڈہ ہوتا تھا آج صنعت کاری میں چین، جاپان اور کوریا سے صنعتی مقابلہ کر رہا ہے اور ہم اپنی ترقی پذیر صنعتوں کو بجلی اور گیس کی بندشوں کا شکار کر کے اور دہشت گردی لاء اینڈ آرڈر اور بھتہ خوری کر کے اپنے روپے کے وقعت ختم کر چکے ہیں۔دوسرے دن ہم نے آٹو میٹک سمندری فوڈ کی فیکٹریوں کا معائنہ کیا کہاں ہم اپنی مچھلی، جھینگے، لابسٹر ایکسپورٹ کرتے تھے اور کہاں اب ہم تھائی لینڈ ، ویت نام سے امپورٹ کر رہے ہیں۔یہاں ہمیں بتایا گیا کہ آج کل حلال فوڈ کی مانگ میں زبردست اضافہ ہو چکا ہے۔دنیا میں 75 سے 80 کروڑ مسلمان آباد ہیں اور 100 بلین ڈالر کی حلال فوڈز کی مانگ بڑھ چکی ہے اسی وجہ سے غیر مسلم ممالک اس کی طرف توجہ دے رہے ہیں الغرض ان 7 دنوں میں 14 فیکٹریوں کا معائنہ کرایا گیا۔آخری دن ہم کو تھائی لینڈ کے مرکزی اسلامی سینٹر میں شیخ الاسلام جناب عزت مآب عزیز بن اسماعیل صاحب سے ملاقات کرائی گئی یہ تھائی لینڈ کی حکومت نے 40 ایکڑ پر مشتمل اس سینٹر کو عطیہ کر کے مسلمان تھائی باشندوں کو خوش کر دیا تھائی لینڈ میں اگرچہ بادشاہت ہے مگر ساتھ ساتھ جمہوری حکومت بھی ہے۔تھائی لینڈ کی کل آبادی ہم سے ایک تہائی یعنی صرف ساڑھے 6 کروڑ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً 14 فیصد یعنی 92 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے جس میں 60 فیصد خواتین اور 40 فیصد مردوں کی تعداد ہے اس اسلامی مرکز کے پاس تمام مسلمان تھائی باشندوں کا مکمل ڈیٹا ہے جو واقعی حیرت انگیز امر ہے۔جس کو یہاں کے والنٹیر تھائی نوجوانوں نے مرتب کیا تھائی لینڈ میں

3650 مساجد ہیں تقریباً 3 لاکھ تھائی مسلمان بنکاک میں آباد ہیں۔تھائی لینڈ کے 77 صوبوں میں سے 39 میں صوبوں میں مساجد ہیں اور زیادہ مسلمان آبادی شمالی تھائی لینڈ میں ہے۔تھائی لینڈ میں مرغی کے گوشت کا کاروبار مسلمانوں کے پاس ہے البتہ بدھ مذہب سرکاری ہے اور مسلمانوں کی اکثریت غربت میں ہے مگر تعصب نہیں برتا جاتا۔یہاں کی ترقی دیکھ کر عش عش کرنے کو دل چاہتا ہے۔سڑکیں، ہسپتال عوام کے فلاح و بہبود کے مراکز جگہ جگہ قائم ہیں۔شاید ہی کسی ملک سے اس ملک میں سیاح سیر و تفریح کے لئے نہیں آتے ہوں۔آخری دن ہم کو پاکستان کے ایمبسڈر جناب سہیل محمود صاحب نے چائے پر بلایا اور پاکستانی سفارت خانہ دکھایا اور کمرشل قونصل جناب سید ظفر علی شاہ نے تفصیل سے تھائی پاکستانی تجارتی جائزہ پیش کیا اور آخر میں بتایا ایک پولٹری فوڈ بنانے والی کمپنی جلد ہی لاہور پاکستان میں اپنا کاروبار شروع کرنا چاہتی ہے جس کے لئے ہمارے ایمبسڈر صاحب کی کوششوں کا دخل ہے یہاں یہ بات بتاتا چلوں یہ دونوں حضرات انتہائی خوش اخلاق اور پاکستان کا درد رکھتے ہیں اور پاکستان تھائی لینڈ کے درمیان مضبوط رشتوں کے خواہاں ہیں۔آخری دن خوشگوار یادوں کے ساتھ ہمارا وفد پاکستان واپس لوٹا تو سب تھائی لینڈ کی ترقی کی قصیدے پڑھ رہے تھے۔

﴿ برین ہیمبرج سے بچاؤ کا علاج ﴾

اس ہفتے میں میں اپنے ایک عزیز سے ملنے کینیڈا آیا ہوا ہوں جو ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔ کینیڈا میں راقم پہلے بھی لکھ چکا ہے کہ تمام شہری خواہ وہ کینیڈین شہریت رکھتے ہوں یا کینیڈا میں امیگرینٹ ہوں حکومت ان کے تمام علاج اور تعلیم مفت فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے خواہ وہ علاج دل کے آپریشن یا کسی بھی طرح کی سرجری کیوں نہ ہو مع ادویات مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ یہاں کے ہسپتال کے نظام کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہسپتال کا عملہ بہت مستعد اور خوش اخلاق ہوتا ہے۔ ہسپتال کی صفائی اور ستھرائی کا کیا کہنا دنیا بھر کی مہنگی سے مہنگی جدید ترین مشینیں موجود ہیں شاید ہم کو ان مشینوں کے حصول میں اور 10 سے 15 سال لگیں گے۔ دل کا آپریشن ہو یا گردوں کا ٹرانسپلانٹس تو اب معمولی بات ہے اب تو جگر کے ٹرانسپلانٹس بھی شروع ہو چکے ہیں۔ جگر کے ٹرانسپلانٹس کے لئے انسان بعد الموت وصیت کرتا ہے تو پھر ہی ممکن ہے اسی طرح یہاں کے باشندے اپنے دیگر انحصار جن میں جگر کے علاوہ گردے بر فہرست ہیں اپنی زندگی میں وقف کر جاتے ہیں اس نیک کام کے لئے بڑے بڑے ہسپتال اس طرف راغب کرنے کے لئے مہم چلا رہے ہیں۔ اس کی افادیت بتاتے ہیں کہ آپ مرنے کے بعد بھی اپنے اعضاء دے کر ایک انسان کی جان بچا سکتے ہیں اور زندگی میں بھی اپنے گردے عطیہ کر کے بھی ایک انسان کو نئی زندگی دے سکتے ہیں۔ امیر لوگ ان ہسپتالوں کو بڑے بڑے چندے دیتے ہیں، ادویات اور سرجیکل آلات بنانے والی کمپنیاں تو بے پناہ ان کی مدد اور اپنی مفت ادویات اور سرجیکل کے آئیٹم دے کر کرتی ہیں اسی وجہ سے حکومت پر کم بوجھ پڑتا ہے۔ بہت سے ہسپتالوں کے کمرے مختلف افراد کے نام منسوب بھی کر دیئے جاتے ہیں جو ایک طرح سے صدقۂ جاریہ ہے اگرچہ یہ ہمارے اسلام کا بنیادی حصہ ہے کہ ہر مسلمان صدقۂ جاریہ کر کے اپنی آخرت سنوار سکتا ہے مگر یہ عیسائی اور یہودی ایک طرف تو نئی نئی ادویات ایجاد کر کے آج

علاج کو آسان ترین بنانے میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح نئی نئی مشینیں ایجاد کر کے ڈاکٹروں کو مریضوں کو سہولت پہنچانے میں اپنا اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہسپتالوں میں عوام کو آگاہ کرنے کے لئے بہت سے پروگرام بھی ترتیب دیئے جاتے ہیں مثلاً سگریٹ نوشی اور شراب کے نقصانات سے آگاہ کرنے کے لئے تو بہت سی این جی اوز اکثر عوامی سیمینار کرتے رہتے ہیں اسی طرح بہت سی بیماریوں سے بھی پیشگی آگاہ کرنے کے لئے بھی یہ ادارے عوام کی توجہ دلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اتفاق سے جب میں ہسپتال میں اپنے مریض کی عیادت کے لئے آیا تو برین ہیمبرج یعنی دماغ کی رگیں پھٹنے سے بچنے کے لئے کیا پیشگی اقدام ضروری ہیں اس پر سیمینار ہو رہا تھا میں نے اس سیمینار میں شرکت کی، چند گھنٹوں میں بہت سی مفید معلومات مجھے حاصل ہوئیں کیونکہ برین ہیمبرج اگرچہ یہ کوئی بیماری نہیں ہے مگر اچانک ایک یا اس سے زیادہ شریانوں کے پھٹ جانے سے انسان کی موت فوراً واقع ہو جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہٹا کٹا انسان دماغی دباؤ کی برداشت کھو بیٹھا ہے اور موت کی آغوش میں جا بیٹھتا ہے۔ اس سیمینار میں اس سے بچنے کے طریقے بتائے گئے اور اس معلومات کو میں حسبِ سابقہ اپنے قارئین کو آگاہ کر رہا ہوں تاکہ میرے ہم وطن بھی اس اچانک آنے والی حادثاتی موت سے بچ سکیں۔

لیکچر دینے والے پروفیسر نے حاضرین کو بتایا کہ دس اشیاء ایسی ہیں جن کے روزمرہ کا استعمال انسانوں کی زندگی نہ صرف صحت مند رکھنے میں مدد دیتی ہیں بلکہ اس کے علاوہ خصوصیت سے برین ہیمبرج کو روکنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہیں گویا اگر ہم اپنی خوراک میں ان دس اشیاء کو لازمی شامل کریں اول ان کے کوئی بھی (سائیڈ ایفیکٹس) نقصانات نہیں ہیں، دوم یہ غذا کے لئے بھی بہت ضروری ہیں اور اس میں کسی بھی مذہب کی رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ تمام کی تمام اشیاء ایک وقت میں استعمال کریں بلکہ اپنی آسانی کو مدِنظر رکھ کر ان کو استعمال میں لائیں۔

پہلی چیز جس پر پروفیسر کی خصوصی توجہ تھی وہ کھانے میں ہلدی کا لازمی استعمال بتایا کہ اپنے کھانے میں اس کو ضرور شامل کریں اُسی پروفیسر نے مختلف بیماریوں کے نام لئے جو بہت مشکل قسم کے تھے اُس سے عوام بھی ناواقف ہیں مگر اس میں بلڈ پریشر کو روکنے میں بہت مدد ملتی ہے۔اُس نے بتایا کہ ایشیائی باشندے تو اپنی غذاؤں میں جب ہلدی، ادرک، لہسن اور دھنیا مرچ پاؤڈر شامل کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے نمک کم ڈلتا ہے جو بلڈ پریشر کو اعتدال میں رکھنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے اس کے استعمال سے تجربات بتاتے ہیں جس سے دماغ ALZHEIMER'S نامی بیماری سے بچ جاتا ہے اور دماغ میں پیدا ہونے والے سفید خونی سیل سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ہلدی کے استعمال سے اگر دماغ میں اسٹروک پیدا ہو جائے تو بھی وہ اس کو زائل کر دیتا ہے۔دوسرے نمبر پر مچھلی کا استعمال جس پر موٹی کھال ہو اور چربی بھی ہو ایسی مچھلی کھانے سے دماغ کی شریانوں کو محفوظ رکھتی ہے اس مچھلی میں اومیگا 3 فیٹی ایسڈ ہوتا ہے جو دل کی دھڑکنوں کو تقویت پہنچاتا ہے لہٰذا موٹی موٹی مچھلیاں جن میں چربی زیادہ ہو مثلاً سالمن سارڈین، میکریل اور ٹراؤٹ وغیرہ وغیرہ پر تجربات کئے گئے اور ان مچھلیوں کے کھانے والوں کو برین ہیمبرج اور دل کی دھڑکنیں معمول میں رہنے کا سبب بنیں لہٰذا ان مچھلیوں کا استعمال بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔تیسرے نمبر پر بڑی ہری شملہ مرچیں جو رنگ برنگی ہوتی ہیں ان میں Vitamin-C ،Vitamin-B6 فولیٹ اور پوٹاشیم وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں اور دماغ کو تر و تازہ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، دماغ ٹھنڈا رہتا ہے اور بہت سی (Inflammations) سے محفوظ رہتا ہے ہر طرح کی غذا میں شامل کر کے برین ہیمبرج اور دیگر دماغی اسٹروکس سے بچا جا سکتا ہے۔چوتھے نمبر پر اسٹابریز، بلیو بیریز، شہتوت کی تمام قسمیں کھانے سے دماغ کو بہت تقویت پہنچتی ہے اور دماغ کی قدرتی صفائی ہوتی ہے اور فاضل مادے خارج ہو جاتے ہیں۔اس پھل میں پولی فینا کل ہوتا ہے اس سے بھی ہم دماغ کی صفائی بہتر

طریقے سے کر سکتے ہیں جس سے دماغ بہتر طریقے سے کام کرتا ہے جس کی وجہ سے دماغ کا نروس سسٹم ختم ہو جاتا ہے اور دماغ مکمل طور پر صحت مند رہتا ہے۔پانچویں نمبر پر (NUTS) یعنی خشک میوہ جات (Dry Fruits) جن میں اخروٹ، بادام، وال نٹ، مونگ پھلی، ہیزل نٹ اور برازیلین نٹ وغیرہ کھانے سے انسانی جسم میں پیدا ہونے والا خراب کولسٹرول پیدا نہیں ہوتا اور اگر یہ خراب کولسٹرول پیدا بھی ہو گیا ہو تو وہ ضائع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے دل پر اٹیک نہیں ہوتا مگر مناسب مقدار میں کھائے جانے چاہئے۔تجربہ بتاتا ہے کہ یہ ذیابیطس کو بھی روکنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے خصوصاً اخروٹ بہت سے دماغی بیماری روکنے میں بہت اہم کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ عمر بڑھانے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔اس میں بے پناہ فائدے ہیں، خواتین کا روزانہ 6 سات دانے کھانے سے 27 فیصد ذیابیٹس روکنے کا عمل پیدا کرتا ہے ساتھ ساتھ Vitamin-E بھی پیدا کرتا ہے۔اومیگا 3 فیٹی ایسڈ بھی پیدا کرتا ہے جو دل، دماغ اور جسم کی غذا بنتا ہے۔چھٹے نمبر پر دالیں جو ہم روزمرہ کھانے میں اگر شامل کریں ایک طرف وہ ہماری بھوک پوری کرتی ہیں، خوش ذائقہ غذا میں سب سے کم چربی کا حامل فائبر پیدا کرتا ہے۔دالوں میں Vitamin-B12 فولیٹ ہوتا ہے جو جسم میں خون کے لیول جو امائنو ایسڈ جس کا نام ہومو سائٹس ہے اس لیول کو بھی کم رکھتا ہے جس سے دماغ کے بہت سے امراض نہیں پیدا ہوتے جو 60 سال کی عمر کے لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ رک جاتے ہیں گویا بڑھاپے میں پیدا ہونے والے دماغی امراض کو روکنے میں بھی مدد ملتی ہے اور خود بھرپور غذا کا کردار ادا کرتی ہے اور گوشت کا بہترین نعم البدل ثابت ہوتی ہیں۔ساتویں نمبر پر لال انگور بھی اعتدال کے ساتھ کھانے سے بہت تازہ ترین خون پیدا ہوتا ہے جو صحت مند بنانے میں نہ صرف دماغ کو بلکہ پورے ہاضمے کے نظام کو بھی بہتر بناتا ہے، دماغ میں بہت سے مادے جم جانے سے بھی روکتا ہے، خون میں بہتر رفتار

برقرار رکھتا ہے۔اس پھل کے کھانے میں فائدے ہی فائدے ہیں مقدار مناسب ہونی چاہئے۔ آٹھویں نمبر پر گندم کی بنی روٹیاں، سلائس جن کو ہم براؤن بریڈ کہتے ہیں کھانے کے لئے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ Vitamin-A & D سے بھرپور ہوتی ہے مکمل ہلکی غذا ہے، ذیابیطس کے مریضوں کے لئے ہی نہیں بلکہ صحت مند لوگوں کے لئے بھی بہت ضروری غذا ہے۔اس کے کھانے سے ہائپرٹینشن اور ہائی بلڈ پریشر میں رکاوٹ ہوتی ہے زود ہضم ہونے کے ساتھ بہت سے وٹامن جس میں Vitamin-E بھی شامل ہے وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔بہترین فائبر کے ساتھ ساتھ خون کا لیول بھی برقرار رکھتی ہے۔نویں نمبر پر ساگ کی مختلف قسمیں ہیں جنہیں سلاد کے پتوں، ساگ کے پتوں کے ساتھ چھوٹے قسم والی ملا کر کھانے سے بلڈ پریشر یا اسٹروکس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے بہت خون پیدا ہوتا ہے صحت کے ساتھ عمر میں اضافہ کرتا ہے، ابال کر بھی کھایا جاسکتا ہے۔دیگر اجناس کو گوشت میں ملا کر پکایا جاسکتا ہے پوٹاشیم کی بھرپور موجودگی دماغی بیماریوں سے دور رکھتی ہے اگر بڑی مچھلی میں ملا کر پکائیں ساتھ میں اخروٹ، پھلوں میں اسٹابریز، انگور، براؤن بریڈ کھا کر کافی پی لیں تو سمجھیں اس بہتر کمبینیشن غذا میں نہیں مل سکتا گویا ایک ہی ڈنر یا لنچ میں آپ نے 6 قسم کی اشیاء کھا کر دماغ کو تروتازہ کر دیا۔آخر میں دسویں نمبر پر پینے کے لئے کافی دن میں 2 سے تین کپ جس میں کیفین، وٹامنز اور منرل ہوتے ہیں روزانہ ضرور پینی چاہئے جن سے بہت سی دماغی بیماریاں جن کے بہت بڑے بڑے نام بتائے اُن سے کافی کی مقدار اعتدال سے دور رکھتی ہے۔2000 افراد پر تجربہ کیا گیا جن لوگوں نے تین ماہ تک کافی پی اور جن لوگوں نے کافی نہیں پی اُن میں دماغی بیماریوں پر حملہ آور ہونے اور بچاؤ میں نمایاں فرق پایا گیا۔مگر شرط کافی کی مقدار زیادہ سے زیادہ دن میں 2 یا تین ہی کپ ہونے چاہئیں۔

قارئین یہ چار گھنٹوں کا لیکچر تھا جو میں نے مختصر کر کے قارئین سے شیئر کیا ہے۔اُمید ہے جو برین ہیمبرج سے آپ کو انشاءاللہ دور رکھے گا، اللہ ہم سب کو برین ہیمبرج سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

پاک بھارت معاہدوں کی افادیت

بھارت کے وزیر خارجہ ایس ایم کرشنا ہماری وزیر خارجہ محترمہ حنا ربانی کھر صاحبہ کی دعوت پر آج کل پاکستان کا دورہ کر رہے ہیں جن میں پاک بھارت معاملات، دہشت گردی کی روک تھام، تجارت اور ویزہ پالیسیوں پر پیش رفت ہوگی۔ یاد رہے یہ دونوں ممالک 14 اور 15 اگست 1947 یعنی 65 برس پہلے آزاد ہوئے تھے اور اس دوران 2 جنگیں اور لاتعداد بار آپس میں سرحدی جھڑپیں ہوتی رہیں اس کی وجہ صرف بنیادی طور پر کشمیر کی آزادی اور سیاچن پر سرحدی تنازعہ بتایا جاتا ہے۔ متعدد باران پر مذاکرات ہر سطح پر ہوتے رہے مگر خفیہ ہاتھوں نے ان دونوں پڑوسی ملکوں کی آپس میں دوستی اور خیر سگالی نہیں ہونے دی۔ ایک مرتبہ نواز شریف دور میں بھارتی وزیر اعظم واہگہ سرحد سے لاہور بس یاترا میں تشریف لائے مگر ان کا استقبال نہیں ہونے دیا گیا اور وہ مایوس لوٹ گئے اور پھر کارگل کا تنازعہ دونوں کو دور لے گیا۔ ایک مرتبہ ہمارے صدر پرویز مشرف گئے اور آگرہ میں آخری لمحات میں جب دونوں بیشتر باتوں پر متفق ہو چکے تھے پھر خفیہ ہاتھوں نے دستخط نہیں ہونے دیئے اور صدر پرویز مشرف اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر صرف پھولوں کی چادریں چڑھا کر ناکام لوٹ آئے پھر وقفہ وقفہ سے پی پی پی کے اس دور میں دوبارہ کوششیں ہوئیں۔ 2 مرکزی اخبارات جنگ اور ٹائم آف انڈیا کی مشترکہ کوششوں سے "امن کی آشا" کی بنیادیں پڑیں۔ دونوں طرف برف پگھلی مگر بہت ہی سست رفتاری سے معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ مگر جس طرح 2 پڑوسیوں میں خوشگوار تعلقات، باہمی تجارت اور آزادانہ آمد و رفت ہونی چاہیے اس طرح ہرگز نہیں ہو سکیں۔ جب بھی پاکستان میں کوئی دہشت گردی ہوتی ہے تو اس کا الزام راء پر لگا دیا جاتا ہے اور اگر بھارت میں کوئی دہشت گردی ہو تو آئی ایس آئی پر الزام لگا دیا جاتا ہے حالانکہ آج دن تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ کبھی ممبئی تاج ہوٹل کا حادثہ ہوا تو بھارت روٹھ گیا اور آج بھی اجمل قصاب کا

رونا رو کر وہ پاکستان پر دہشت گردی کا طعنہ دیتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ اس کے بعد پاکستان میں لاہور کے شہر میں دن دہاڑے سری لنکا کے کھلاڑیوں کی بس پر کس طرح دہشت گردی کی گئی۔ خدا نے اس ٹیم کو ہمارے ڈرائیور کی حاضر دماغی کی وجہ سے سنگین صورتحال سے نکال دیا پھر بھی آج ہماری سرزمین پر کوئی کرکٹ ٹیم دورہ نہیں کرتی جبکہ دیگر کھیلوں کے مقابلوں میں ٹیمیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ البتہ ہماری کرکٹ ٹیم بیرون ممالک جا کر ہی اپنے جوہر دکھاتی ہے۔ پاکستانی عوام دنیا کی واحد عوام ہے جو کرکٹ کا کھیل اپنی آنکھوں سے اپنے میدانوں میں نہیں دیکھ سکتی اور ہر طرح کی پابندیاں بھی اس کی ٹیم کے مقدر میں بھارت کی ہٹ دھرمی سے لگتی رہی ہیں اور حالیہ پابندی بھی ہمارے سپر اسٹار کرکٹر سعید اجمل کا نام بھی آئی سی سی کی ایلیٹ لسٹ سے نکالنا بھی بھارت کی خفیہ کاروائی لگتی ہے اور یہ بھارت کی دوغلی پالیسیوں کا حصہ ہے جو ماضی میں کھل کر تو نہیں مگر درپردہ ہوتی رہی ہیں۔

اب میں سب سے پہلے جو ویزہ پالیسیوں کا معاہدہ جس پر دستخط ہوتے ہیں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ جسکی وجہ سے پاکستان اور بھارت کے غریب عوام کو مشکلات درپیش آتی ہیں۔ سب سے مشکل تو حصول ویزہ ہے بغیر وجہ بتائے مسترد کرنے پر کوئی اپیل بھی نہیں کی جا سکتی۔ پھر زمینی راستے سفر بہت وقت طلب، بسوں اور ٹرینوں کو سیل کر کے بھارت لایا اور لے جایا جاتا ہے اور وہ بھی امرتسر سے دلی تک اور دلی سے امرتسر تک راستے میں نہ کوئی اتر سکتا ہے اور نہ کوئی چڑھ سکتا ہے۔ دوسری بڑی تکلیف رپورٹنگ ویزہ ہوتا ہے۔ اگر آپ 4 شہروں میں جا رہے ہیں تو آپ کو 4 مرتبہ آنے پر اور 4 مرتبہ واپس جانے پر پولیس اسٹیشن جا کر اندراج کرانا پڑتا ہے۔ ہماری پولیس کی طرح بھارت کی پولیس بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر طرح طرح کے بہانے سے پیسے وصول کرتی ہے جو اضافی اخراجات اور وقت کا ضیاع ہوتا ہے جسے سب سے پہلے ختم ہونا چاہیے۔ یہ بہت

ہی مشکل اور وقت طلب،فضول طریقہ کار ہے جو کسی بھی ملک میں رائج نہیں ہے۔دوسرا مسئلہ پہلے کراچی،لاہور اور اسلام آباد میں بھارتی دفاتر تھے جن میں مقامی لوگ پہنچ کر ویزہ لے لیتے تھا اسی طرح بھارت میں ممبئی،کولکتہ اور دلی میں پاکستانی سفارت خانے تھے مگر اب پھر اسلام آباد اور دلی سے ویزے دیئے جاتے ہیں جو عوام کیلئے تکالیف کا باعث ہے۔لہٰذا اب جب دونوں ممالک میں دوستی کو فروغ دیا جا رہا ہے تو زیادہ سے زیادہ دفاتر کھول کر عوام کی دیرینہ خواہش کا احترام کیا جائے۔ بھارت سے پاکستان کوئی ہوائی جہاز سروس نہیں ہے اور پاکستان سے بھارت صرف پی آئی اے پہلے لاہور اور کراچی سے 8 فلائٹس چلاتی تھی جواب کم ہو کر صرف 3 فلائٹس رہ گئی ہیں اس کی وجہ بھی ویزوں کا اجراء کم سے کم ہوتا جا رہا ہے لہٰذا زیادہ سے زیادہ ویزے دینے سے دونوں ایئر لائنز بحال ہو سکتی ہیں اور عوام کیلئے دنوں کا سفر گھنٹوں میں ہو سکتا ہے۔اگر ہو سکے تو پہلے کی طرح کراچی سے ممبئی تک پانی کے جہاز چلانے سے بھی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور دونوں ممالک میں سیاحت کو فروغ حاصل ہوگا۔

پاک بھارت میں بہت تجارتی معاہدے ہوتے رہے ہیں مگر ان کا حجم صرف بھارتی تاجروں کو فائدہ پہنچا رہا ہے یعنی پاکستان سے برآمدات صرف 10 فیصد اور بھارت سے درآمدات 90 فیصد ہوتی ہیں۔دبئی اور خلیجی ممالک سے الگ بھارت سے مال درآمد ہوتا ہے جو اشیاء ممنوع ہیں ان اشیاء سے پابندی ہٹائی جائے تو دونوں ممالک کے صنعت کار اور تاجر اضافی کرایہ اور وقت کے ضیاع سے بچ جائیں گے۔اس طرح ڈیوٹیاں 20 فیصد سے کم کر کے فوری طور پر 5 فیصد کرنا بہتر ہے بہ نسبت 3 سال کا وقت ضائع کر کے کم کریں۔

بھارت میں تعلیمی معیار اور ہسپتالوں کی سہولتیں پاکستان سے بہتر ہیں تو اس طرف بھی توجہ دینا ضروری ہے۔ہمارے نوجوان یورپ،امریکہ پڑھنے جاتے ہیں ایک تو بہت مہنگے اور پھر بہت دور اپنے گھر

والوں سے رہنے پر مجبور ہیں۔اگر یہی تعلیم بھارت میں مہیا کر دی جائے اور تعلیمی ویزے جاری کیے جائیں تو بھارت کو زرمبادلہ اور پاکستانیوں کو نزدیک اچھی تعلیم میسر آجائے گی۔بھارت نے حال ہی میں بھوٹان سے سستی بجلی کی فراہمی کا معاہدہ کیا ہے اگر وہ پاکستان سے بھی ایسا معاہدہ کرے تو دونوں ممالک اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ایک اور مسئلہ بھارت اور پاکستان کے سمندروں میں بچارے ماہی گیر اکثر راستہ بھٹک کر ایک دوسرے کے علاقوں میں چلے جاتے ہیں پھر ان کی رہائی پر برسوں لگ جاتے ہیں۔دیگر معاہدوں کی طرح سمندری معاہدہ بھی ہونا چاہیے۔اگر یہ غریب ماہی گیر راستہ بھٹک جائیں تو ان کو اسی طرح واپس کر دینا چاہیے۔البتہ اگر وہ حصول آبی مچھلیوں کی غرض سے آئیں تو ان کا سامان ضبط کر کے اور واپس بھیج دینے سے کم از کم وہ اذیت سے بچیں گے اور یہ غیر ارادی ہونا چاہیے۔ کیونکہ سمندروں کی سرحد کی کوئی باڑیں نہیں ہوتیں اور پھر سمندری طوفان بھی کشتیوں کو بہا کر لے جاتا ہے۔بھارت نے اپنے ملک میں پاکستانی میڈیا اور اخبارات پر پابندی لگائی ہوئی ہے جبکہ پاکستان نے کوئی ایسی پابندی نہیں لگائی ہے۔بھارت کو چاہیے کہ وہ یہ پابندیاں ختم کرے تاکہ عوام پاکستانی اخبارات اور چینلز سے مستفید ہو سکیں نیز پاکستانی موبائل سم بھارت میں کام نہیں کرتی اور بھارت کی پاکستان میں کام نہیں کرتی اگر ان کو بھی انٹرنیشنل کالز کی طرح کھول دیا جائے تو اس سے رابطوں میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔اگر نیک نیتی سے پاک بھارت معاہدے کیے جائیں تو دونوں طرف سے زائرین اور سیاح لاکھوں کی تعداد سے آجا سکیں گے اور پھر دشمنی کی فضا بھی ختم ہوگی۔

﴾ ہوائی جزیروں کی سیر ﴿

پورے ملک میں امریکی فلم کے خلاف احتجاج پوری شدت سے پھیل چکا تھا اور اب اس کی آڑ میں املاک جلائی جا رہی تھیں۔ امریکن سفارت خانے کو بچانے کے لئے کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں پولیس کی نفری لگا دی گئی تھی پھر بھی عوام کا ردعمل شدت اختیار کر چکا تھا۔ تمام رکاوٹیں توڑ کر ہجوم ان کی عمارتوں میں داخل ہو چکا تھا ایسے میں پولیس نے آنسو گیس اور گولیوں سے ان کو روکنے کی کوشش کی پھر بھی بے قابو ہجوم کو نہیں روک سکے۔ 20 پچیس افراد بھی مارے گئے، کراچی میں تو نقشہ ہی بگڑا ہوا تھا۔ موقع پرستوں نے تو لوٹ مار بھی شروع کر دی۔ کراچی پر آج کل موت کے سائے ہر طرف سے چھائے ہوئے ہیں۔ یہ خبریں دیار غیر میں مقیم پاکستانیوں پر بجلی بن کر گر رہی ہیں۔ ہر شخص وہاں اپنے دوستوں، رشتہ داروں کی طرف سے فکرمند ہے قوم پر وحشت طاری ہے۔ پوری دنیا میں اس فلم کے خلاف بھرپور احتجاج کیا گیا مگر وہ سب پرامن تھا نہ وہاں بسیں جلائیں گئیں، نہ املاک کو نقصان پہنچا، نہ ہی دوکانیں، تجارتی مراکز اور بینک لوٹے گئے۔ ایک دن میں ان مسلم ممالک میں احتجاج ہوا بھی اور ختم بھی ہو گیا۔ مگر ہم نہ جانے کیوں اپنی اور غیر کی تمیز بھول چکے ہیں شاید ہمارے رہبر ہی اب ناپید ہو چکے ہیں۔ جس کی جو مرضی ہوتی ہے وہ کر گزرتا ہے نہ سیاسی سوجھ بوجھ باقی ہے اور نہ اسلامی شعار کا ادراک ہے۔ قوم اب ہجوم میں تبدیل ہو چکی ہے اور ہجوم جس طرف بھی نکل جائے وہاں تباہی اور بربادی کا سماں دیکھنے میں آتا ہے جو گذشتہ کئی سالوں سے اب بڑھ کر بگڑے معاشرے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ حلال اور حرام کی تمیز اب ختم ہوتی جا رہی ہے، سمجھ میں نہیں آتا یہی لاکھوں پاکستانی دیار غیر میں کیوں امن سے رہ رہے ہیں۔ اس ملک کے اچھے شہریوں میں شمار ہوتے ہیں ہر میدان میں اس ملک کو اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچا رہے ہیں اور اپنے ملک سے سچی محبت کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔ میرے ایک دوست جو امریکہ میں رہتے ہیں ان کو ڈاکٹروں نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ وہ پاکستانی چینلز اور

اخبارات سے دور رہیں۔ان کا بلڈ پریشر سے دل و دماغ بہت متاثر ہو چکا ہے جب ان کو بہت زیادہ گھبراہٹ طاری ہوتی ہے تو وہ مجھے فون کر کے اپنے اندر کی گرمی اتارتے ہیں اور کبھی کبھی مجھے دعوت دیتے ہیں کہ میں چند دن یا ایک آدھ ہفتہ امریکہ میں ان کے ساتھ گزاروں ۔ایسے میں انہوں نے مجھے امریکہ کے شہر ہوائی (Hawai) جو کبھی جاپان کے قبضے میں نہیں رہا، جاپان سے دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کو ملی تھی گھومنے کی دعوت دی۔ میں بھی یہاں کے حالات سے پریشان تھا، چنانچہ اپنی اہلیہ کے ساتھ ہونولولو جو ہوائی (Hawai) کا سب سے بڑا جزیرہ تھا 19 گھنٹے کی ہوائی جہاز کی مسافت سے پہنچا اور ان کے ساتھ ایک ہفتہ گزارا۔اس میں 6 بڑے جزیرے تھے ایک ایک کر کے دیکھے اور موسموں سے بہت لطف اندوز ہوئے، کھلے صاف ستھرے سمندروں پر اچھے اچھے ہوٹلز اور ہر طرح کے ریسٹورینٹس میں کھانے کھائے ۔ یہاں کی ترقی بھی قابل تعریف تھی ایک جزیرہ پر گئے اس میں 90فیصد بجلی پن چکیوں اور دھوپ کے سولرز سے پیدا کی جارہی تھی جس سے ان کی صنعتی ضرورت بھی پوری کی جارہی ہے۔ساتھ ساتھ زمینی فصلیں جن میں گنا، ناریل اور پپیہ سرفہرست ہے ۔اسی مصنوعی بجلی سے فائدہ اٹھا کر زرعی ترقی کے راستے کھولے ہوئے ہیں۔ہم آج تک اس طرف توجہ بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں خود اپنے ملک کا کوئلہ ہم آج تک نہیں نکال سکے ۔اس دوران ہم ایک جزیرے پر گئے وہاں سے 2 گھنٹے کی ہیلی کاپٹر کی فلائٹ لی، اس جزیرے کا نام ماوئی (Maui) ہے۔اس جزیرے میں ڈیڑھ 2 سو سال سے زمین سے لاوا نکلتا رہتا ہے اور جہاز سے آپ خود آج بھی لاوا نکلتا دیکھ سکتے ہیں۔آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل صاف نظر آتے ہیں تو اس جزیرے کے چند منٹ کے فاصلے پر سمندر ہے اس کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کا سلسلہ جڑا ہوا ہے۔اللہ کی قدرت ان سرسبز پہاڑوں سے قطار در قطار میٹھے پانی کے چشمے پھوٹے ہوئے ہیں جو سمندر میں گر کر عجیب منظر پیش کرتے ہیں۔ان پہاڑوں کی وادی میں یہی ہیلی کاپٹر چکر لگا کر اس قدرتی مناظر کو دکھاتا ہے۔اگر کوئی ہوائی

جائے اور اس ہیلی کاپٹر کے 2 گھنٹوں کی سواری نہ کرے تو سمجھیں اس نے کچھ نہیں دیکھا۔مزے کی بات یہ ہے کہ اس لاوے کے ساتھ ساتھ گاؤں بھی آباد ہیں جو لاوے کی زد میں بھی آتے رہتے ہیں مگر یہاں کے رہنے والے اس جزیرے سے اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ وہ اس کو چھوڑنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔شام کو جب سورج غروب ہوتا ہے تو لگتا ہے کہ سمندر میں ایک سونے کا تھال اندر جارہا ہے اور سمندر کی سطح سرخی سے مخمور ہو جاتی ہے۔عوام اس سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر اس کا نظارہ کرتے ہیں اس طرح جب صبح سورج طلوع ہوتا ہے، پھر ایسا ہی نظارہ دوبارہ دیکھنے میں آتا ہے۔ان جزیروں کو دور دور سے لوگ دیکھنے آتے ہیں جن میں جاپانی سیاح سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔اس کا نام "پرل ہاربر" ہے جو اب امریکہ کا حصہ مانا جاتا ہے۔یہاں جاپانی، امریکن مکس نسل پیدا ہو چکی ہے۔مگر ان کی ناکیں ویسی ہی چپٹی چپٹی ہیں اور آنکھیں بھی جاپانیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی ہیں۔مگر وہ اب جاپانی طرز سے ملتی انگریزی بولتے ہیں ایک ہفتہ معلوم ہی نہیں ہوا۔سوچا ایک ہفتہ کینیڈا میں بھی گزارا جائے، کم از کم امن سے تو گزر جائیگا۔واپس پھر اپنے ہی ملک جانا ہے جیسا بھی ہے آخری پناہ گاہ بھی تو ہے۔اس کو چھوڑ کر کہاں جائینگے۔

﴿ یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟ ﴾

تمام اخبارات رسائل میں ایک صفحہ ہمیشہ میری نظر سے گزرتا تھا جس کا عنوان ہوتا ہے کہ " یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟ " میں نے تمام عمر اس صفحہ کو دیکھا ضرور تھا مگر کبھی بھی پورا نہیں پڑھا تھا۔ پچھلے دنوں ایک پیر صاحب جن کا تعلق بنگلہ دیش سے ہے جو اپنی پیشینگوئی کی وجہ سے کافی مشہور ہیں جس میں محترمہ بے نظیر بھٹو کو وزیرِ اعظم بننے کی پیشینگوئی کی تھی۔ اچانک کسی نے ان کو قتل کر دیا اور آج تک اس قاتل کا پتہ نہیں چل سکا۔ مجھے یہ خبر پڑھ کر بڑا تعجب ہوا کہ دنیا بھر کو پیشینگوئی کرنے والے بے چارے کو خود اپنے مستقبل کا انجام معلوم نہیں۔ بہر حال بطورِ مطالعہ میں نے کئی ماہ سے مختلف اخبارات اور رسالوں کی مدد سے جس میں آنے والے مستقبل کے متعلق پیشینگوئیاں، خطرات، خوشیاں وغیرہ درج ہوتی تھیں پڑھ کر جمع کیں اور تجربہ کیا تو بڑے عجیب انکشافات ہوئے۔

میں یہ سوچتا تھا کہ یہ صفحہ کون پڑھتا ہوگا مگر جب میں نے اپنے دوستوں سے معلومات جمع کیں تو معلوم ہوا کہ ہماری خواتین اس میں مردوں کے مقابلے میں بہت آگے ہیں۔ اکثر تو اخبارات اور رسالوں کے دیگر مضامین حتیٰ کہ خبریں بھی بعد میں پڑھتی ہیں۔ پہلے وہ اس صفحہ کو تلاش کر کے نہ صرف پڑھتی ہیں بلکہ اپنے ایک ایک بچے اور خود اپنے اور شوہر کے بارے میں پڑھ کر اس پر عمل درآمد بھی کرواتی ہیں مثلاً ایک دوست نے بتایا کہ میرے ستارے کے بارے میں اس ہفتے کے اخبار میں لکھا تھا کہ اس ہفتے سفر نہ کریں ورنہ زبردست نقصانات کا اندیشہ ہے جبکہ وہ ایک کاروبار کے سلسلے میں باہر جانے کی تمام تیاری مکمل کر چکے تھے۔ عین وقت پر بیوی صاحبہ نے آ کر حکم دیا تم نے پڑھا کہ یہ ہفتہ سفر کے لئے منحوس ہے لہٰذا بھول جاؤ سفر کو۔ شوہر چونکہ بیگم سے ڈرتے بھی ہیں حکم نہیں ٹالا۔ عین وقت پر فلائیٹ منسوخ (Cancel) کروائی تو ائر لائن والوں نے 50 فیصد کینسل کی فیس چارج کر لی۔ پہلا یہ نقصان ہوا۔ پھر ایک ہفتے بعد اس پارٹی کو فون کیا تو اس نے بتایا چونکہ آپ وقت پر تشریف نہ لائے لہٰذا

یہ ٹینڈر دوسری پارٹی کو دے دیا جس کی وجہ سے یہ کاروبار بھی گیا اور لاکھوں کا نقصان الگ ہوا اور یہ مال جو وہ فروخت کرنا چاہتے تھے ان کے پاس تیار رکھا ہوا تھا جس کی وجہ سے رقم الگ پھنس گئی۔ انہوں نے بیگم کو لاکھ دلائل دیئے کہ بیگم اگر ہم سفر کر لیتے تو ہم نقصانات سے بچ جاتے۔ ہمارا کینسلیشن (Cancellation) چارج نہ جاتا ہمیں ٹینڈر مل جاتا اور مال بھی فروخت ہو جاتا گویا نہ جانا نقصان کا باعث بنا۔ یقیناً یہ ہمارے کسی دشمن کی چال ہوگی جو اس نے اخبارات کے صفحہ " یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟ " کالم میں چھپوا کر ہمیں رکوا دیا مگر ان کی بیگم ان تمام دلائل سے مطمئن نہیں ہیں۔ کہتی ہیں کہ ہو سکتا ہے تمہاری جان کو خطرہ ہو جاتا۔ ہم نے پھر کہا کہ جس فلائیٹ پر ہم جا رہے تھے وہ صحیح ٹائم سے گئی اور جس فلائیٹ سے ہماری واپسی تھی وہ بھی اپنے شیڈول کے مطابق آ گئی۔ جس شہر میں ہمیں جانا تھا وہاں ایسا کوئی بڑا حادثہ بھی نہیں ہوا مگر بیگم پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوئیں اور آج نہ صرف " یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟ " کا کالم پڑھنے کا سلسلہ جاری ہے بلکہ اس پر عمل درآمد بھی اسی طرح ہو رہا ہے۔

اسی طرح پچھلے ہفتے ہمارے ایک دوست دفتر میں تشریف لائے ہم نے ان سے بھی پوچھا کہ بتاؤ تمہارا ستارہ کونسا ہے انہوں نے اپنا ستارہ تو نہیں بتایا تاریخِ پیدائش بتا دی کیونکہ ان کو بھی اس سے کوئی لگاؤ نظر نہیں آتا تھا۔ ہم نے جھٹ اخبار سے ان کی پیدائش کے مطابق ستارہ تلاش کر کے بتایا کہ اس ہفتے آپ کوئی نیا کاروبار نہ کریں اور کوئی نیا دوست بھی نہ بنائیں کیونکہ دوست آپ کو دھوکہ دے گا اور نئے کاروبار کے لئے یہ ہفتہ مناسب نہیں ہے۔ یہ آپ کے ستارے بتا رہے ہیں وہ یہ سن کر پریشان ہو گئے کہنے لگے ابھی تین دن پہلے ہی ایک صاحب نے مجھے ایک نئے دوست سے ملوایا اور میں نے ان ہی نئے دوست کی معرفت چینی کا بہت بڑا سودا بھی کر لیا ہے۔ اب کیا کروں وہ دوست پنجاب چلا گیا ہے میں اسے کہاں تلاش کروں میں نے کہا بھائی اب صبر کرو اور نقصانات اور دھوکہ دہی کا انتظار کرو۔ خیر جب ہفتہ گزر گیا تو ہم نے ڈرتے ڈرتے فون ملایا تو پہلی ہی گھنٹی پر ان صاحب نے فون اٹھایا اور چونکہ

CLI سے نمبر آ گیا تھا بغیر تمہید کے وہ کہنے لگے میں بھی تمہیں صبح ہی صبح فون کرنے والا تھا۔ ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ وہی ہوا ہوگا جوان کے ستارے کے بارے میں لکھا تھا۔ مگر ہمیں بڑا تعجب ہوا جب انہوں نے بتایا کہ اس نئے دوست نے چینی کے نرخوں میں زبردست اضافے کے باوجود اپنے وعدے کے مطابق پورا مال وقت سے ایک دن پہلے ہی دے دیا۔ جس سے لاکھوں روپوں کا تو فوری فائدہ ہوگیا اور بازار میں زبردست تیزی آئی۔ مال کی زبردست ڈیمانڈ بھی ہے ساتھ ہی انہوں نے شکایتاً کہا کہ اگر میں تمہارے مشورہ پر عمل کر لیتا اور سودا کینسل کر دیتا تو تم میرے پرانے دوست ہو مجھے کتنا نقصان ہوتا جو بیعانہ دیا تھا وہ بھی جاتا اور تمہاری دوستی بھی جاتی۔ لہٰذا آپ ان ستاروں پر لکھے ہوئے حالات نہ بتایا کریں کیونکہ اگر کسی کو فائدہ ہوگیا وہ تو آپ کو کچھ نہیں دے گا البتہ اگر اس کو نقصان ہوگیا تو وہ آپ کے گلے پڑ جائے گا۔ مگر میں نے بھی آخری بار ایک اور دوست کو فون کیا یہ سمجھ کر کہ دونوں مرتبہ ہو سکتا ہے اتفاقاً الٹے ستارے ہو گئے ہوں دوست گھر پر نہیں تھا اس کی بیگم سے پوچھا بھابھی کیا حال چال ہیں بڑے دکھی لہجے میں بولیں بھائی ہم تو وقت کے ہاتھوں لٹ گئے ہوا یہ کہ پچھلے اتوار کو ہم بڑے خوش تھے کہ میاں اخبار اٹھا لائے اور "یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟" کا کالم خود بھی پڑھا اور مجھے بھی پڑھوایا جس میں ہم دونوں کے ستارے چونکہ ایک ہیں لکھا تھا انعامی اسکیم میں زبردست کامیابی کا امکان ہے اور موافق ہندسہ 4 ہے۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جو رقم محفوظ کر رکھی تھی 4 نمبر گھوڑے پر لگا آئے وہ گھوڑا ہار گیا راستے میں گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اب ہسپتال میں پڑے ہیں اور آپریشن بھی ہوا ہے۔ ہڈی ٹوٹ گئی تھی اب ہسپتال کے بل کے لئے زیور بیچنے پڑیں گے۔ ہم نے کہا اچھا ہمیں معلوم نہیں تھا شام ہسپتال آ کر عیادت کرونگا۔ یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور پھر سوچنے لگا واقعی ستارے پیدائش پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور یہ لکھے ہوئے اشارے کہیں تک بندی تو نہیں ہوتی جو کسی کی پوری ہو جاتی ہو اور کسی کے ساتھ مذاق ہوتا ہو۔

پھر میں نے اپنی ہی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کا مشاہدہ کیا تو معلوم ہوا کہ ستارے اور پیدائش کا اسلام میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ محض تک بندی ہوتی ہے ایک ستارے میں پیدا ہونے والا غریب بھی ہوتا ہے اور اسی تاریخ کو پیدا ہونے والا امیر بھی ہو سکتا ہے اور ایک دن پیدا ہونے والا مختلف ذہن رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح کہ اتفاق سے ہم بھائی جڑواں ہیں ہمارے شعبے الگ الگ ہیں ہماری سوچیں کافی مختلف ہیں اور ہماری شکلیں بھی جدا ہیں تو بھلا چند لمحوں کے فرق سے ہمارے درمیان اتنا بڑا فرق ہو سکتا ہے تو 24 گھنٹوں میں نہ جانے کتنے بڑے فرق پڑ سکتے ہیں۔ مجھے یاد آیا کہ ایک مرتبہ میں ہانگ کانگ میں تھا میرے ایک چینی دوست نے یونہی باتوں میں بتایا کہ یہاں سے دور ایک پہاڑی پر ایک چینی بوڑھا فال کے ذریعے پیشنگوئیاں کرتا ہے اور اس کے اردگرد جھمگھٹا رہتا ہے اس کے اصرار پر چلا گیا اس نے دو سکے مجھے دیئے کہ اس کو تین مرتبہ ایک کاغذ پر کچھ چینی حروف لکھے تھے گراؤ میں نے تین دفعہ وہ سکے الگ الگ طریقے سے گرائے اس کے بعد اس نے کہا کہ سوالات کرو۔ مجھے چینی زبان نہیں آتی تھی اس بوڑھے کو انگریزی نہیں آتی تھی۔ ہمارے دوست نے ترجمانی کے فرائض انجام دیئے کچھ باتیں اس نے ماضی کی صحیح بھی بتائیں مجھے شرارت سوجھی میں نے آخری سوال یہ کیا کہ میں کب تک سفر پر جا سکتا ہوں اس نے حساب لگا کر بتایا میرے ستارے بتاتے ہیں کہ ایک سال تک کوئی سفر نہیں ہے میرا دوست جواب سن کر ٹپٹا گیا اس نے دوبارہ چینی زبان میں اس سے یہی سوال دوہرایا اس نے پھر حساب لگا کر وہی جواب دیا کہ ایک سال تک اپنے دوست کو بتا دو کوئی سفر نہیں ہے۔ اس دوست نے بڑی ہچکچاہٹ کے بعد مجھے جواب دیا کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم ایک سال تک سفر نہیں کر سکتے جبکہ خود میرے علم میں تھا کہ میں دو روز قبل ہی پاکستان سے آیا تھا اور اگلی صبح جاپان کا ٹکٹ اسی دوست نے کنفرم کروا کر دیا تھا اور دوسرے دن اسی پرواز سے میں جاپان چلا گیا۔ ائرپورٹ پر وہی دوست مجھے چھوڑنے بھی آیا تھا اور کافی شرمندہ بھی تھا کیونکہ چینیوں کا اس ستاروں کے علم پر

بہت بھروسہ ہوتا ہے یا یوں سمجھئے وہ ستاروں کے بغیر کوئی بھی نیا کاروبار، نوکری بڑے بڑے سودے کرنے سے پہلے ستاروں کی گردش کا احوال ضرور نکلواتے ہیں چھپ چھپ میں پرانے حکیم اور جوتشی چینی سلطنت کالازمی حصہ ہیں۔

چلتے چلتے ایک آخری بات اور بتادوں میں نے جب مختلف اخبارات سے یہ صفحات جمع کئے تو ایک اخبار میں لکھا تھا کہ فلاں ستارے کی رو سے سفر منع تھا جبکہ دوسرے اخبار کا کالم اس سے بالکل مختلف رائے دے رہا تھا۔یعنی اس میں واضح لکھا تھا کہ اس ہفتے سفر نیک شگون ہے کسی کسی کی رائے مشترک بھی پائی گئی۔سب سے مشترک (Common) بات جو میں نے محسوس کی وہ لفظ اندیشہ کا استعمال زیادہ ہے وہ تو وہی بات ہوئی۔پرانے زمانے میں پیدائش سے قبل بادشاہ بڑے بڑے جوتشی بلواتے تھے اور ان سے آنے والے کا مستقبل اور لڑکا ہوگا یا لڑکی اس بارے میں بادشاہ سلامت کو لڑکے کی خوشخبری اور ملکہ عالیہ کو علیحدگی میں لڑکی کا اندیشہ سنا کر رخصت ہوتے تھے۔اگر لڑکا نہیں پیدا ہوتا تھا تو وہ ملکہ عالیہ کو گواہ کے طور پر پیش کردیتے تھے کہ آپ کے خوف سے ہم نے ملکہ کو آگاہ کردیا تھا اور اگر لڑکا ہوتا تو بادشاہ اس جوتشی کو بچ ایڈوانس جاننے پر انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔اب اللہ ہی جانے کون بشر ہے اور ہمارے ہفتے کیسے گزریں گے۔یہ میں قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

ایک دن فیصل آباد میں

پاکستان میں بیوروکریسی اور پولیس کا نام سنتے ہی عوام کانوں کو ہاتھ لگاتی ہے خاص طور پر جب خود حکومت پر اربوں روپے کی کرپشن کے الزامات ہی نہیں ثبوت بھی سامنے آچکے ہوں، چیف جسٹس اور ان کے ججز اتنے کیس سن چکے ہیں اور کئی کیسز میں تو وزراء بھی جیل جاچکے ہیں اور اربوں روپے کی وصولیابی بھی کروائی گئی ہو تو پھر نچلے درجے کے ایماندار افسران تو اب شاید شاذ و نادر ہی ملیں گے مگر ایسا نہیں ہے۔مجھے اکثر کراچی میں اور پاکستان کے دیگر شہروں میں نہایت ایماندار، پڑھے لکھے، مہذب پولیس افسران اور سول بیوروکریسی سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ایماندار افسران اگرچہ آٹے میں نمک کے برابر ہوتے جارہے ہیں مگر پھر بھی ان کا دم غنیمت ہے اور ایسے حکمران انتہائی نڈر اور بے فکری کی زندگی گذارتے ہیں انہیں کسی کا کوئی ڈر خوف نہیں ہوتا۔ایسے ہی ایک پڑھے لکھے سرکاری افسر سے ملاقات ہوئی ان کا تعلق فیصل آباد سے ہے اور وہ گذشتہ ایک سال سے وہاں ڈی سی او لگے ہوئے ہیں ان کا نام نسیم صادق ہے۔انہوں نے اس ایک سال میں فیصل آباد کا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجھے اتفاق سے ڈیڑھ سال قبل کام کے سلسلے میں فیصل آباد جانا پڑ گیا ایک رات ٹھہرنے کا بھی پروگرام تھا مگر وہاں پہنچ کر افسوس ہوا کہ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی تھیں جگہ جگہ کچرے کا ڈھیر، ٹریفک بری طرح پھنسی ہوئی اور جگہ جگہ بے ہنگم ٹھیلے، اسکوٹر اور گاڑیوں کی راستوں میں پارکنگ اکثر رش کی وجہ سے عوام سڑکوں پر پیدل چل رہی تھی دھول اور مٹی سے اٹے ہوئے بازار دیکھ کر رات رکنے کے بجائے رات کی فلائٹ سے واپسی کو غنیمت جانا اور رات رکے بغیر دوست سے معذرت کرکے کراچی لوٹ آیا۔مگر اس مرتبہ جب فیصل آباد میں داخل ہوئے تو لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی شہر ہے جسے صرف ڈیڑھ سال قبل دیکھ کر واپس جانے کو دل چاہ رہا تھا مگر اب سڑکیں صاف ستھری جہاں پہلے ہم گھنٹہ بھر میں پہنچے تھے اس مرتبہ وہاں صرف 10 منٹ میں بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچ گئے۔ہر

طرف صفائی ستھرائی صاف فرق بتا رہی تھی یہ میرے دوست جس سے میں پچھلی مرتبہ ملنے گیا تھا بتایا جب سے ڈی سی او صاحب نے چارج سنبھالا دن رات لگا کر کچھ حکومت کے بجٹ سے اور کچھ شہر کے مخیّر تاجر اور صنعتکاروں کی طرف سے مل ملا کر اس شہر کا نقشہ بدل ڈالا۔ میرے ادارے نے بھی دیگر اداروں کی طرح کچھ باغات، راؤنڈ اباؤٹ کو لے کر اس شہر کی صفائی ستھرائی میں اپنا حصہ اور کردار ادا کیا اور ایک بہت بڑا پارک جو بنجر پڑا تھا کو لے کر دوبارہ پبلک کے استعمال کے قابل بنایا اور ڈی سی او صاحب کی دعوت پر اس باغ کا افتتاح وزیرِ اعلیٰ پنجاب سے کروایا اور مکمل ہونے پر مجھ سے تختی کشائی کروائی۔ یہ پارک خود ڈی سی او صاحب نے چند ہی ماہ میں ہمارے تعاون سے دن رات کھڑے ہو کر جہاں دیگر پارک اور سڑکیں، پل وغیرہ بنوا رہے تھے اس کو بھی تکمیل کر کے شہر کے عوام، بچوں اور عورتوں کی تفریح کا بندوبست کر کے عوام کے دل جیت لیئے۔ موصوف کے متعلق معلوم ہوا وہ صبح سے لیکر پچھلے رات 3 بجے تک سرکاری کاموں میں مصروف رہتے ہیں تمام عملہ کو بھی رات گئے تک کام کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ جب افسر عوام کی خدمت میں مصروف ہو تو اس کے ماتحت یقیناً بدعنوان حرام خور نہیں ہو سکتے، نہایت ایماندار افسروں میں ان کا شمار ہوتا ہے جس کا اعتراف وزیرِ اعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف صاحب کئی مواقعوں پر اظہارِ خیال کر چکے ہیں میں نے بھی ان کے ساتھ چند گھنٹے ساتھ رہ کر محسوس کیا کہ اتنے پارک، سڑکیں اور پل صرف ایک سال کی مدت میں تکمیل نہیں کیئے جا سکتے جب تک ان کے سر پر کوئی بڑا نہ کھڑا ہو اور ساتھ ساتھ مضبوط، خوبصورت بھی ہو یہی ان کا کمال ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے دفاتر ہر وقت اور ہر ضرورت مند کے لئے کھلے ہوئے ہیں کسی کو روک ٹوک نہیں ہے وہ خود عوامی کچہری لگاتے ہیں ان کے مسائل حل کرتے ہیں اس وجہ سے فیصل آباد کے عوام ان سے کھل مل کر اپنے اپنے مسائل حل کرواتے ہیں۔ اس وجہ سے آئے دن کی ہڑتالیں، جلوس، نعرہ بازی سب ختم ہو چکی ہیں، ظاہر ہے کہ جب علاقے کے ذمہ دار افسران عوام کی باتیں خود سنیں گے اور حل کرینگے تو یقیناً

عوام خود ان کی عزت کرینگے اور یہ افسران نیک نامی بھی کمائیں گے۔ مجھے جناب نسیم صادق صاحب سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور میری دعا ہے کہ کاش ہمارے حکمران بھی اسی جذبہ اور ایمانداری سے عوام کے مسائل حل کریں تو پاکستان پر کوئی بری نظریں نہیں ڈال سکتا اور عوام بھی امن و امان سے زندگی چین سے گذاریں گے۔

اسی دورے میں مجھے وہاں کے سی پی ایل سی کے چیف جنید احمد سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا یہ نوجوان بھی ہمارے کراچی کے سی پی ایل سی کے چیف احمد چنائے کی طرح دن رات ایک کر کے عوام کو مختلف جرائم پیشہ لوگوں سے نجات دلوا چکے ہیں اور تقریباً صد فیصد اغواء برائے تاوان کیس حل کروا چکے ہیں۔ ان کا دفتر فیصل آباد کے بیچ آبادی والے علاقے میں بہت نمایاں ہے 2 ڈھائی سو کیس روزانہ ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی کوشش اور عملہ سے جن میں پولیس کی مدد بھی شامل ہوتی ہے حل کرواتے ہیں۔ پولیس تھانوں میں جا کر ان کی ایف آئی آر اگر نہ کٹی ہو تو کٹوا کر ریکوری کرواتے ہیں ان کی عوامی ٹیم بھی مقامی تاجروں اور صنعتکاروں پر مشتمل ہوتی ہے جو اپنا وقت، پیسے اور مشورہ جو بھی ضرورت ہو دن رات خدمتِ خلق میں صرف کر کے فیصل آباد کی عوام کی دعائیں سمیٹ رہے ہیں۔ کوئی سرکاری پیسے نہیں ملتے یہ سب خود مل کر اخراجات اٹھاتے ہیں اب تک 10 سال میں ہزاروں کیس ریکوری، اغواء برائے تاوان، عوامی جھگڑے بھی حل کروا چکے ہیں۔ یہاں بھی عوام کی رسائی ڈائریکٹ چیف کے ساتھ رہتی ہے جس کی وجہ سے پولیس بھی تعاون کرتی ہے اور جرائم میں کافی کمی ہو رہی ہے اگر پاکستان کے دیگر شہروں کے افسران فیصل آباد کی مثال سامنے رکھیں تو ہمارا ملک بھی ایک مثالی ملک بن سکتا ہے۔

شرم الشیخ کی کہانی

جب سے ہمارے وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی صاحب مصر کے شہر شرم الشیخ کانفرنس سے واپس لوٹے ہیں جہاں بھارت کے وزیر اعظم من موہن سنگھ صاحب سے ان کے مذاکرات بہت کامیاب گئے ہیں۔اس کی وجہ بھارتی لوک سبھا (قومی اسمبلی) میں اپوزیشن نے ان کا ناطقہ بند کر رکھا ہے روزان سے بازپرس کی جارہی ہے کہ من موہن صاحب آپ نے بلوچستان میں بھارت کی مداخلت کو کیسے تسلیم کر لی اور انکوائری کا وعدہ کیوں کیا؟ بھارت کے سیاستدان خواہ کانگریس سے ہوں یا بی جے پی سے جب بھی برسرِ اقتدار آتے ہیں تو ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ مسئلہ کشمیر پر کوئی بات چیت نہیں کی جائے جب ماضی میں نواز شریف دور میں بھارتی وزیر اعظم واجپائی صاحب جن کا تعلق بی جے پی سے ہے لاہور تشریف لائے تو کانگریس نے ان کی بہت مخالفت کی اور اس کو بھارتی موقف ''اٹوٹ انگ'' سے انحراف بتایا۔عوام اور اسمبلی میں جا جا کر اس کے خلاف تقاریر کیں جس سے بی جے پی کو الیکشن میں نقصان اٹھانا پڑا اور آہستہ آہستہ اس کی وجہ سے مرکز ہاتھ سے نکل گیا اور اندرا گاندھی کے بعد سونیا گاندھی نے الیکشن میں بڑی ہوشیاری سے سیٹیں جیتیں اور مرکز میں حکومت بنا ڈالی اور وہی کچھ انہوں نے دوسرے الیکشن میں بھی کیا۔ابھی چند ریاستوں میں الیکشن باقی ہیں اگرچہ مرکز میں کانگریس ہی کی حکومت ہے مگر بی جے پی کی پوری کوشش ہے کہ ان بقایا الیکشنوں کے نتائج اپنے حق میں پھیر لے اور مرکزی حکومت کو کمزور کرے اس وجہ سے وہ وزیر اعظم من موہن سنگھ کے پیچھے بری طرح ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں اور وہ اپنے تمام جلسوں میں پاکستان کی طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو بدنام کر کے پاک بھارت دوستی اور مفاہمت کی فضا کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔دوسری طرف ہمارے وزیر اعظم گیلانی صاحب کا واپسی کے بعد سے لب ولہجہ تبدیل ہوتا نظر آ رہا ہے جس سے وہ پارلیمنٹ کی بالادستی چاہتے ہیں یعنی وہ صدارتی بالادستی کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں

کئی صدارتی احکامات بھی نہیں مانے۔

ممبئی دہشت گردی میں سلامتی امور کے مشیر کو بھی فارغ کیا، کئی سیکٹریز کی سمری بھی روک رکھی ہے۔بیرون ملک میں وہ سفارتی عہدے بھی خود ہی پُر کر رہے ہیں۔اچانک دوروں کا سلسلہ پھر وزراء سے ناراضگی بھی وہ دکھا رہے ہیں۔خصوصاً وہ وزراء جو صدر صاحب کے منظورِ نظر ہیں اور ان پر ان کی نظر خصوصی طور پر ہے۔عملاً تو وزراء کی کارکردگی مشرف حکومت سے بھی نیچے جا چکی ہے خصوصاً بجلی کی لوڈ شیڈنگ جس میں ان کے وزیر بجلی و پیداوار بار بار یہ کہتے نہیں تھکتے کہ دسمبر تک لوڈ شیڈنگ ختم ہو جائے گی۔اس کے برعکس وزیر اعظم کا یہ بیان ہمارے پاس الٰہ دین کا چراغ تو نہیں ہے جو ہم لوڈ شیڈنگ پر قابو پا لیں گے جب وزیر اعظم صاحب سے پوچھا کہ آپ ہی کے وزیر یہ لوڈ شیڈنگ ختم کرنے کی بات کر رہے ہیں تو انہوں نے جھنجلا کر کہا کہ مجھے نہیں معلوم وہ کیسے کر سکتے ہیں انکی وزارت والوں نے اس لوڈ شیڈنگ کے خاتمے کیلئے کروڑوں روپے کے اشتہارات بھی پورے ملک میں شائع کروائے ہیں جس میں باقاعدہ 3500 میگاواٹ بجلی دسمبر تک دینے کا وعدہ درج ہے اس کا شیڈول بھی دیا گیا ہے ہنوز دلی دور است۔

آج سے دو سال قبل میرے ایک دوست جو دبئی میں ایک غیر ملکی کمپنی میں کام کرتے تھے اس کمپنی کے مالکان نے اپنی سالانہ سیلز کانفرنس اسی شرم الشیخ میں رکھی تھی جو 5 روز جاری رہی۔واپسی پر میرے پاکستانی دوست نے مجھے فون پر شرم الشیخ کی اتنی تعریف کی کہ سمندر کے کنارے اور پہاڑوں کے بیچوں بیچ جنت نما جزیرہ ہے اگر شرم الشیخ نہ دیکھا تو سمجھیں کچھ بھی نہیں دیکھا وغیرہ وغیرہ۔جتنے مقامات وہ گنوا سکتے تھے یقیناً وہ بڑھا چڑھا کر گنوا دیئے۔اتفاق سے میں نے مصر نہیں دیکھا تھا سوچا چلو اس ملک کو بھی دیکھا جائے۔قاہرہ، اسکندریہ اور شرم الشیخ کا ایک ہفتے کا پروگرام بنایا میرے ایک دوست بھی ساتھ ہو گئے۔پہلے ہم قاہرہ ایئرپورٹ پر اترے جو بہت واجبی سا ایئرپورٹ تھا۔ہمارا کراچی اور لاہور کا

ایئر پورٹ اس کے آگے بہت خوبصورت ہے باوجود اس امر کہ صرف قاہرہ میں ایک کروڑ سیاح اہرام مصر اور فرعون کے عجائب گھر کو دیکھنے آتے ہیں ۔میرا یہ ہفت روزہ پروگرام بھی میرے دبئی والے دوست نے ترتیب دیا تھا۔اس کی مرضی کے ہوٹل، سیاحت ،اہرامِ مصر فرعون کا عجائب گھر ،اسکندریہ کے تاریخی مقامات، شرم الشیخ میں سیاحتی جگہیں ،کروز (سمندری بڑے جہاز) کی سیر تفریح شامل تھی ۔
قاہرہ میں اہرامِ مصر دیکھ کے یقین نہیں آیا جب پتھروں کے دور میں بجلی اور کرینیں موجود نہیں تھیں تو یہ کئی ٹنوں وزنی تراشے ہوئے پتھر پہاڑوں جیسی اونچائی میں کیسے چڑھائے گئے ہوں گے۔ہر پتھر ایک ہیرہ نکون شکل میں بنا کر ایک دوسرے سے ملا کر رکھنا شاید آج بھی ناممکن ہے اسی وجہ سے یہ اہرامِ مصر دنیا کے چند عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔اگرچہ شہر قائد ہمارے کراچی کی آبادی کی طرح بہت گنجان ہے مگر اہرامِ مصر قاہرہ کے مضافات میں پایا جاتا ہے ۔راستے میں بہت غربت دیکھی ۔عمارتیں بیشتر ہماری کچی آبادی کی مماثلت کرتی تھیں۔بہت سی عمارتوں کو جو شاہراہوں پر بنی تھیں کسی پر بھی اینٹوں پر پلاستر نہیں کیا گیا تھا۔میں نے وجہ پوچھی تو میرے رہنما نے بتایا کہ ان کے پاس پلاستر کے پیسے نہیں بچے جب کبھی کئی سال بعد پیسے بچیں گے تو وہ پلاستر کروالیںگے ۔قاہرہ میں فرعون کے عجائب گھر بھی گئے ۔بڑے بڑے پُرانے مصر کے بادشاہوں کے پتھر سے بنی خوبصورت مورتیاں بھی رکھی تھیں ۔اس زمانے کی ممی بھی دیکھی اگر چہ وہ ہزاروں سال پہلے (Preserve) محفوظ کیا گیا تھا اب وہ کالی پڑ چکی ہیں ۔اس عجائب گھر کی عمارت خود بھی عجائب گھر لگ رہی تھی جگہ جگہ سے اہرامِ مصر کی طرح پلاستر پھٹ چکا تھا۔اس کا ملبہ بھی اسی طرح نیچے پڑا تھا صرف اس زمانے میں ایئر کنڈیشنر نہیں ہوتا تھا مگر یہ عمارت ائیر کنڈیشنر تھی۔ہزاروں سیاح گاڑیوں ،بسوں ،ٹرکوں میں بھر بھر کر آتے ہیں اور تقریباً ایک دن درکار ہوتا ہے ۔آپ اس کی تاریخ کے حساب سے دیکھیں تو اس زمانے کی ترقی کا اندازہ لگا سکتے ہیں ۔قاہرہ شہر میں امیر لوگ رہتے ہیں ۔بڑے بڑے فائیو اسٹار ہوٹل دریائے نیل کے دونوں

طرف بنے ہوئے ہیں ۔اگرچہ کافی مہنگے ہیں مگر رات کو دریائے نیل (جس میں فرعون مع اپنے لشکر غرق ہوا تھا) روشنیوں سے جگمگاتا ہے ۔ایک عجیب سماں پیدا ہوتا ہے ۔اسی دریا میں رات کا کھانا ایک کروز میں بُک تھا ۔وہاں رات 10 بجے شروع ہوتی ہے ۔ہماری طرح مصری بھی رات گئے دیر تک جاگتے ہیں اور کھانا 11 بارہ بجے کھاتے ہیں ۔ہمیں علم نہیں تھا کہ کروز پر کیا پروگرام ہوگا ۔ہم وقتِ مقررہ پر یعنی 10 بجے وہاں پہنچے ۔کروز کے ایک طرف کھانے کا انتظام تھا ،بوفے تھا اس میں 20 پچیس اسٹالز عربی قسم کی سبزیاں ،سلاد ،پنیر ،کھجور ،زیتون ،مولی ،ٹماٹر ،سموسہ نما تلی ہوئی چیزوں کے علاوہ ہمہ اقسام کا باربی کیو ،گوشت اور چاولوں پر رکھی ہوئی ران ،دسیوں قسم کے میٹھے رکھے ہوئے تھے ۔پہلے مشروبات کا دور چلا ۔بہت ہی عمدہ تازہ جوس اور دوسرے کونے میں بار تھا جس کو جو پینا ہو وہ خود جا کر پی سکتا ہے بیرے والی سروس نہیں تھی ۔گول ٹیبلیں لگیں تھیں درمیان میں اسٹیج تھا ۔جب کھانے کا دور ختم ہوا تو اسٹیج پر رنگ برنگی لائٹیں جلنے لگیں پھر ڈھول اور مصری طرز کی موسیقی شروع ہوئی تو ایک نوجوان حسینہ تھرتھراتی نمودار ہوئی پھر جو دھما چوکڑی ہوئی اور ایسا ایسے ناچ پیش کیے گئے کہ یورپ میں بھی ایسے بے پردگی اور بے ہودگی نہیں دیکھی تھی جو مصر جیسے اسلامی ملک جہاں مسلمانوں کی سب سے بڑی اسلامی درس گاہ جامعہ الازہر یونیورسٹی بھی ہے جس سے لاکھوں علماء نکل کر پوری دنیا میں پھیلے اور اسلام کی تبلیغ کی ۔مگر آج اسی کے دامن میں اتنی آزادی یقین نہیں آتا ۔دوسرے دن شہر گھومنے کا موقع ملا جگہ جگہ مسجدیں بھی بہت تھیں ۔مغرب اور عشاء کی مصری طرز کی اذانوں نے بھی بہت متاثر کیا۔پرانے بازاروں میں نہانے کے حمام بھی دیکھے ،بڑے بڑے پتھروں سے بنی عمارتیں اور نئے نئے پلازے دیکھے پھر وہاں سے شرم الشیخ بذریعہ ہوائی جہاز جو صرف 2 گھنٹے کی مسافت طے کر کے پہنچے ۔جس ہوٹل میں ہمارا کمرہ بُک تھا ائیر پورٹ سے وہاں پہنچے ۔اس کا نام Sun Rise (طلوعِ آفتاب) تھا اس میں 1400 سے زائد کمرے تھے ۔10 بارہ سوئمنگ پول کے علاوہ سمندر کا

کنارہ بھی تھا ہر سوئمنگ پول پر مشروبات کے کاؤنٹر تھے۔میرے دوست نے تین دن کیلئے فل بورڈ یعنی تینوں وقت کا کھانا سب شامل تھا بک کروایا تھا۔دن بھر تو ٹھیک رہا مگر جیسے ہی اندھیرا بڑھا سوئمنگ پول پر جوڑوں اور لڑکیوں کی یلغار ہوئی وہ مناظر قلم بند نہیں ہو سکتے۔الغرض رات جیسے تیسے کاٹی اور صبح ہی واپسی کا ادارہ کر کے بغیر اسکندریہ دیکھے کراچی روانہ ہو گئے۔جس سمندر پر ہم ٹھہرے ہوئے تھے کئی میلوں تک صرف ہوٹل اور ریسٹورینٹ تھے۔اسرائیل نے اس دوستی کے عوض دیگر علاقوں کے علاوہ خصوصاً یہ شرم الشیخ کا علاقہ مکمل مسمار کر کے میدان کی صورت میں واپس کر دیا اس کے پہاڑی علاقوں میں آج بھی بدو رہتے ہیں وہ وہاں سڑکیں اور بجلی نہیں لانے دیتے۔ان کا کہنا ہے کہ نیچے شہر میں بے حیائی بھری پڑی ہے وہ غیر تعلیم یافتہ ہیں۔اس پرانے اسلامی ماحول میں خوش ہیں۔اپنی عورتوں اور نوجوانوں کو شہر میں نہیں جانے دیتے۔شرم الشیخ کا ہوائی اڈہ سعودی عرب کے ایک پرنس نے تحفتاً بنا کر دیا ہے۔اس شہر میں ان کے اور موجودہ حکمران حسنی مبارک صاحب اور فیملی کے افراد کے سب سے زیادہ ہوٹل ہیں۔خود حسنی مبارک نے اپنا محل بھی یہیں بنا رکھا ہے جس میں سرکاری ضیافتیں ہوتیں ہیں اور وہ سال کا بیشتر حصہ یہیں گزارتے ہیں۔خلیجی ممالک کے سربراہان شرم الشیخ کی تاریخ جانتے ہیں اور وہ چھٹیاں گزارنے کیلئے بیروت کی تباہی کے بعد اس شہر کو ترجیح دیتے ہیں۔کئی سال پہلے اس بے حیائی سے تنگ آ کر پہاڑی بدوؤں نے نیچے اُتر کران ہوٹلوں پر حملہ بھی کیا تھا جس میں بہت سے غیر ملکی مارے گئے مگر صدر حسنی مبارک نے سختی سے ان کو گھیر گھیر کا مروا دیا اور پہاڑی علاقوں پر چیک پوسٹ بنا دی گئیں اور وہ اسلام پسند افراد کو چیک کر کے ہی آنے جانے دیتے ہیں جس پر شک ہو جائے اس کا بعد میں پتہ بھی نہیں ملتا۔کم لکھے کو زیادہ پڑھا جائے تو شرم الشیخ کی کہانی سمجھ میں آ جائے گی۔میں دو سال سے اس کو چھپائے ہوئے تھا مگر جب ہمارے وزیر اعظم وہاں جا کر آ گئے تو مجھ میں بھی لکھنے کی ہمت پیدا ہو گئی۔

﴿فادر ڈے﴾

یورپ،امریکہ،کینیڈا،آسٹریلیا اور دیگر امیر گوروں کے ممالک میں ہر سال جون کے تیسرے اتوار کو فادر ڈے منایا جاتا ہے اس دن تمام باپ اپنی اولاد کی طرف سے تحفے ملنے کی امید کرتے ہیں۔اس دن ان بوڑھے والدین جو OLD HOUSE یعنی بوڑھوں کی سرکاری رہائش گاہوں میں رہتے ہیں ان سے ملنے کیلئے بہت رش ہوتا ہے۔بوڑھے باپ پورا سال اس دن کا انتظار کرتے ہیں۔پھر بھی بہت سی اولادیں اس دن بھی ملنے آنے کی بجائے کوریئر کے ذریعے اپنا تحفہ بھیجنے کو کافی سمجھتے ہیں اور بعض اولادیں ملنے اور تحفہ بھیجنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتیں۔وہ بوڑھا سارا دن بے چینی سے اکیلا انتظار میں گزار دیتا ہے۔پھر دل میں حسرت لیے بستر پہ جا لیٹتا ہے حالانکہ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جب وہ جوان تھا تو اس نے بھی یہی کردار اپنے والدین کے ساتھ بڑھاپے میں ادا کیا تھا۔18 سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اس کو والدین اچھے نہیں لگتے وہ اپنی دنیا میں مست رہنا چاہتا ہے۔والدین کی روک ٹوک اس کو بری لگتی ہے اور جب یہ والدین ریٹائر ہو جاتے ہیں تو ان کی خدمت کرنے کے بجائے ان کو اولڈ ہاؤس میں چھوڑ آتے ہیں جہاں حکومت ان کو رہائش مہیا کرنے کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ان کا علاج معالجہ بھی کرتی ہے اس کیلئے اچھے اچھے پرائیویٹ اولڈ ہاؤسز بھی ہوتے ہیں جو بوڑھے والدین امیر ہوتے ہیں وہ ان میں جا کر آباد ہو جاتے ہیں اور ان کی خصوصی دیکھ بھال کیلئے نرسیں ہوتی ہیں ان کو نہلانے سے لے کر ہوا خوری،چہل قدمی بھی وہ کراتی ہیں۔یہ اس معاشرے کا وطیرہ ہے جو سالہا سال سے وہاں جاری ہے۔اس کی مناسبت سے فادر ڈے،مادر ڈے،ویلنٹائن ڈے ہر سال بڑے زور سے منایا جاتا ہے۔ان خصوصی دنوں میں ان ممالک میں خصوصی سیل ان کی مناسبت سے لگائی جاتی ہیں۔عموماً 25 فیصد سے لیکر 50 فیصد تک رعایت دی جاتی ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ خریداری کر سکیں اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحائف خرید کر ان کو دے کر خوش کر سکیں۔جون کے مہینے میں

فادرڈے کی وجہ سے اسٹوروں، دکانوں میں بڑے بڑے بینرز آویزاں ہوتے ہیں ان پر مادرڈے، فادرڈے یا ویلنٹائن ڈے لکھا ہوتا ہے۔ان حصوں میں جہاں فادرڈے کی نسبت سے جو چیزیں رکھی جاتی ہیں اس جگہ کو خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے۔21 جون کو ریسٹورنٹس، مے خانے (Bars) سب بھرے ہوتے ہیں۔پہلے سے بکنگ کرانی پڑتی ہے پھر دوسرے دن یہ دوبارہ اجنبی بن کر پورا سال گزارتے ہیں۔اسلام اس سے بالکل مختلف نظریہ پیش کرتا ہے وہ والدین خصوصاً بوڑھے والدین کی خدمت لازمی قرار دیتا ہے۔خدا کا شکر ہے ہمارے معاشرے میں پورے سال والدین کی خدمت ہوتی ہے بہت اقلیت میں لوگ ہوں گے جو اپنے بوڑھے والدین کو بوجھ سمجھتے ہوں گے۔ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔یہ نوجوان اکثر اپنی نوجوان بیویوں کے دباؤ میں آکر خدمت سے کتراتے ہیں پھر ہمارے ملک میں کوئی اولڈ ہاؤس بھی نہیں ہیں صرف ایدھی فاؤنڈیشن والوں نے اپنا گھر بنا کر کافی حد تک مسئلہ حل کر دیا ہے۔حکومت نے آج تک ان بوڑھوں کی تکالیف دور کرنے کیلئے کوئی اقدام نہیں کیا۔ان ممالک میں ایک بہت ہی اچھا رواج ہے جب بھی کوئی خوشی کا موقع ہوتا ہے تو پوری قوم مل کر اس میں حصہ لیتی ہے مثلاً کرسمس ہو یا نیو ائیر، مادر ڈے، فادرڈے، ویلنٹائن ڈے ہو سب مل کر اپنا اپنا حصہ نبھاتے ہیں۔رعایتی سیل لگا کر دکاندار بھی اپنا حق ادا کرتے ہیں اور اپنا کاروبار بھی بہت بڑھاتے ہیں۔خریدار بھی خوشی خوشی آسانی سے تہوار مناتا ہے۔مگر ہمارے مسلمان ممالک ان تہواروں کے موقع پر ناجائز طریقے سے دام کم کرنے کے بجائے بڑھا دیتے ہیں۔خصوصاً رمضان المبارک میں جو نیکیوں کا مہینہ روزے رکھنے اور عید پر خوشیاں منانے کیلئے ہوتا ہے اتنی مہنگائی کرتے ہیں کہ ذکر کرتے ہوئے شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں۔تمام کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔روزے دار مجبوراً کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کیلئے مجبور ہوتا ہے۔حکومت بڑے بڑے دعوے کرتی ہے کہ اس سال رمضان میں ہم دام نہیں بڑھنے

دیں گے مگر چند ہی دن بعد مجبور ہو کر ان دکانداروں کے ہاتھوں مجبور ہو جاتی ہے۔عمرے کیلئے جانے والوں کو کرائے دگنے ادا کرنے پڑتے ہیں۔سعودی عرب میں ہوٹل کے کرائے عام دنوں کے مقابلے میں دس دس گنا بڑھا دیئے جاتے ہیں۔گویا مسلمان مسلمان کے ہاتھوں لٹتا ہے کوئی اس کے خلاف آواز نہیں اُٹھاتا۔اگر یہی عمل ان گوروں کے ملک میں کیا جائے تو عوام کا سیلاب حکومت کے خلاف ہو کر آواز بلند کرتا ہے۔وہ ایسی مہنگائی نہیں کر سکتے قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ان غیر مسلم ممالک نے اسلام کی بہت ساری اچھائیاں اپنا کر عوام کو سہولتیں مہیا کر دیں ہیں۔یہ بے روزگاری الاؤنس یا غریبوں کی مدد کرنے کا طریقہ انہوں نے اسلام سے لیکر اپنایا ہے۔یہ بیت المال کا نظام اسلام نے ایجاد کیا تھا۔آج کسی بھی مسلمان ملک میں بیت المال کا نظام نہیں ہے۔البتہ تمام گوروں کے ممالک میں یہ نظام قائم ہے۔وہاں کوئی بے روزگار یا غریب حکومت سے فوری مدد کی درخواست کر سکتا ہے۔حکومت اس کو رہنے کیلئے مکان، کھانے کیلئے الاؤنس دیتی ہے۔یہی وجہ ہے وہاں عدل وانصاف ہر ایک کو ملتا ہے خواہ وہ غریب ہو یا امیر ہر شخص قانون کی نگاہوں میں برابر ہے۔ہمارے مسلمان ممالک میں بدقسمتی سے انصاف صرف بڑے لوگوں تک محدود ہے یہی وجہ ہے کہ ہم مسلسل پستی کی طرف جا رہے ہیں۔

﴿جنت سے کھنڈر تک﴾

1988ء میں مجھے اپنی فیملی کے ساتھ گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے لئے شمالی علاقہ سکردو جانے کا اتفاق ہوا۔ بہت سرسبز پہاڑی علاقہ تھا جس میں بہت سی جھیلیں بھی تھیں۔ یہاں یہ انکشاف ہوا کہ تمام سرحدی شمالی علاقے جن کو ہم فاٹا کہتے ہیں یہاں کوئی فیڈرل ٹیکس مثلاً سینٹرل ایکسائز، سیلز ٹیکس، انکم ٹیکس نہیں ہیں یعنی ٹیکس فری علاقہ۔ پاکستان بنتے وقت قائداعظمؒ نے ان علاقوں کو پاکستان میں الحاق کرنے پر کونسٹی ٹیوشن میں شامل کر دیا تھا۔ غالباً ہمارے تمام صنعت کار اس قانون سے ناواقف تھے۔ چھٹیاں گزار کر جب میں واپس کراچی آیا تو میں نے اپنے قانونی مشیروں سے پوچھا کہ ان میں کون کونسے علاقے شامل ہیں تو معلوم ہوا کہ ان میں سوات، مالاکنڈ، دیر، چترال، کوہستان، کالات وغیرہ شامل ہیں۔ راقم نے ایک ٹیم ان علاقوں کی صورت حال جاننے کیلئے بھیجی انہوں نے مشورہ دیا کہ اگر فیکٹری سوات میں لگائی جائے تو یہ علاقہ سب سے بہتر ہوگا چنانچہ فیکٹری کا ایک پورشن (حصہ) یعنی چند چیزیں بنانے کیلئے وہاں ایک نئی بنائی عمارت کرایہ پر لے کر کام شروع کیا۔ یہاں یہ بھی انکشاف ہوا کہ اس علاقے میں گھریلو کام کاج کیلئے عورتیں گھروں میں جو کام کرتی ہیں انہیں صرف رہائش کیلئے گھر کے باہر جھونپڑے دے دیئے جاتے ہیں۔ روٹی، کپڑوں کے عوض اور علاج معالجہ مفت ہوتا ہے۔ تنخواہ نام کی کوئی چیز نہیں دی جاتی۔ اس علاقے میں کوئی خاص فیکٹریاں نہیں تھیں صرف سیاحوں کیلئے ہوٹل، ریسٹورینٹ بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے تھے جن میں صرف مرد کام کرتے تھے ان کو تنخواہ ملتی تھی۔ جس علاقے میں میں نے یہ فیکٹری شروع کی تو مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی کام کرنے کی خواہش ظاہر کی تو منیجر نے ان خواتین کو بھی کام کرنے کی اجازت دے دی۔ اس زمانے میں کم از کم تنخواہ غالباً 1300 روپے تھی تو ہمارے منیجر صاحب نے جب ان خواتین اور مردوں کو بتایا تو وہ خوشی سے اُچھل پڑے غالباً وہاں مردوں کو 700 سے زیادہ تنخواہ دینے کا رواج بھی نہیں تھا۔ 3 دن

میں محلے کے تمام گھروں میں کام کرنے والی خواتین فیکٹری میں کام پر لگ گئیں تو علاقے میں شور مچ گیا کہ گھر کی ملازم عورتیں کام پر نہیں پہنچیں تو علاقے کا کونسلر فیکٹری میں آیا اور منیجر کو کہا کہ تم نے ہماری ملازمائیں کیوں بھرتی کیں اور تم ان کو پیسے دے کر ورغلا رہے ہو ہم تمہاری فیکٹری نہیں چلنے دیں گے۔ تم مردوں کو بھی دُگنی تنخواہیں دے کر بگاڑ رہے ہو مجبوراً منیجر نے تمام خواتین ورکرز کو کام کرنے سے روک دیا تو وہ سب رونے لگیں اور کونسلر سے اُلجھ گئیں تم ہم سے آج تک مفت کام لیتے رہے ہو ہم اب تمارا کام جب کریں گے جب تم تنخواہ دو گے۔ الغرض محلے والے تنخواہ دینے پر راضی نہیں ہوئے اور عورتیں ان کے ہاں کام کرنے پر راضی نہیں ہوئیں معاملہ کافی سنجیدہ ہوگیا تو منیجر نے پولیس طلب کر لی۔ عورتوں نے نعرہ بازی شروع کر دی پھر محلے کے بزرگ، منیجر، کونسلر اور پولیس کے SHO نے مل کر یہ حل نکالا کہ آدھی عورتیں فیکٹری میں 15 دن کام کریں گی اور آدھی عورتیں 15 دن گھروں میں مفت کام کریں گی۔ دوسرے 15 دن گھروں میں کام کرنے والیاں فیکٹری میں کام کریں گیں تاکہ گھروں کی صفائی اور کام کاج جاری رہ سکے اور فیکٹری بھی چلتی رہے۔ غربت کا یہ عالم تھا کہ بدن پر ثابت کپڑے، پاؤں میں چپل اور جھونپڑیوں میں بجلی تک نہیں تھی پھر ہماری دیکھا دیکھی پورے سوات میں سینکڑوں فیکٹریاں لگ گئیں اب خواتین گھروں میں کام کم اور فیکٹریوں میں زیادہ کام کرنے لگیں۔ چند ہی سال میں سوات میں خوشحالی آنے لگی جھونپڑیاں چھوٹے چھوٹے گھروں میں منتقل ہو گئیں، بجلی بھی آ گئی جہاں صرف ٹرانسسٹر ریڈیو سیل سے بجتے تھے آج ٹی وی بھی آ گئے غربت کم ہوتی گئی صرف 20 سال میں سوات فیکٹریاں، دکانیں، ہوٹل، ریسٹورینٹس چند بازاروں سے نکل کر میلوں تک آباد ہو گیا۔ حکومت نے اگرچہ ڈائریکٹ ٹیکس یعنی سنٹرل ایکسائز ڈیوٹی تو نہیں لگائی مگر چند شعبوں پر (Volantairy Tax) لگا دیا جو فکس ٹیکس کہا جاتا ہے۔ سوات کے لوگ بہت سیدھے اور امن پسند شہری سمجھے جاتے تھے کہ یکایک 1992ء میں شریعت نافذ کرنے کیلئے مذہبی لوگوں نے جلوس نکالا

جس کی قیادت مولانا صوفی محمد کر رہے تھے ان کا نعرہ تھا شریعت یا موت۔ پھر حکومت نے ان سے مذاکرات کر کے معاملہ ٹھنڈا کر دیا۔ دوبارہ یہی نعرہ دو سال پہلے پھر شروع ہو گیا طالبان کا نام دے کر اس کو الگ رنگ دے دیا گیا۔ دہشت گردی پورے سوات میں پھیل گئی۔ دو سال سے پورے پاکستان سے آنے والے سیاح جو اس جنت نظیر علاقے میں آتے تھے آنا بند ہو گئے۔ آہستہ آہستہ یہ کاروبار جو کالام، سوات کا آخری حصہ ہے ہوٹل، ریسٹورینٹ بتدریج بند ہو گئے۔ سوات سے ریشمی شالیں جو پورے ملک میں جاتی تھیں مختلف سوغاتیں، پتھر کی اشیاء سب ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔ دہشت گردی کی وجہ سے ٹرکوں کی نقل حرکت آہستہ آہستہ ختم ہو گئی وہاں پیدا ہونے والے فروٹ اور سبزیاں پاکستان کے دوسرے شہروں میں نہیں جا سکیں۔ راستے بند کر دیئے گئے اور ہماری ایف سی پولیس اور رینجر نے کنٹرول سنبھال لیا مگر اب ان سے بھی کنٹرول نہیں ہو سکا تو فوج نے پورے سوات کی ناکہ بندی کر کے پورا علاقہ خالی کروالیا جس کی وجہ سے 25 لاکھ سے زیادہ افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔ تمام کارخانے آج بند پڑے ہیں کسی کو بھی نہیں معلوم کہ اس کا کارخانہ، دکان، گھر یا باغات کس حال میں ہیں نہ اندر والے ڈر سے باہر جا سکتے ہیں نہ باہر بے گھر ہونے والے سوات جانے کی ہمت کر سکتے ہیں چند ہزار طالبان کیلئے لاکھوں افراد کا انخلاء ایک قومی سانحہ ہے۔ اربوں کھربوں کے نقصان کے ساتھ ساتھ مہاجرین کی پریشانیاں کس کے کھاتے میں ڈالی جائیں۔ ان معصوم شہریوں کا قصور کیا ہے ان کو کیوں گھروں سے بے گھر کیا۔ جن کے خلاف آپریشن ہو رہا ہے وہ بھی مسلمان ہیں اور وہ جو ہمارے فوجیوں پر خودکش حملے کر رہے ہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔ دونوں طرف جدید ترین اسلحہ کی فراوانی ہے کون ہے جو ان دونوں کو جدید اسلحے سے لڑوا رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سو سالہ ریکارڈ بتاتا ہے کہ جنگ لڑنے والے یعنی جنگ آخری حل نہیں ہے۔ جرمنی نے شکست کھائی، امریکہ نے ویت نام میں شکست کھائی، سوویت یونین روس نے افغانستان میں شکست کھائی۔ آج پھر امریکہ عراق میں فتح کرنے کے

باوجود عراق سے نکلنے کیلئے تیار ہے۔ افغانستان میں تمام نیٹو اور دیگر فوجیوں کی موجودگی کے باوجود کابل سے باہر اس کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ ہماری فوجوں کو سوات کی پہاڑیوں پر لگا کر کیا ہم امن قائم کر سکیں گے جبکہ دوسری طرف وزیرستان پر بھی جنگ کے آثار بڑھ رہے ہیں۔ ردِعمل کے طور پر کبھی لاہور پر خودکش حملہ ہوتا ہے تو دوسرے دن پشاور میں دن دیہاڑے بم پھٹ رہے ہیں۔ خود طالبان کے علاقے ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، کوہاٹ بھی محفوظ نہیں رہے۔ اب اسلام آباد تو رکاوٹوں کا شہر بن چکا ہے، کراچی میں بھی خوف و ہراس ہر سو پھیل چکا ہے۔ ترقی پسند سندھی تنظیمیں سوات اور دیگر شہروں سے آنے جانے والوں پر انجانے خدشات کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ میں بار بار لکھ چکا ہوں جنگ امن کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ سوات کھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے کیا دیگر شہروں کو بھی کھنڈروں میں تبدیل کرنے کا پروگرام شروع ہو چکا ہے۔ کیا ہم پھر اس جنت نظیر علاقے میں گرمیاں گزارنے جا سکیں گے؟ اور کیا ہماری فیکٹریاں وہاں دوبارہ پروڈکشن شروع کر سکیں گی؟ اس کا جواب نہ ہماری فوج کے پاس ہے نہ ایف سی اور نہ رینجر پر امید ہیں۔ خدارا سیاست دان، صنعت کار، حکمران فوج سب مل کر اس کا حل نکالیں اور اس جنت کو کھنڈر ہونے سے بچائیں۔

﴾ڈراپ سین﴿

تین ہفتے امریکہ،کینیڈا میں گزارنے کے بعد پاکستان واپسی ہورہی ہے۔تین ہفتوں کا نچوڑ قارئین کے گوش گزار کررہاہوں۔سابق صدر جارج ڈبلیو بش کے 8 سال امریکی عوام کو بہت بھاری پڑھ رہے ہیں خصوصاً 9/11 کا واقعہ پھر افغانستان،عراق جنگیں امریکہ کی معیشت کو ہلا چکی ہیں موجودہ صدر بارک اوبامارات دن بُرے اثرات کم کرنے میں لگے ہوئے ہیں مگر کھربوں ڈالرز بینکوں،انشورنس، موٹر کار کمپنیوں،ہوئی جہاز کمپنیوں کو دے کر بھی معاشی خسارہ کم نہیں ہورہا ہے۔بے روزگاری بڑھتے بڑھتے ڈیڑھ کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔امریکہ کی سب سے بڑی موٹر کار کمپنی جی ایم موٹرز اور سٹی بینک دیوالیہ کے نزدیک پہنچ چکے ہیں اسٹاک مارکیٹ میں سٹی بینک کا حصص 1 ڈالر کا مل رہا ہے۔تمام اسٹاک ایکسچینج کمپنیاں تیزی سے نیچے کی طرف گامزن ہیں امریکی عوام دن رات کھانے پینے، پہننے کے عادی ہیں۔ہر دوسری دکان کھانے پینے کی ہوتی ہے جسے وہ فاسٹ فوڈ کہتے ہیں۔ناشتہ سے لیکر رات کے کھانے تک کا رواج فاسٹ فوڈ کی دکانوں پر منحصر ہوتا ہے مگر آج کل ریسٹورینٹس اور فاسٹ فوڈ کی دکانوں اور بڑے بڑے شاپنگ پلازوں پر عوام کا رش کم ہوتا جا رہا ہے۔پرانی ادائیگیوں سے وہ پریشان ہیں ایک سرکاری سروے کی رپورٹ کے مطابق کھانے پینے کی خریداری جو ضروری اشیاء دودھ ،انڈے،گوشت،چاول اور گھی تک محدود ہو گئے ہیں۔اگلے 6 ماہ تک 85 فیصد امریکن نئے مکان، قیمتی فرنیچر،موٹر بوٹ،کاریں،مہنگے کمپیوٹر خریدنے کی سکت کھو چکے ہونگے۔اسی وجہ سے تقریباً تمام یہ چیزیں بنانے اور بیچنے والے ایک ایک سال تک ادائیگی کی قسطیں بغیر کسی سود کے موثر کرنے کیلئے تیار ہیں۔بہت سے فیڈرل ٹیکس بھی 6 ماہ سے ایک سال تک موخر ہو چکے ہیں۔پیٹرول جو 4 ڈالر فی گیلن تک پہنچ چکا تھا آج 2 ڈالر فی گیلن یعنی 38 روپے فی لیٹر تک گر چکا ہے(ہمارے ملک میں آج بھی پرانے بڑھے ہوئے داموں پر فروخت ہورہا ہے)جہازوں کے کرایوں میں بہت کمی آچکی ہے۔بہت کمپیٹیشن ہورہی ہے اگر چہ اکثر جہاز کمپنیوں نے اپنی فلائٹس آدھی کردی ہیں۔سالانہ چھٹیوں پر بھی باہر

جانا آج بہت مشکل ہو چکا ہے۔جہاز کمپنیوں نے اندرونی پروازوں پر کھانے پینے کی چیزیں مفت دینا بند کردی ہیں البتہ آپ کھانا،بسکٹ،چپس خرید سکتے ہیں۔بے روزگاری اور قسطوں کی عدم ادائیگی کی وجہ سے بہت سے شہروں میں لوگوں نے مکان خالی کر کے میدان میں خیموں میں پڑاؤ ڈالا ہوا ہے ۔بہت سی کاؤنٹیز اور سوشل اسکیورٹی والے کھانوں کے مفت کوپن فراہم کر رہے ہیں۔پرانے مکانوں کی قیمتیں اتنی گر چکی ہیں کہ آپ زمین کی قیمت میں پورا مکان خرید سکتے ہیں تقریباً 95 فیصد مکانات بینک کے پاس مارگیج ہوتے ہیں جن کی قسطیں تقریباً رکی ہوئی ہیں اسی وجہ سے بینک تباہی کی طرف آچکے ہیں وہ خالی مکان بھی رکھنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں لہٰذا اونے پونے داموں پر فروخت کر رہے ہیں پھر بھی خریدار ناپید ہو چکے ہیں۔یہی حال شاپنگ پلازوں میں 75 فیصد تک سیل لگی ہوئی ہے اور خریدار بہت کم ہیں۔اس سال کرسمس اور نیو ائیر پر خریداریوں کا رش نہیں تھا عام طور پر ان دنوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔سیل لگنے کے بعد ہر کوئی شاپنگ پلازوں میں خصوصی خریداری کرتا تھا مگر آج شاپنگ پلازوں میں مالوں کی بھرمار ہے مگر خریدار اکاذکا نظر آتے ہیں امریکہ میں اکثر مال چائنہ کا ہی بنا ہوا ملتا ہے۔اسکی وجہ بڑی بڑی کمپنیوں نے اپنے کارخانے چین میں لگا رکھے ہیں اور وہ بہت سستے خریدتے ہیں اور مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں صرف امریکی ڈالر تمام کرنسیوں میں گھٹنے کے بجائے اب پاؤنڈ،یورو،جاپانی ین کے مقابلے میں دوبارہ مضبوط ہو چکا ہے اسکی بظاہر کوئی وجہ تو نظر نہیں آتی صرف اس کی وجہ نئے صدر اوباما کے وعدے اور مضبوط اقدامات ہیں جو وہ اس کساد بازاری (Recession) سے امریکہ کو نکالنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں انہوں نے امریکی عوام کو چالیس 50 سال بعد اپنے پڑوسی دشمن ملک کیوبا سے دوستی کا ہاتھ بڑھانے اور امریکیوں کو وہاں جانے کی اجازت بھی دے دی۔وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے جا کر مل سکتے ہیں۔گوانتا ناموبے کا خونی جزیرہ بھی جلد بند کرنے کا اعلان کردیا ہے۔تمام قیدیوں کی رہائی یا ان کو ان کے ملکوں کے حوالے کرنے کا پروگرام بھی تشکیل دے دیا ہے۔عراق سے آہستہ آہستہ باہر نکلنے کا بھی پروگرام بن رہا ہے البتہ

افغانستان سے ابھی باہر جانے کا کوئی پروگرام نظر نہیں آتا فی الحال امریکہ افغانستان کے صوبے میں مقامی ملائیشیا (فوجی) کو تربیت دے رہا ہے صرف ایک لاکھ فوجی مقامی افغانستان کے صوبے وردک میں تیار ہو رہے ہیں۔ افغانستان کے جرگوں کے بڑے بڑے حکمران سے بات چیت جاری ہے وہ صرف طالبان سے خائف ہیں انہیں ڈر ہے کہ طالبان امریکہ میں دہشت گردی نہ بڑھا سکیں۔ طالبان ان کیلئے چیلنج ہیں اسی وجہ سے وہ پاکستانیوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں غیر دانستہ طور پر وہ پاکستان کو اس میں ملوث سمجھتے ہیں اسی خاطر وہ آئے دن باہر سے راکٹ، ڈرون میزائل بھی برساتے رہتے ہیں۔ حامد کرزئی جن کو پاکستان نے پناہ دی تھی آج وہ صرف امریکہ کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں یا پھر بھارتی حکمرانوں کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں جو ان کو بہت بھاری بھرکم امداد فراہم کر رہے ہیں۔ صدر اوباما نے ایران اور شمالی کوریا سے بھی بات چیت کے دروازے کھول کر امن کی طرف مثبت قدم اُٹھایا ہے اس سے بھی امریکن خوش ہیں کیونکہ جنگ کا نقصان امریکیوں کو بھی اُٹھانا پڑتا ہے۔ امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ 100 دن گزرے نئے صدر اوباما کے خلاف اس سے ٹیکس گزاروں نے احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے ہیں اگر یہ مظاہرے پورے امریکہ میں پھیل گئے جس کی کافی امید ہے تو حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ عوام کا کہنا ہے کہ غریبوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جبکہ امیروں کو چھوٹ مل جاتی ہے۔

جہاں اوباما حکومت نے کئی نئی باتیں جنم لیں ہیں وہاں پہلی مرتبہ عوام کو صدر امریکہ کا ٹیکس ریٹرن بھی بتایا گیا ہے جس میں صدر امریکہ نے 19 لاکھ ڈالر کمائے جس پر ساڑھے آٹھ لاکھ ڈالر ٹیکس ادا کیا اور تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار ڈالر کی خیرات کی۔ ہمارے ملک میں سابق وزیر اعظم شوکت عزیز نے 10 سال میں ایک روپیہ بھی ٹیکس نہیں بھرا آج وہ واپس امریکہ میں مزے کر رہے ہیں اور ہر سال وہاں ٹیکس بھی ادا کرتے ہیں۔ امریکہ میں میڈیا بہت مضبوط ہے اخبارات بہت آزاد ہیں مگر وہ پاکستان کے خلاف آئے دن دہشت گردی دکھا کر ہمیں بدنام کرتے ہیں ہمارا ہائی کمیشن خاموشی سے دیکھتا اور پڑھتا رہتا ہے کوئی احتجاج نہیں کرتا۔

ایک خاص بات جو ہمارے ملک میں ناپید ہے وہ ہمارے کچرے کا بالکل کوئی استعمال نہیں ہے جس سے ہم اربوں روپے بچا سکتے ہیں وہاں ہر گھر دفتروں کے باہر کمیونٹی والے تین الگ الگ خالی ڈرم رکھتے ہیں ایک ڈرم میں خالی ٹین کے ڈبے اور دوسرے میں خالی بوتلیں اور تیسرے میں بچا ہوا کھانا، گتے، کاغذ کی ردی ڈال کر ہر ہفتے کچرا گاڑی وصول کر لیتی ہے۔ ٹین کو پگھلا کر دوبارہ ایلومینیم بنایا جاتا ہے۔ بوتلوں کو بھی توڑ کر دوبارہ شیشہ بنایا جاتا ہے اور بقایا کچرے سے کھاد بنائی جاتی ہے۔ اس سے دو فائدے ہیں ایک طرف کچرا اسٹ جاتا ہے تو دوسری طرف اربوں ڈالر کی بچت بھی ہوتی ہے۔ ہماری حکومت کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

امریکہ سے واپسی پر چیکنگ کاؤنٹر پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ سوئس حکومت نے یورپی یونین کی طرح سوئزرلینڈ سے گزرنے کیلئے ٹرانزٹ ویزہ لگا دیا۔ خوش قسمتی سے میرے پاس یورپی یونین کا شینگین ویزہ تھا جو ٹرانزٹ کا کام کرتا ہے پاکستانیوں کیلئے ہر ملک نے گزرنے پر بھی ویزے کی پابندیاں لگا رکھی ہیں ہماری حکومت اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کرتی۔ اگر بھارت پر ایسی پابندیاں لگیں تو وہ زبردست احتجاج کرا کے ختم کرا لیتی ہے۔ جہاز راستے میں زیورخ میں کھڑا ہے میں باہر نہیں جا سکتا۔ شیشے کے باہر ائیر پورٹ پر ایک کوا آزادی کے ساتھ اُڑ رہا ہے مگر ایک انسان ائیر پورٹ کے باہر نہیں جا سکتا۔ قارئین کیلئے اطلاعاً عرض ہے کہ یورپ، امریکہ سے سوائے ہماری قومی ائیر لائن کے کوئی جہاز اب پاکستان نہیں آتا جاتا۔ ہم کو دبئی سے جہاز بدل کر یورپ، امریکہ اور اسی طرح واپسی پر یہی عمل دوبارہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ سیکورٹی رسک ہے گویا ہم دہشت گرد ہیں ہمارا ملک ان غیر ملکیوں کیلئے غیر محفوظ ہو چکا ہے جبکہ ہم انکی جنگ اپنے اوپر مسلط کیے ہوئے ہیں۔

آج ہم اپنے دوستوں میں دشمن تلاش کریں

کینیڈا کے بعد امریکہ کا سفر جاری ہے میرے چند پرانے دوست نیو یارک میں جمع ہیں جن میں صحافی، ڈاکٹر، تاجر حضرات جو تین دہائی سے یہاں مقیم ہیں سب مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ میں تازہ تازہ پاکستان سے آیا ہوا ہوں ہر شخص مجھ سے پاکستان کے مستقبل کے بارے میں سننا چاہتا ہے مگر اپنے اپنے انداز سے سوالات کی بوچھاڑ بھی کر رہا ہے میں ایک جواب دیتا ہوں تو وہ دوسرا سوال داغ دیتا ہے۔ یہ سب محبت وطن بلکہ میں کہوں ترک وطن ہیں مگر ان کا سب کچھ پاکستان ہے اور پاکستان میں ہے یہ کسی بھی طرح اس سے الگ نہ ہو سکتے ہیں نہ ہونا چاہتے ہیں۔ ان سب کے عزیز و اقارب سب وہیں ہیں جن کی ان کو دن رات فکر رہتی ہے ان کا بس چلے تو وہ سب کو یہاں بلوا لیں۔ مگر اب نہ حالات ایشیائی باشندوں کے حق میں ہیں نہ ہی اب یہاں کے قوانین اتنے آسان ہیں جو 20 تیس سال پہلے ہوا کرتے تھے۔ امریکہ ہم سے صرف وقت میں پیچھے ہے یعنی پاکستان میں دن ہوتا ہے تو یہاں گذری ہوئی رات ہوتی ہے۔ وہاں ہم صبح اگر 9 بجے سو کر اٹھیں تو پاکستان میں شام کے 6 سے 9 بج چکے ہوتے ہیں صرف چند گھنٹے ہم آسانی سے بات چیت اور تجارت کر سکتے ہیں۔ پاکستان سے کوئی سیاسی، سماجی یا VIP شخصیت امریکہ آتی ہے تو ان لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ان سے بات کر کے صرف تسلی ہی کر لیں پھر میں کہوں گا سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ پاکستان کا کیا ہوگا؟ ہمارے سیاستدان ابھی تک کیوں مل بیٹھ کر اس کا حل تلاش نہیں کرتے۔ امریکہ کا میڈیا ہم سے متنفر رہتا ہے وہ ہماری چھوٹی چھوٹی سی خبر بھی بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ بد قسمتی تو دیکھئے امریکہ کی دیکھا دیکھی اب ہمارے پاکستانی چینلز بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔ وہ بھی ایسی بھیانک خبریں سناتے ہیں کہ دل و دماغ دہل جائیں۔ ان کا اثر تو اب ہماری خواتین پر بھی پڑنے لگا ہے۔ اچھا تو یہ ہے کہ ہماری نئی نسل پاکستانی چینلز و اخبارات سے دور ہے ان کو تعلیم، کھیل انگی گیموں میں ہی دلچسپی ہے وہ پاکستان کی سیاسی کھیلوں سے دور ہیں۔ امریکن سوسائٹی میں انکا بہت دل لگتا ہے جبکہ امریکن دوست ان کو پاکستان کے

حوالے سے بہت جھوٹا اور دہشت گرد تصور کرتے ہیں مگر ان نوجوانوں کے پاس کوئی معقول جواب اور جواز نہیں ہوتا کہ پاکستان میں دہشت گردی کیوں ہو رہی ہے اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ ایک مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ دوسرا تیار ہو جاتا ہے۔ ابھی اس خاتون جسے سوات میں سرِ عام کوڑے مارے گئے تھے جس کی وجہ سے پاکستان کی کتنی رسوائی ہوئی ہے آپ تصور نہیں کر سکتے کون اس سازش میں شریک تھا کس نے نمک مرچ لگا کر میڈیا میں پیش کیا۔ لاکھ ہم وضاحتیں کر لیں دنیا ہماری کوئی بات نہیں سنے گی اور نہ مانے گی۔ دنیا کے سوچنے اور سمجھنے کا پیمانہ (Barometer) ہی پاکستان کیلئے الگ ہے۔ ہم افغانستان کیلئے جتنا بھی کر لیں افغانستان صرف بھارت کا راگ الاپتا ہے اس نے چالیس سفارت خانے اس چھوٹے ملک میں کیوں کھول رکھے ہیں۔ افغانستان میں اندرا گاندھی ایئر پورٹ کیوں بنا رہا ہے؟ تین بڑے جہاز مفت افغانستان کی ہوائی کمپنی کو کیوں دیئے ہیں؟ نیپال جو اس کا مذہبی دوست ملک ہے آج تک ایک گاڑی بھی نہیں دی بلکہ جب تیل کی دنیا میں شارٹیج ہوئی تو بھارت نے نیپال کی 80 فیصد سپلائی ختم کر دی جس کی وجہ سے نیپال میں تیل کا بحران آ گیا مگر اس کے برعکس وہ افغانستان کیلئے مفت جہاز ہی نہیں مفت تیل بھی آریانہ ائیر لائن کو مسلسل فراہم کر رہا ہے۔ اس نے بھارتی پائلٹ بھی دے رکھے ہیں۔ آج افغانستان میں پاکستان کے راستے ادویات اناج، گوشت کی مفت سپلائی جاری ہے۔ افغانستان کے صدر حامد کرزئی جن کو پاکستان نے جائے پناہ سالہا سال تک دے رکھی تھی آج وہ کھلے عام پاکستان کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ ابھی ہم بیٹھے نیو یارک میں باتیں کر رہے تھے کہ ایک بریکنگ نیوز آئی کہ گوادر میں چند سیاسی افراد کو مار دیا گیا جس کی وجہ سے پورے بلوچستان میں ہڑتال، جلاؤ، گھیراؤ اور حکومت کے خلاف ایکشن کا اعلان ہو گیا تو دوسری طرف سوات میں صوفی محمد صاحب نے حکومت کے تمام معاہدے ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ کل سے اس شمالی علاقہ جات جہاں فوج اور طالبان کی کھلی جنگ جاری تھی کیا ردِ عمل ہوگا۔ پھر کتنی معصول ہلاکتیں ہوں گی۔ ان سب میں صرف اور صرف مسلمان ہی شہید ہوتے ہیں خواہ وہ سرکاری ہوں یا عوام دونوں طرف سے گولہ باری

ہوتی ہے ۔آتشیں ہتھیار استعمال ہوتے ہیں ، اسکولوں کی عمارتیں تباہ ہوتی ہیں ۔ہم سب یہاں سر جوڑے بیٹھے ہوئے ہیں ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے کہ کل پاکستان کا کیا ہوگا ہم کیوں ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہیں ۔یہ معصوم انسانوں کی قربانی کب تک ہم دیتے رہیں گے یقین کریں ۔میں ان تمام دوستوں کو کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں بہتر صرف یہی ہے کہ میں کہوں کہ اللہ سے دعا کرو کہ پاکستان کا مستقبل محفوظ ہو جائے ہم مزید دہشت گردی اور تباہی سے بچ جائیں ۔آج ہر روز ہمارے عوام خوفناک دہشت گردی کا شکار ہیں ۔کون ایسا کر رہا ہے؟ کیوں کر رہا ہے؟ کہیں یہ ہمارا دوست تو نہیں ۔

کاش ہم سوچیں

گذشتہ ہفتے میں کینیڈا کے بارے میں کئی معلومات پاکستان کی عوام کو فراہم کی تھیں جن میں کینسر کے علاج اوران سے بچاؤ کے بارے میں تفصیل سے لکھا تھا ۔مجھے غیر معمولی ای میل ملیں جس میں ان معلومات فراہم کرنے پر میرے قارئین نے شکریہ کے ساتھ لکھا کہ مزید تفصیل سے کینیڈا کے بارے میں اور بھی لکھوں ۔جیسا کہ میں نے لکھا تھا کہ یہاں نسلی تعصب اور مذہب کی مکمل آزادی ہے ۔یہاں بہت سے پاکستانی اپنے علاقے میں کونسلرز بھی منتخب ہو چکے ہیں خود میرے دوست انور عباس نقوی صاحب کا بیٹا نہ صرف منتخب ہو کر صوبائی پالیمنٹرین ہے اور صوبائی وزیر بھی ہے ۔بہت سے علاقوں کے کورز بھی ایشیائی باشندے ہیں ۔ان ایشیائی باشندوں جن میں پاکستانیوں کے علاوہ بھارت، چین اور کوریا سے آئے ہوئے تقریباً 40فیصد افراد اب کینیڈین باشندے بن چکے ہیں ۔انہیں کینیڈین باشندوں کے برابر سہولتیں حاصل ہیں، پوری مذہبی آزادی ہے، ہر شہر میں ان کی عبادت گاہیں ہیں جن میں وہ آزادی کے ساتھ عبادت کر سکتے ہیں ۔صرف ساڑھے تین کروڑ کی آبادی والے ملک میں کھربوں ڈالر کی تجارت کرتے ہیں ۔ہر شخص خوشحال ہے ۔اگر چہ مہنگائی بہت ہے ایک کلو مرغ کا گوشت جو سب سے سستا سمجھا جاتا ہے پاکستانی 400روپے کلو اور گائے بکرے کا گوشت 600روپے کلو سبزیاں، پھل 250روپے سے لے کر 400روپے کلو تک ملتے ہیں ۔ایک روٹی کی قیمت 100روپے سے زیادہ ہے ۔اس طرح دالیں، چاول، مصالحے سب باہر سے آتے ہیں وہ بھی 3چار سو روپے تک ملتی ہیں ۔حکومت انسانوں سے زیادہ جانوروں ، پرندوں ، کتے ، بلی کی حفاظت کرنے تمام دنیا سے آگے ہیں آپ ان کو اگر نقصان پہنچا دیں تو یہ بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے ۔ایک رات ہم کھانا کھا کر واپس آ رہے تھے کہ سڑک پر ایک جنگلی ہرن گاڑی سے ٹکرا کر مرا پڑا تھا ۔اس کے ارد گرد پولیس اور ایمبولینس کھڑی تھیں اور گاڑی والے سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی آیا وہ گاڑی جس سے وہ ٹکرا کر مرا تھا کہیں ڈرائیور بے احتیاطی سے تیز تو نہیں چلا رہا تھا ۔وہ ہرن کو کیوں نہیں بچا سکا کیونکہ جگہ

جگہ جنگل اور بڑے فارم ہاؤس ہیں۔سڑک پر بورڈ آویزاں ہوتا ہے یہاں سے ہرن رات کو اکثر نکل آتے ہیں لہذا یہاں سے آہستہ گزرا جائے۔جہاں میں نے کینیڈا کے بارے میں اچھائیاں لکھی ہیں وہاں خرابیاں بھی لکھتا چلوں کہ اس ملک میں معاشرتی برائیاں بھی ہیں۔آزادی اس حد تک ہے کہ عورت عورت سے اور مرد مرد سے شادی کرسکتا ہے اس کو قانونی آزادی ہے حتیٰ کہ مرد اور عورت بغیر شادی کے رہ سکتے ہیں اور بچے بھی پیدا کرسکتے ہیں اس لئے حکومت کی تمام دستاویزات میں بچے کے خانے کے آگے باپ کا نام نہیں ہوتا صرف ماں کا نام لکھا جاتا ہے۔عورتوں کو مکمل تحفظ حاصل ہے اگر خاوند اس سے مارپیٹ کرے تو پولیس خاوند کو گرفتار کر کے سزا دلواتی ہے،کیا یہ برائی ہے؟ آپ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتے۔طلاق کی صورت میں مرد کی آدھی جائیداد بیوی کو مل جاتی ہے اگر عورت زیادہ مالدار ہو تو غریب خاوند کو اس کی آدھی جائیداد ملتی ہے۔بچوں کی تعلیم اور دیگر اخراجات کا ذمہ دار مرد ہوتا ہے جب تک بچہ بالغ نہ ہو۔اگر خاوند کے پاس دولت نہ ہو تو ایسی صورت میں حکومت اس بچے کو کفالت میں لے لیتی ہے اس طرح تمام بچوں کو آپ ڈانٹ ڈپٹ یا ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔اگر آپ نے بچے کو تھپڑ مار دیا اور اس کا نشان پایا گیا تو اسکول کی ٹیچر فوراً پولیس کو مطلع کر دیتی ہے۔پولیس بچے سے پوچھ گچھ کر کے معلوم کرتی ہے کہ اس کو ماں نے مارا ہے یا باپ نے جو بھی ملوث ہوگا اس کو گرفتار کر کے سزا دی جاتی ہے خواہ بچے نے بدتمیزی ہی کیوں نہ کی ہو یا پھر بچوں کی ہیومن سوسائٹی بچے کو اپنی تحویل میں لے لیتی ہے۔اگر ماں باپ پولیس کو اور اس سوسائٹی کو لکھ کر معافی دیں اور ساتھ یقین دہانی کرائیں کہ وہ آئندہ بچے سے سختی سے پیش نہیں آئیں گے اور اس کا احترام کریں گے تب جا کر واپس بچے کو حوالے کر دیا جاتا ہے اگر بچہ واپس جانے پر آمادہ نہ ہو تو پھر وہ حکومت اور سوسائٹی کی کفالت میں پلے بڑھے گا۔ہمارے معاشرے میں ماں باپ کا احترام لازمی ہوتا ہے مگر وہاں 18 سال بعد جب قانوناً لڑکا لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی مرضی کے خودمختار بن جاتے ہیں خواہ وہ ماں باپ کے ساتھ رہیں یا جہاں چاہیں جس کے ساتھ رہیں وہ دونوں آزاد اور خودمختار ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اپنی

مرضی سے وہ جس سے چاہیں شادی کرسکتے ہیں آپ ان پر کوئی پابندیاں نہیں لگا سکتے البتہ سال میں ایک دن وہ مدرڈے اور فادرڈے ماں باپ کے نام پر مناتے ہیں ان کو پھول یا کارڈ بھیج کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ماں باپ کا فرض ادا کر دیا۔بہت سے والدین تو اس دن بڑی شدت سے انتظار کرتے ہیں کہ ان کے بچے ان سے ملنے آجائیں گے مگر اب آہستہ آہستہ ملنے ملانے سے بھی وہ کتراتے ہیں وہ بچے خود اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں یا پھر ویک اینڈ پر اگر ان کو فرصت ہو تب وہ جا کر مل لیتے ہیں ایک پاکستانی ڈاکٹر جو 30 سال سے ایک بڑے ہسپتال میں ملازمت کر رہے ہیں انہوں نے بتایا کہ جب یہ بوڑھے والدین ہسپتال میں آخری دن گزار رہے ہوتے ہیں تو ان کے بچے ہسپتال میں بھی آنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے صرف فون کر کے پوچھتے ہیں کہ یہ زندہ ہیں تو ان کو مایوسی ہوتی ہے اگر وہ مر جائیں تو ان کو جائیداد ملنے کی توقع ہو سکے۔ہر کینیڈین اپنی آمدنی اپنے اوپر ہی خرچ کرنا پسند کرتے ہیں۔بینک اور سود سے وہ مکان خریدتے ہیں سود ادا کرتے کرتے انکی ساری عمر گزر جاتی ہے بڑھاپے میں جا کر وہ مکان کے مالک بنتے ہیں۔کریڈٹ کارڈ پر وہ اپنی تمام ضروریات پوری کرتے ہیں اور وہ قسطیں ادا کر کے اپنی پوری زندگی گزارتے ہیں اگر اس معاشرتی برائی اور قرضوں کا نظام دیکھیں تو ہمارا ملک اس سے بہت بہتر ہے ان کو ہر کام حتیٰ کہ مکان کی صفائی،کھانا پکانا،برتن صاف کرنا،کپڑے خود اپنے ہاتھ سے دھونے میں انکی زندگی گزر جاتی ہے۔ذاتی ملازم کا کوئی تصور نہیں ہے۔جب ہم دیارِ غیر میں ہوتے ہیں تو ہم کو اپنا ملک بہت یاد آتا ہے مگر جب اپنے ملک میں ہوتے ہیں تو یہ دیارِ غیر جنت لگتا ہے۔اگر اس پر غور کریں تو یہ ان ممالک کی اچھائیاں جو انہوں نے ہمارے مذہب سے چُرائیں اور انکی برائیاں ہم نے اپنائیں۔آج وہ پوری دنیا میں سرخرو ہیں ہم ان کی برائیاں اپنا کر ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔کاش ہم سوچیں۔

﴿کینیڈا میں ایک ہفتہ﴾

خدا خدا کر کے پاکستان میں سیاسی حالات کچھ بہتر ہوئے ججز بحال ہوئے چیف جسٹس بھی بحال ہو گئے۔ کینیڈا سے ہمارے بہت پرانے سیاسی دوست بیرسٹر انور نقوی صاحب جو 30 سال پہلے پاکستان کی سیاست اور ملکی حالات کی وجہ سے کینیڈا میں جا کر آباد ہو گئے تھے ہر سال پاکستان سردیوں میں آتے تھے اور کینیڈا آنے کی دعوت دیتے تھے۔ صبح ہی صبح فون پر مبارکباد دی کہ اب ملک میں عدلیہ کی آزادی ہو گی عوام کو انصاف ملنے کی توقع ہو رہی ہے ساتھ ساتھ پھر کینیڈا آنے کی دعوت دی سوچا ایک ہفتے کیلئے کینیڈا گھوم آؤں۔ میں نے وعدہ کر لیا بہت خوش ہوئے اکثر امریکہ تو جاتا ہی رہتا تھا سوچا 15 سال بعد موقع مل رہا ہے کینیڈا پہنچ گیا۔ کینیڈا دنیا میں سویڈن کے بعد دوسرے نمبر پر انسانی حقوق کی آزادی کا علمبردار مانا جاتا ہے جہاں انسانوں کا ہی نہیں جانوروں، پرندوں اور درختوں کا ذمہ بھی حکومت لیتی ہے۔ اگر کسی پرندے کو بھی نقصان پہنچایا تو اس پر اسی طرح سزا ملتی ہے جتنا کسی انسان کو نقصان پہنچانے پر ملے گی۔ کینیڈا کے سب سے بڑے شہر ٹورنٹو جس کی آبادی صرف 57 لاکھ ہے۔ اس شہر کی اکثریت باہر سے آئے ہوئے چینی، بھارتی، کورین اور پاکستانی ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا علاقہ ہونے کے بعد باوجود کینیڈا کی کل آبادی کراچی سے صرف دگنی یعنی سوا تین کروڑ ہے۔ بہت سرسبز جھیلوں، دریاؤں، پہاڑوں اور سمندر کی وجہ سے جنت نظیر ملک ہے۔ یہاں انصاف اور تمام مذاہب کی مکمل آزادی ہے۔ جگہ جگہ بے پناہ مساجد، مندر، گردوارے اور گرجا گروں کی بہتات ہے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں جس میں انصاف، معاشی سہولتیں، تعلیم، علاج معالجہ سب حکومت کی ذمہ داری میں شمار ہوتا ہے ہر کینیڈین کا حق سمجھا جاتا ہے۔ یہاں ایک بھی پرائیویٹ ہاسپٹل بنانے کی اجازت نہیں ہے نہ ہی امریکہ کی طرح پرائیویٹ یونیورسٹی ہے البتہ ہر مذہب کو اجازت ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تعلیم دے۔ یہاں مسلمانوں کیلئے حلال گوشت ہی نہیں تمام حلال اشیاء با آسانی فراہم ہیں۔ بہت سے کھانوں، چاکلیٹ، بسکٹ سمیت حلال ہر جگہ دستیاب ہیں۔ کینیڈا میں جگہ جگہ اسلامی فاؤنڈیشن

والوں نے مساجد کے ساتھ ساتھ اسکول کھول رکھے ہیں جہاں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ یہاں کے قوانین بہت سخت ہیں اور سب سے بڑی بات ان پر سختی سے عمل بھی کیا جاتا ہے۔ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں کوئی بھی شخص قانون توڑنے کا نہیں سوچ سکتا خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو یا ایک معمولی ورکر ہو وہ غلطی کرنے پر سزا سے نہیں بچ سکتا۔ یہاں سب سے بڑا جرم جھوٹ بولنا ہے۔ غلط بیانی یا غلط معلومات فراہم کرنے پر کمپنیوں پر زبردست جرمانہ ہو سکتا ہے۔ اگر کسی اشیاء کے لیبل پر غلط بات ثابت ہو جائے تو ایک عام شہری اس بڑی سے بڑی کمپنی سے ہرجانہ وصول کر سکتا ہے۔ اگر آپ کو چیز خریدنے کے بعد پسند نہ آئے تو آپ بل دکھا کر واپس کر سکتے ہیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے البتہ ہم نے اس کو چھوڑ دیا بلکہ ہمارے پاکستان میں بہت سے کیش میمو پر لکھا ہوتا ہے ''فروخت شدہ مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا'' خواہ وہ مال خراب ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ان غیر مسلموں نے اسلام کے اس سنہری اصول کو اپنا کر اپنی معیشت کو مستحکم کر لیا ہے جس طرح خلافتِ راشدہ کے زمانے میں بیت المال سے غرباء کی مدد کی جاتی تھی۔ کینیڈا میں کوئی بھوکا نہیں مر سکتا تمام علاج معالجہ، تعلیم مفت ہے۔ بے روزگاری الاؤنس، بزرگوں اور بوڑھوں کو رہائش فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ 65 سال کے ہر باشندے کو 900 ڈالر الاؤنس ملتا ہے تا کہ بڑھاپے میں وہ اپنا گزارا کر سکے۔ کینیڈین باشندے بات کے پکے اور سچے، بہت خوش اخلاق ہوتے ہیں، ہر ایک کی مدد کر تیار ہوتے ہیں۔ بہت پرسکون ملک ہے۔ امریکہ اور دوسرے ممالک کی طرح کینیڈا پر ایشیائی باشندوں کے سلسلے میں بہت دباؤ ہے۔ اس ملک کو بہت مین پاور کی ضرورت ہے ہر سال لاکھوں افراد کو دنیا بھر سے کینیڈا امیگریشن ملتی ہے جو 3 سال کے بعد کینیڈا کا پاسپورٹ دے دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصلی کینیڈین اب اقلیت ہوتے جا رہے ہیں۔ مقامی کاروبار باہر سے آئے ہوئے باشندوں کے پاس ہے جبکہ امریکہ کی تجارت میں مکمل عمل داری ہے۔ امریکہ ہر شعبہ میں چھائے ہوئے ہیں جیسا اوپر لکھا ہوا ہے کینیڈین باشندے بہت شریف النفس ہوتے ہیں یہاں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

ہر سال لاکھوں افراد دنیا بھر سے نیاگرا آبشار دیکھنے آتے ہیں جو دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ مذاہب کی جتنی آزادی کینیڈا میں ہے شاید اتنی مسلمانوں کے فرقوں میں پاکستان میں بھی نہیں ہے۔ مجھے بتایا ایک نئے علاقے میں جب وہ آباد ہوا تو ایک جگہ کیلئے مسلمانوں نے مسجد بنانے کی اجازت مانگی اور اسی مخصوص جگہ کیلئے چرچ کی بھی اجازت مانگی گئی تو حکومت نے مسلمانوں کو مسجد بنانے کی اجازت دی اور کہا کہ چرچ یہاں سے کچھ فاصلہ پر موجود ہے جبکہ مسلمانوں کی عبادت گاہ دور دور تک نہیں ہے۔ یہاں کا موسم سردیوں میں بہت سرد یہاں تک کہ درجہ حرارت منفی 20 سے 25 تک ہو جاتا ہے جو 7 آٹھ ماہ تک رہتا ہے۔ گرمیاں صرف 4 ماہ تک ہوتی ہیں صرف انہی 4 ماہ تک وہ کاشتکاری کرکے پورے امریکہ کو پھل سبزیاں، گیہوں، کارن فراہم کرتے ہیں جبکہ ہم پورے سال کاشتکاری کرکے بھی اچھی طرح فصل نہیں اُگاتے۔ نہ ہمارے پاس جدید آلات ٹیکنالوجی ہے، ہمارے پاس تو اصلی کھاد اور دوائیاں تک دستیاب نہیں ہے۔ صرف کینیڈین امریکن باڈر سے کنٹینروں کے ذریعے ایک ارب ڈالر روزانہ کی تجارت ہوتی ہے جو خالص کینیڈین اشیاء ہوتی ہیں البتہ کینیڈا امریکہ سے صرف 25 فیصد مال درآمد کرتا ہے۔ امریکہ کو سب سے زیادہ بجلی نیاگرہ آبشار سے فراہم کی جاتی ہے۔

کینیڈین حکومت اپنے باشندوں کو علاج معالجے کے متعلق بہت سی اہم معلومات بھی فراہم کرتی رہتی ہے۔ صحت سے متعلق اکثر معلومات کتابوں، اشتہارات، کمیونٹی سنٹر، ہسپالتوں میں سیمینار منعقد کرکے فراہم کرتی ہے۔ اتفاق سے جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا وہاں کے مقامی اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی وہ کینسر کے علاج سے آگاہی کے متعلق تھی۔ میں نے وہاں جا کر وہ سیمینار اٹینڈ کیا جو نہ صرف مفت تھا بلکہ شرکاء کیلئے ہائی ٹی بھی رکھی گئی تھی۔ پورا آڈیٹوریم بھرا ہوا تھا موضوع تھا کہ آپ آنتوں کے کینسر سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ آج پوری دنیا میں آنتوں کے کینسر سے ہر سال لاکھوں افراد مر رہے ہیں۔ میں اس سیمینار سے حاصل شدہ معلومات اپنے پاکستانی بھائیوں اور بہنوں کو فراہم کر رہا ہوں۔ ایک گھنٹے

کے لیکچر میں انہوں نے بتایا کہ آنتوں میں کینسر کیسے شروع ہوتا ہے اور اس کے آثار کیسے پیدا ہوتے ہیں اور بچاؤ کے کیا طریقے ہیں؟ ان کے پروفیسر نے بتایا کہ آنتوں کے کینسر سے بچاؤ کیلئے اکثر 50 سالہ مرد اور عورتوں کو چاہئے کہ اپنے ڈاکٹر کی معرفت انکی تشخیص کروائے اس کی (CT-COLONOGRAPHY) سی ٹی کولونوگرافی کروا کے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی آنتوں میں ایک قسم کی گٹھلیاں چھوٹی چھوٹی آنتوں سے چپک جاتی ہیں جس کو با آسانی آنتوں سے الگ کر کے مریض کی جان بچائی جا سکتی ہے۔ اگر یہ شروع میں نہیں الگ کی گئیں تو خطرہ مزید بڑھنے کی صورت میں لاعلاج ہو سکتا ہے اسی وجہ سے دیر میں تشخیص کی وجہ سے ہمارے ملک میں 65 سے 70 سال کے مرد، عورت آخری اسٹیج میں پہنچ جاتے ہیں اس وقت کافی دیر ہو چکی ہوتی ہے پھر مریض بستر پر لیٹے لیٹے موت کی گھڑیاں گن کر مر جاتا ہے۔ جب مرض کی علامات شروع ہو جاتی ہیں تو مریض کو ڈائریا یا قبض کی شکایت ہوتی ہے۔ پھر پاخانے میں خون آنا شروع ہو جاتا ہے یا پھر پاخانے کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔ بہت سے مریضوں کو پیٹ میں اکثر درد رہتا ہے جب یہ کینسر میں تبدیل ہوتا ہے تو اچانک بغیر کسی وجہ کے وزن کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بہت سے مریضون میں ایسی علامات بظاہر نہیں ہوتیں اس لئے بہتر ہے کہ 50 سال کے بعد ہر 5 سال بعد دوبارہ ٹیسٹ کروائیں یہ کوئی مشکل ٹیسٹ نہیں ہے۔ علامات کا انتظار نہ کیا جائے یہ کسی وقت بھی کسی کے ساتھ پیش آ سکتا ہے۔ جوں جوں یہ مرض بڑھے گا اس کے ٹیسٹ بھی پیچیدہ ہوتے جائیں گے۔ اس طرح اس کا علاج بھی مشکل ہوتا جائے گا۔ ہمارے ملک میں صرف پولیو اور ڈینگی بخار تک ہی عوام کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے یہ بھی بتایا اکثر عورتوں میں چھاتی کا کینسر بچوں کو اپنا دودھ نہ پلانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور 40 فیصد عورتوں کا چھاتیوں کا کینسر سگریٹ اور شراب پینے کی وجہ سے تشخیص ہوا ہے۔ ہماری حکومت کو بھی چاہئے کہ عوام کو ان کے علاوہ دوسری خطرناک بیماریوں سے پیشگی آگاہ کرے۔

ایک ہفتے کینیڈا میں رہنے کے بعد یہاں کا سکون، انصاف، قانون کی حکمرانی، سڑکوں کی صفائی ستھرائی دیکھ کر دل نے کہا کاش کوئی پاکستان میں بھی ایسا نظام لے آئے جس کیلئے ہم نے یہ ملک بنایا تھا۔

مثبت سیاست کی ضرورت ہے

آج سے تقریباً 30 سال پہلے جب تمام یورپ میں پاکستانیوں کیلئے ویزے نہیں ہوتے تھے جہاں جانا ہوتا تھا بے دھڑک چلے جاتے تھے اتفاق سے سوئزرلینڈ جانے کا اتفاق ہوگیا۔ جہاز سے زیورخ ایئرپورٹ پر اُترا بہت چھوٹا سا ایئرپورٹ تھا حتیٰ کہ کراچی سے بھی چھوٹا تھا صرف ایک بڑا سا حال تھا جس میں صرف 2 کاونٹر تھے پاکستانی پاسپورٹ دیکھ کر امیگریشن والے افسر نے کہا سوئزرلینڈ میں داخل ہونے کیلئے پیشگی ویزے کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا میں تقریباً تمام پڑوسی ممالک جرمنی، اٹلی، فرانس اور انگلینڈ تک گھوم چکا ہوں۔ سوچا سوئزرلینڈ جس کو اس وقت بھی یورپی جنت کہا جاتا ہے مجھے علم نہیں تھا کہ یہاں کیلئے پیشگی ویزہ درکار ہوگا۔ میں واپس جانے کیلئے مڑا تو اس افسر نے کہا اگرچہ تم سے بھول ہوگئی ہے مگر میں تمہارے شوق کو مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ تم اپنا پاسپورٹ میرے پاس امانت جمع کرا دو میں اجازت نامہ بنا دیتا ہوں جب واپس جاؤ گے تو تمہارا پاسپورٹ واپس مل جائے گا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا پاسپورٹ اس کے پاس جمع کرا کر ایک ہفتے سوئزرلینڈ کی جی بھر کر سیر کی۔ دریا، پہاڑ، خوبصورت جھیلیں اور شفاف سڑکیں دیکھ کر اپنا شمالی علاقہ جات یاد آگیا تقریباً ایک جیسی مماثلت تھی صرف فرق یہ تھا کہ وہ علاقے بہت ترتیب اور قرینے سے بنائے گئے تھے جبکہ ہمارے شمالی علاقہ جات کی سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی تھیں آج اتفاق سے امریکہ جاتے ہوئے پھر سوئزرلینڈ کے شہر زیورخ سے گزر ہوا اکثر امریکہ جاتے ہوئے اسی ایئرپورٹ سے ٹرانزٹ جاتا رہتا تھا مگر اس مرتبہ جب ایئرپورٹ پر جہاز بدلنے کیلئے اترا تو امیگریشن والوں نے بتایا کہ پہلی جنوری سے پاکستانیوں سے ٹرانزٹ کیلئے سوئزرلینڈ کا ویزہ ضروری ہوگیا ہے۔ سامان چونکہ امریکہ تک بک تھا میں نے امیگریشن آفیسر کو بتایا کہ میں کافی عرصہ سے یہاں ٹرانزٹ ہوتا رہا ہوں آئندہ خیال رکھونگا۔ اس سے پہلے یہ سہولت جرمنی نے بھی ختم کردی تھی۔ میرے پاس یورپ کا شینگن ویزہ تھا۔

سوئزرلینڈ شینگن ممالک میں شامل نہیں تھا اس لئے اس کیلئے الگ ویزہ لینا پڑتا تھا مگر ٹرانزٹ میں پیشگی

ویزہ ضروری نہیں ہوتا تھا۔ تمام یورپ کے علاوہ انگلینڈ اور سوئزرلینڈ ممالک میں شمار ہوتے ہیں صرف کسی بھی ایک ملک سے ویزہ لے لیں تو تمام یورپ گھوم سکتے ہیں۔ بڑی مشکل سے اس امیگریشن آفیسر نے مجھے ٹرانزٹ کی اجازت دی اور کہا کہ آئندہ ٹرانزٹ ویزے کے بغیر سوئزرلینڈ نہیں آئیں۔ گذشتہ ان 30 سال میں متعدد بار سوئزرلینڈ سے گزرتا رہتا ہوں آج اس چھوٹے سے ایئرپورٹ کی جگہ 6 ایئرپورٹس بہت بڑے سائز کے تعمیر ہوچکے ہیں۔ 30 سال پہلے ایک سوئس فرینک صرف ایک ڈیڑھ روپے کا ہوتا تھا آج 55 روپے کے برابر ہوچکا ہے۔ سوئزرلینڈ یورپ میں بہت ہی چھوٹا ملک ہے جہاں سوئی سے لیکر جہاز بنانے کے کارخانے موجود ہیں جس کی آبادی آدھی کراچی سے بھی کم ہے۔ صرف چاکلیٹ کی ایکسپورٹ پاکستان کے بجٹ سے زیادہ ہے۔ سیاحت میں یورپ میں فرانس کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ ایک تو ہمارے پاسپورٹ کو دیکھ کر ہر ایک کو پسینہ آجاتا ہے، پابندیاں لگ لگ کر آج ہم ٹرانزٹ کیلئے بھی ویزوں کے محتاج ہوچکے ہیں۔ ہماری آج کی نسل ان ترقی پذیر ممالک ممالک میں بڑی مشکل سے آجا سکتی ہے۔ پوری دنیا میں ہم بالکل تنہا ہوتے جارہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے اسلامی ممالک ہمیں ویزے دینے سے ہچکچا رہے ہیں۔ ہماری فارن پالیسی اتنی ناقص اور کمزور ہوتی جارہی ہے کہ ان ممالک کو ہم اپنے ایئرپورٹس پر ویزوں کی مفت سہولت فراہم کررہے ہیں مگر وہ پھر بھی آنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہم پر دہشت گردی کا لیبل بھی انہی لوگوں نے لگایا جن کی خاطر ہم انکی جنگ لڑ رہے ہیں کب تک لڑیں گے؟ نیٹو والوں کو ہم نے لاجسٹک فراہم کی، ان کی خوراک و ضروریات ہم پوری کررہے ہیں تو دوسری طرف افغانستان کی جنگ ہمارے علاقے میں پھیل چکی ہے نہ افغانستان مطمئن ہے نہ امریکہ ہم سے خوش ہے۔ معیشت تو پہلے ہی بیٹھ چکی ہے خود ملک میں سیاسی اُکھاڑ پچھاڑ ہم کو کہاں سے کہاں لے جارہا ہے۔ خدا خدا کرکے ججز صاحبان کا مسئلہ حل ہوا۔ چیف جسٹس صاحب بحال ہوگئے تو ایک نیا شوشہ صدر اور وزیراعظم کے دوران سردمہری پیدا کی جارہی ہے۔ نئے نئے سوالات جنم لے رہے ہیں پنجاب کا مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ چیف جسٹس بحال ہوکر پرانے

جج صاحبان کیا کردار ادا کرنے والے ہیں قوم کو چند دن کوئی اچھی خبر سننے کو ملتی ہے تو فوراً ہی کوئی نئی مایوسی پھیلا دی جاتی ہے۔ آخر تمام سیاستدان ایک ٹیبل پر بیٹھ کر کم از کم 5 سال کیلئے جمہوریت کو پنپنے دیں تو شاید ہماری معیشت میں بہتری آسکتی ہے۔ بیرون ملک ہمارا وقار بلند ہوسکتا ہے یہاں دیارِ غیر میں پاکستانیوں میں بہت بے چینی پائی جاتی ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنا سرمایا واپس نکال لیا ہے۔ اگر ہماری قومی حکومت مل کر مثبت کردار ادا کرے تو ہمارے پاکستانی اپنا سرمایا دوبارہ لانے کیلئے تیار ہیں وزیراعظم اور صدر صاحب دونوں اس طرف خصوصی توجہ دیں تو ہم آئی ایم ایف سے جان چھڑا سکتے ہیں ورنہ ہم مزید ان کے شکنجے میں گھر جائیں گے۔

﴿ممبئی انکوائری انٹرپول کے حوالے کردیں﴾

جب سے ممبئی میں ہوٹلوں اور یہودی مرکز نریمن ہاؤس، ریلوے اسٹیشن پر دہشت گردی کا واقعہ ہوا ہے بھارتی حکومت کا رویہ دوستی کی بجائے دشمنی اور دھمکیوں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ الزامات کی بھرمار اور پاکستان میں موجودہ جمہوری حکومت کو بدنام کرنے کی پالیسی اب نئی کروٹ لے چکی ہے۔ خصوصاً ہمارے دفاعی مشیر محمود علی درانی کے اعترافی بیان جو انہوں نے ٹی وی چینلز کو دیا۔ دس حملہ آور جو اس دہشت گردی میں مارے گئے وہ بھی پاکستانی تھے جبکہ بھارت نے ابھی تک ان 10 دہشت گردوں کے کوائف بھی نہیں بتائے تھے نہ ان کے فوٹو شائع کیے جبکہ اجمل قصاب کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ اس کو نیپال سے را کے ایجنٹ بھارت لے گئے۔ اس سلسلہ میں وہ قلابازیاں کھاتے رہے مختلف بیانات بھی دیتے رہے یہاں تک جنگ کی دھمکی دی گئی پھر غالباً بھارت میں کرسمس اور نیو ائیر پر حالات خراب نہ ہوں انہوں نے پینترا بدل کر دھمکیوں سے اجتناب کیا مگر جونہی کرسمس اور نیو ائیر گزر گیا وزیراعظم من موہن سنگھ صاحب نے یک دم اپنا لہجہ تبدیل کیا اور اب ڈائریکٹ حکومت پاکستان اور پاکستان کو ممبئی سانحہ کا موردِ الزام ٹھہرایا اور کسی کے اشارے پر پاکستان کو دہشت گردی کی پناہ گاہ قرار دے دیا۔ ابھی اس صدمے سے حکومت نہیں نکلی تھی کہ ہمارے مشیر دفاع محمود علی درانی نے اعتراف کر کے آگ پر تیل کا کام کر دکھایا۔ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی صاحب نے بروقت اقدام کر کے ان کو برطرف کر دیا۔ میرے خیال میں یہ سزا کافی نہیں ہے۔ دُرانی کے بیان نے ایک طرف پوری قوم کے سر جھکا دیئے تو دوسری طرف اب بھارت کو اس کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنے کا پورا موقع فراہم کر دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بھارت نے آئی ایس آئی کو اور حکومت پاکستان کو دو ہفتے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اس میں ملوث نہیں ہے تو پھر دوبارہ کیوں ملوث کیا گیا۔ حکومت پاکستان نے جب تسلیم کیا کہ اجمل قصاب پاکستانی ہے تو کس ملک میں دہشت گردوں کا جال نہیں پھیلا ہوا۔ اس کا مطلب یہ نہیں اگر کوئی پاکستانی گروہ اس میں ملوث ہو تو پوری قوم یا حکومت پر اس کی ذمہ داری کیسے ڈالی جاسکتی

ہے۔خود بھارت کا ماضی کا ریکارڈ سامنے رکھا جائے۔جب بھی بھارت میں دہشت گردی کا واقعہ ہوتا ہے وہ بغیر تحقیق کیے سب سے پہلے پاکستان کو ملوث کرتا ہے۔

بابری مسجد ہو یا گجرات میں ٹرین پر حملہ یا سمجھوتہ ایکسپریس میں اس کی اپنی ہی فوج کے عہدیدار ملوث پائے گئے۔ایک سال سے پاکستان ان کی دھمکیوں سے مرعوب ہوتا رہا ہے۔باوجود اس حقیقت اسلام آباد میں ہمارے ہوٹل پر دہشت گردی ہوئی ہم نے بھارت کا نام نہیں لیا۔شمالی علاقہ جات میں دہشت گردی ہو رہی ہے ہم نے بھارت کو ملوث نہیں کیا جبکہ اس وقت افغانستان میں بھارت پوری طرح چھایا ہوا ہے اس کا نیٹ ورک ہمارے دونوں باڈر پر پوری گرفت کے ساتھ قبضہ جمائے ہوئے ہیں ہم نے تو آج تک کوئی احتجاج تک نہیں کیا۔وہاں اتنے بھارتی مشن کیوں قائم کئے گئے۔ہمارے شمالی علاقہ جات میں انکے ایجنٹ کیوں ہمارا سکون خراب کر رہے ہیں۔امریکہ کیلئے میکسیکو کی مثال دونگا کہ ہر سال میکسیکن بارڈر سے ان کی مافیا کے لوگ کیلیفورنیا میں غیر قانونی طریقے سے گھس کر دو ڈھائی سو امریکن کو قتل کر کے واپس میکسیکو چلے جاتے ہیں۔آج تک امریکہ نے میکسیکو پر حملہ نہیں کیا۔یورپ میں اٹلی کی مافیا مشہور ہے اور کرائے کے قاتل کہاں نہیں ہیں مگر اس ملک کی حکومت کو ملوث نہیں کیا جاتا۔افسوس کا مقام ہے برطانیہ میں اگر کوئی برطانوی پاسپورٹ ہولڈر پاکستانی نژاد ہو تو الزام پاکستان پر لگایا جاتا ہے۔ہماری خارجہ پالیسی میں اتنی لچک کیوں ہے۔ہم کیوں سب کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر اپنی صفائیاں پیش کرنے لگتے ہیں کب تک ہم ان کے سامنے جھکتے رہیں گے۔کشمیر میں حریت پسندی بڑھتی ہے تو بھارت پاکستان کو اس میں ملوث کر دیتا ہے ہم کیوں خاموش رہتے ہیں؟ جب سمجھوتہ ایکسپریس کا ملزم بھارتی فوجی نکلا تو ہم نے عالم اقوام میں شور کیوں نہیں مچایا؟ اس ایک سال میں امریکہ کے حکمران کیوں بار بار پاکستان آ جا رہے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ان کے ایجنٹ دُرانی جیسے افراد ان کے نمک خوار ہیں جو ہم کو ڈرا کر ان کے مطالبات پورے کراتے رہتے ہیں اور وہ آج بھی اس میں سرگرم ہیں۔جب پوری قوم اور تمام سیاسی

جماعتیں پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشیں یا جنگ مسلط ہونے پر حکومت کے ساتھ کھڑے ہیں تو پھر کس بات کا ڈر ہے۔پاکستان الحمداللہ افواج پاکستان اور ایٹمی طاقت کے ہوتے ہوئے کیوں بھارت سے ڈر رہا ہے۔جنگ اچھی چیز نہیں ہے مگر قوم کے مورال کو دھچکا پہنچانا بھی صحیح نہیں ہے۔ہم نے جتنا جھکنا تھا وہ ایک حد تک ٹھیک تھا مگر جب دشمن اپنی حدیں پھلانگ لے تو اس کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔حکومت کسی بھی گروہ کی دہشت گردی کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ہم خود زبردست دہشت گردی کا شکار ہیں۔ہماری افواج خود اپنے ہی ملک میں پاکستان کا دفاع کر رہی ہے۔ہم نے طالبان کو قوت دی۔افغانستان میں ضیاءالحق نے امریکہ کے کہنے پر روس کے خلاف ان کا ساتھ دیا تو ہم چالیس لاکھ افغان مہاجرین کے ساتھ کلاشنکوف،منشیات میں خودکفیل ہو گئے۔افغانیوں نے پاکستان کا پاسپورٹ لے کر پوری دنیا میں منشیات پھیلا کر خود ہم کو بدنام کر دیا۔یو این او سے چار سو ڈالر لے کر بار بار وہ ہمارے ملک سے افغانستان آ جا رہے ہیں۔اسلام آباد اور کراچی میں ان کا پورا نیٹ ورک قائم ہے۔پشاور کے بڑے بڑے پلازہ ان کے ہیں۔تجارت اور ٹرانسپورٹ پر ان کا قبضہ ہے۔سودی کاروبار سے لاکھوں پاکستانی ان کے مقروض ہیں۔کیا ملا ہم کو ان کی مہمان نوازی کا؟ وہ آرام سے بھارت کی گود میں جا بیٹھے اب اور کیا ملے گا۔ہم نے دوبارہ امریکہ کے کہنے پر ان کو محفوظ راستہ دینے کی سہولت فراہم کر دی۔وہ وزیراعظم برطانیہ ٹونی بلیئر کی حکومت نہ بچا سکے نہ پرویز مشرف کی حکومت بچا سکے جب تک ان کے ہوتے ہیں وہ آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ماضی میں ایران عراق فلپائن کی حکومتیں جو ان کی دوست تھیں وہ عوامی رائے اور ریلے کے سامنے اپنی دوستیاں تبدیل کرنے کے عادی ہیں۔۔۔وہ جیتنے والے گھوڑوں پر ہی شرطیں لگاتے ہیں قوم بجلی،گیس،پانی،مہنگائی اور بے روزگاری سے شاید اتنی پریشان نہیں ہوئی جتنا بھارت کے سامنے کمزوری دکھانے سے ہوئی ہے۔جتنی سب کی محمود علی دُرانی کے اعتراف سے ہوئی ہے قوم میں 1971ء کی شکست کا زخم نہیں بھر سکا ہے وہ بھارت سے اس کا بدلہ لینے کیلئے 1965ء سے بھی کہیں زیادہ تیار ہے۔خود ہماری افواج سقوطِ ڈھاکہ کی ذلت دھونا چاہتی

ہے سر جھکا کر جینے سے سر اٹھا کر مرنا مسلمان کی پہچان ہے۔فیصلے کا وقت اب قریب آرہا ہے اور پانی سر سے اونچا جارہا ہے۔مصلحت ختم کیجئے بھارت کو کہیے کہ انٹر پول جو پوری اقوام عالم میں نیوٹرل ادارہ ہے اگر ہم مل کر اس کی تحقیقات نہیں کرسکتے تو پاکستان اور بھارت اس ممبئی انکوائری کو اس ادارے کے حوالے کردیں۔تمام ثبوت جو بھی ان کے پاس ہیں اس کے حوالے کردیں۔پاکستان اور بھارت اس کا فیصلہ مان لیں گے۔پھر دیکھئے یہی بھارت جس طرح کشمیر میں یواین او کی رائے شماری سے بھاگتا رہا ہے۔انٹر پول کی انکوائری سے بھی بھاگ جائے گا۔اور پاکستان کی حکومت کا ملوث ہونا ثابت نہیں ہوگا۔اس طرح بھارتی پروپیگنڈا بھی بے اثر ہو جائے گا اور پاکستان اپنی بے گناہی ثابت کرسکے گا۔میرے کالم چھپنے تک حالات کیا رُخ اختیار کریں گے اس کا مجھے علم نہیں مگر خدارا مشیر دفاعی امور پاکستانی کو سونپئے گا جس کسی کا تنخواہ دار نہ ہو جس کو قوم کا درد ہو اور وہ پاکستانیوں کی ترجمانی کرسکے۔

﴿چاند کی شہادتیں اور جدید سائنس﴾

گذشتہ سال موسم سرما میں ہم میاں بیوی امریکہ کے شہر نیویارک میں ساڑھے تین بجے دوپہر جے ایف کے ایئر پورٹ پر اُترے، اچانک ہم نے دیکھا کہ برف باری شروع ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایئر پورٹ اور باہر کی سڑکیں برف سے ڈھک گئیں۔امیگریشن کاؤنٹر سے باہر آتے آتے ایک گھنٹہ لگ گیا۔ہماری دوسری فلائٹ شام 6 بجے تھی۔ہم کو دوسرے ٹرمینل بھی جانا تھا جس پر جانے کیلئے مونوریل تھی جس کے ذریعے تمام مسافر ایئر پورٹ کے تمام ٹرمینلز پر آجا سکتے ہیں۔ہم دوسری ایئر لائن کے ٹرمینل پر پہنچے چونکہ تمام ٹرمینلز آپس میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں تو وقت کا پتہ نہیں لگتا۔دوسری تمام فلائٹس کینسل ہوچکی تھیں۔ہم کو کہا گیا کہ ہماری اگلی فلائٹ جو 6 بجے جانا تھی موسم کی خرابی کی وجہ سے اب کل صبح 11 بجے جائے گی۔لہٰذا کل صبح ایئر پورٹ 2 گھنٹے پہلے آجائیں۔ہم ایئر پورٹ سے باہر آئے تو تمام سڑکیں برف سے اٹی پڑیں تھیں ہم کو رات ایئر پورٹ پر گزارنی تھی ہم نے ایئر پورٹ پر لگے ہوٹلوں کے ٹیلی فون گھمانے شروع کردیئے۔ایک رات رکنے کیلئے کمرہ درکار تھا۔اندرونی ٹیلی فون تمام ایئر پورٹ کے ہوٹلوں نے مسافروں کی آسانی کیلئے لگائے ہوئے ہیں اور بیشتر مسافر باہر جانے سے پہلے انہی ٹیلی فونز کے ذریعے اپنی رہائش بک کرواکر باہر ٹیکسی کیلئے نکلتے ہیں۔عام طور پر ایئر پورٹس پر ہوٹل سستے ہوتے ہیں۔ہم کو بمشکل 3اسٹار ہوٹل میں جو ایئر پورٹ سے آدھے کلومیٹر پر واقع تھا دُگنے کرائے پر کمرہ ملا۔ہم نے اس کو غنیمت جانا اور باہر آگئے اب مسئلہ ہوٹل تک پہنچنا تھا مگر باہر تمام ٹیکسیاں غائب تھیں۔اللہ اللہ کرکے ایک ٹیکسی آئی ہم نے وہ سامنے واقع ہوٹل کا نام لے کر کرایہ پوچھا تو اس نے کہا 50 ڈالر ہم نے کہا کہ 50 ڈالر تو شہر جانے کے ہوتے ہیں۔اس نے کہا کہ شہر جانے کے تمام راستے بند ہیں۔ہم نے اس کو غنیمت سمجھا اور ٹیکسی میں بیٹھ گئے دو منٹ بعد اس نے ہم کو مطلوبہ ہوٹل پر اُتار دیا۔ہوٹل میں پہنچ کر دیکھا ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی مگر چونکہ ہم نے ایئر پورٹ پر کمرہ بک کروالیا تھا تو ہم کو ریسیپشن والوں نے ہمارے کمرے کی چابی دیتے ہوئے بتایا چونکہ ہماری

فلائٹ صبح ہے تو آپ وقتِ مقررہ پر ناشتہ کر کے 9 بجے باہر آجائیں تا کہ آپ کو سامنے ائیر پورٹ پر پہنچایا جا سکے گا۔ہم سوچ رہے تھے کہ پورا شہر نیویارک برف سے بھر چکا ہے بھلا کل کیسے فلائٹ جائے گی۔ہم نے تسلی کیلئے کاونٹر والوں سے پوچھا کہ ایسے کیسے ممکن ہے کہ کل صبح 11 بجے فلائٹ چلی جائے گی۔انہوں نے بتایا کہ کل صبح 8:30 بجے سورج طلوع ہوگا بلدیہ برف صاف کرے گی برف پر نمک چھڑکے گی، ٹریکٹر برف کو سائیڈ لائن کریں گے، ٹریفک چالو ہو جائے گی۔اسی طرح اس وقت کے مطابق ائیر پورٹ کے رن وے صاف کئے جائیں گے اور جہاز اُترنا شروع ہو جائیں گے۔تمام معلومات ہمارا محکمہ موسمیات لمحہ لمحہ کی خبریں دیتا ہے اور وہ کم وبیش بالکل صحیح ہوتی ہیں۔یہ تمام موسمی خبریں نہ صرف ہوائی اڈوں پر بھیجی جاتی ہے بلکہ تمام ٹی وی چینلز پر عوام کو خبر دار کرنے کیلئے 24 گھنٹے نشر ہوتی ہیں تا کہ عوام اپنی آسانی کیلئے اس سے فائدہ اُٹھائیں اور صبح وشام موسم کے اعتبار سے اپنے پروگرام ترتیب دیں۔ہم کو اتنا بھروسہ موسم پر تو نہ تھا مگر چونکہ دوسری فلائٹ اب صبح جانے کی پیشگی اطلاع تھی ہم اس کی مناسبت سے اُٹھے، ناشتہ کیا اور 2 گھنٹے پہلے ائر پورٹ پر پہنچے تو واقعی ہمارا جہاز تیار کھڑا تھا۔11 بجے فلائٹ ہماری منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئی۔

تفصیل اس لئے میں نے قارئین کیلئے لکھی کہ آج سائنس نے دنیا بھر میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ تمام مواصلات خواہ وہ موبائل ہوں، انٹرنیٹ ہوں، موسم کے حالات ہوں سیکنڈ در سیکنڈ پہلے حاصل کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ آپ کے پاس وہ جدید آلات ہوں جس سے آپ معلوم کر سکیں کہ کب چاند طلوع ہوگا، کب غروب ہوگا، کب بارشوں کا امکان ہوگا اور بارش کی تو غیر ممالک میں صحیح پیشن گوئیاں ثابت ہوتی ہیں مگر پاکستان میں معذرت کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ہر سال عید اور بقر عید کے خوشگوار موقعوں پر اکثر چاند دیکھنے کیلئے 30 چالیس علماؤں کو چھت پر بٹھا کر دوربینوں سے یا شہادتوں سے چاند کے ہونے یا نہ ہونے کا اعلان کروایا جاتا ہے اور مزے کی بات صوبہ سرحد جواب پختونخواہ ہے وہ تقریباً ہر سال اپنے حساب سے ایک دن پہلے ہی عید اور بقر عید کرتا ہے وہ ان علماء کرام کے فیصلے بھی نہیں

مانتا۔50 سال پہلے چاند دیکھنے کا طریقہ اور آج کے طریقے میں سائنس حائل ہو چکی ہے اب سائنسی آلات بتا دیتے ہیں۔اس محکمہ مذہبی امور کے تحت ہر ماہ اتنے علماء کی تعداد کو جمع کرنا پھر ہر سال کروڑوں روپے خرچ کر کے صرف چاند کی شہادت حاصل کرنا جبکہ تمام صوبوں کا ان پر مکمل اعتماد نہ ہونا آپس میں فرقوں کی مزید تقسیم کا باعث ہوتا ہے۔ہم بحیثیت مسلمان اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہٹ چکے ہیں۔جس میں جھوٹ، سود، قتل، ایک دوسرے کا مال کھانا منع ہے اور انصاف، مساوات، نماز روزہ زکوٰۃ سب سے زیادہ ضروری تھے۔آج مسلمان معاشرے سے دور ہو کر غیر مسلموں میں جا چکے ہیں وہ ہماری اچھائیاں اپنا چکے ہیں اور ہم ان اختلافی چیزوں پر اُلجھے ہوئے ہیں۔پستی کی آخری حدود کو چھو کر بدنام ہو چکے ہیں۔ہمارے خوشی کے تہوار بھی تقسیم ہو چکے ہیں۔ماضی کے ڈکٹیٹر ایوب خان کا نظام جو انہوں نے رویت ہلال کمیٹی بنائی اس میں اپنی پسند کے ہم خیال علماء شامل کیے اس زمانے میں جب ہمارے ملک میں سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی آج بھی 30 چالیس سال پرانا نظام عوام پر مسلط کر رکھا ہے اس تفریق کو ختم کرنے کیلئے چاند کی شہادت سائنس کے حوالے کر کے جس طرح سعودی عرب اور مسلم ممالک میں سعودیہ کے ساتھ عید منانے کا نظام بنا دیا جائے تو اس سے مسلم علماء بھی ایک ہو سکیں گے۔تمام علماء پاکستان میں بیٹھ کر اس خوشی کے موقع کو یکجا کر دیں تو سعودی عرب میں ہونے والی بقر عید اور حج کے دوسرے دن تمام مسلمان ملکوں کی طرح پاکستان میں دوسرے دن قربانی ہو سکے گی اور یہ تفریق ختم ہو جائے گی۔آخر ہم انٹرنیٹ، موبائل فون، سیٹلائٹ جیسی سائنسی ایجادات سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں تو پھر چاند کا مسئلہ کیوں اس نظام سے حل نہیں کر سکتے۔

﴾ایک دلچسپ ای میل﴿

میرے ایک قریبی دوست پاکستان سے ایک سال قبل اب امریکہ میں رو رہے ہیں انہوں نے جو اکثر میرے کالم بھی پڑھتے ہیں جو امریکہ میں بھی چھپتا ہے لکھا تم ہمیشہ پاکستان کو چھوٹا ملک ثابت کرنے میں لگے رہتے ہو ایک ای میل بھیجی ہے جس کا عنوان "اپنی اوقات" ہے قارئین سے شیئر کر رہا ہوں وہ خود فیصلہ کریں مجھے کافی دلچسپ لگی ہے وہ لکھتے ہیں۔

ایک سوکھا سڑا، میلا کچیلا ہاتھ کھڑکی سے اندر آیا اور آ کر میرے سامنے پھیل گیا میری طبیعت خراب ہو گئی میں نے غصے سے باہر دیکھا کہ باہر ہاتھ سے کہیں زیادہ میلا کچیلا اور سوکھا سڑا بھکاری کھڑا تھا، میں نے اسے ہاتھ سے معاف کرنے کا اشارہ کیا اور گاڑی ریورس گیئر میں ڈال دی، ہاتھ وہیں رہا میں نے ہاتھ کو ہاتھ سے باہر دھکیلنے کی کوشش کی مگر ہاتھ وہیں رہا میرے غصے میں اضافہ ہو گیا میں نے شدید وحشت میں چلا کر کہا "کما کر کھاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہاتھ پاؤں دیئے ہیں" میلا کچیلا شخص ہنس پڑا اس کے دانت اس کے ہاتھ سے کہیں زیادہ گندے اور بدبودار تھے اس نے ہاتھ میرے سامنے لہرایا اور بدبودار لہجے میں بولا "کیا تمہیں اتنا ہی ملتا ہے جتنا تم کام کرتے ہو" جتنا تم اپنے ہاتھ پاؤں چلاتے ہو میرے دماغ کو آگ لگ گئی میں نے اس کا ہاتھ نہایت بدتمیزی سے جھٹک دیا ہاتھ واپس وہیں آ گیا میں نے گاڑی سے اترنے کیلئے ہینڈل کھینچا لیکن اس سے پہلے کہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوتا میرے ساتھی نے مجھے پرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور جیب سے پانچ روپے کا سکہ نکال کر بھکاری کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ بھکاری نے سکہ الٹ پھیر کر دیکھا اور پھر میری جھولی میں پھینک کر بولا "اس سے کیا ملتا ہے یہ دولت تم اپنے پاس رکھو" یہ اونٹ کی کمر میں آخری تنکا تھا۔ میرے ضبط کے سارے کیل قبضے نکل گئے، میرے منہ میں جھاگ آ گئی اور میں اپنی جسم کی ساری نفرت سمیٹ کر اس پر چڑھ دوڑا، تمہیں تمہاری اوقات کے مطابق تو دے دیا، اب تمہیں کپڑے بھی اتار کر دے دیں، بھکاری نے قہقہہ لگایا، ہاتھ واپس کھینچا اور نسبتاً اونچی آواز میں بولا "اللہ تعالیٰ نے جتنا تمہیں دیا کیا تمہاری اتنی اوقات تھی" میں نے غصے سے

ایکسلیٹر دبایا گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور میں اس میلے کچیلے، سوکھے سڑے بھکاری اور اسکے سوکھے سڑے اور میلے کچیلے ہاتھ سے دور چلا گیا۔

یہ شاید دوسرا چوک تھا یا تیسرا، گاڑی سگنل پر رکی، میں نے رومال سے پسینہ پونچھا، جوں ہی گرم سلگتے قطرے سوتی رومال میں جذب ہوئے میر ذات کی پہلی اینٹ نے اپنی جگہ چھوڑ دی، ایک سوال اندر سے اٹھا اور اٹھ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا، میں نے اپنے آپ سے پوچھا، اللہ نے مجھے جتنا دیا کیا واقعی میں اتنا ڈیزرو کرتا ہوں، جواب آیا "نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری اوقات سے زیادہ دیا" میں نے سوچنا شروع کر دیا، سوچتا گیا، سوچتا گیا، گتھیاں کھلتی گئیں، کھلتی گئیں، معلوم ہوتا گیا، ہوتا گیا، میں آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اس دنیا میں اربوں لوگ مجھ سے زیادہ ذہین، مجھ سے زیادہ محنتی اور مجھ سے زیادہ فنکار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے زیادہ عزت، ان سے زیادہ صحت اور ان سے زیادہ رزق دیا، اس دنیا میں کروڑوں، اربوں لوگ مجھ سے زیادہ کام کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے کام کو ان سے زیادہ درجہ اور ان سے زیادہ اہمیت دے دی، مجھے معلوم ہوا میرا رب مجھے میرے کام، میری محنت سے زیادہ دیتا ہے اس سوال کے بعد دوسرا سوال اٹھا اور اٹھ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا، میں نے اپنے آپ سے پوچھا "کیا میں دنیا میں اپنی اوقات کے مطابق زندگی گزار رہا ہوں"۔ جواب آیا "نہیں، اس سے لاکھ کروڑ درجے بہتر"۔ "میں نے سوچنا شروع کیا تو معلوم ہوا میری اوقات تو بہت ہی چھوٹی ہے میں معمولی معمولی باتیں برداشت نہیں کر سکتا، میں کمینگی، سفلے پن اور حرص کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا، میں اس قدر منتقم مزاج ہوں کہ اپنے سے کہیں زیادہ کمزور لوگوں سے بھی انتقام لیتے نہیں چوکتا، جھوٹا ہوں، غیبت باز ہوں، فحش کلام ہوں، احساس کمتری کا شکار ہوں اور خود غرض ہوں اور وہ کونسی خامی، کونسی خرابی ہے جو میرے اندر نہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کا کرم سر پر سایہ کیے ہوئے ہے، اللہ تعالیٰ نے میری ساری خامیوں ساری خرابیوں اور سارے عیبوں پر پردے ڈال رکھے ہیں، اللہ نے مجھے عزت، شہرت اور نیک نامی سے نواز رکھا ہے۔ میرے پاس آزادی ہے، آسائش ہے اور فراوانی ہے"۔ میں نے آگے

پیچھے مڑ کر دیکھا میرے سارد گرد لوگ ہی لوگ تھے۔ سر ہی سر، کندھے ہی کندھے اور دھڑ ہی دھڑ تھے۔ میں نے ان تمام دھڑوں، تمام کندھوں اور تمام سروں کو غور سے دیکھا مجھے سارے لوگ اپنے جیسے لگے مجھے معلوم ہوا ان سب لوگوں کو انکی محنت، انکے کام سے زیادہ مل رہا ہے، انہیں ان کا رب اوقات سے زیادہ دے رہا ہے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں وہ سارے دھڑ بہت سارے دھڑ بن گئے۔ وہ سارے کندھے بہت سارے کندھے بن گئے۔ وہ سارے سر بہت سارے سر بن گئے۔ یہ سارے سر، کندھے اور دھڑ 15 سولہ کروڑ بن گئے اور سڑک پھیل کر ملک بن گئی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان، پاک سرزمین شادباد۔ مجھے محسوس ہوا اس پورے ملک کو اس کی اوقات سے زیادہ مل رہا ہے۔ قدرت ان تمام سروں، کندھوں اور دھڑوں کو انکی محنت سے کہیں زیادہ صلہ دے رہی ہے۔ یہ سب لوگ بھارت میں بھی ہو سکتے تھے۔ اس بھارت میں جس میں 19 کروڑ لوگ 6 روپے روزانہ کماتے ہیں اور 6 کروڑ 2 روپے۔ جس میں 2 کروڑ اچھوتوں کو آج کے زمانے میں سائیکل بھی خریدنے کی اجازت نہیں۔ جو اپنی پشت پر جھاڑو باندھ کر پھرتے ہیں۔ جو جوتے نہیں پہن سکتے اور جو بڑی ذات کے ہندوؤں سے بات کرتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ ہم لوگ راوانڈہ، بروںڈی، کوسوو اور سربیہ میں بھی ہو سکتے تھے جہاں کوئی گھر ایسا نہیں جس کے صحن میں 4 پانچ قبریں نہ ہوں۔ یہ لوگ عراق اور افغانستان کے شہری بھی ہو سکتے ہیں جہاں زندگی اب خوف کا دوسرا نام ہے اور یہ لوگ ان بالٹک اسٹیٹس کے شہری بھی ہو سکتے تھے جن میں لوگ چند ڈالروں کیلئے اپنے بچے بیچنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہم سب لوگ اپنی اوقات سے کہیں بہتر زندگی گزر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے حالات اتنے اچھے جتنے ہونے چاہئیں لیکن ان حالاست کو تو ہم نے ہی بہتر بنانا ہے۔ اس نظام کو بدلنا، ظالم طرز حکومت کا رخ تبدیل کرنا، اپنے پاؤں کے کانٹے چننا ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ فرض، یہ ذمہ داری تو ہم نے ہی نبھانی ہے۔ قدرت نے تو کوئی کمی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہمیں آزادی دی، زمین دی، پانی دیا اور رزق دیا لیکن اب ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنے فرشتے نازل فرما کر یہ نظام بھی درست کر دے۔ وہ آصف علی زرداری کا دل پھیر

دے۔ وہ صدر پرویز مشرف کو اٹھا کر ایوان صدر سے باہر پھینک دے اور وہ فرشتے بھجوائے اور فرشتے ججوں کو انکی کرسیوں پر بٹھا دیں، تو یہ کیسے ممکن ہے؟

اللہ کرم کیا کرتا ہے اور اس کرم سے فائدہ تو انسان نے خود اٹھانا ہوتا ہے۔

میں نے یوٹرن لیا اور اس میلے کچیلے، سوکھے سڑے بھکاری کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ گاڑی سے اتر کر اسے تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ میں دیر تک تلاش کرتا رہا لیکن جب مایوس ہو گیا تو اندر سے آواز آئی وہ بھکاری بھکاری نہیں تھا وہ ایک پیغام تھا، وہ ایک خط تھا ادھورے پتے والا۔ بے رنگ خط اور بے رنگ خط میں کاغذ کی چھوٹی سی چٹ تھی اور اس چٹ پر لکھا تھا "یاد رکھو جو رب نعمت دیتا ہے وہ رب نعمت چھین بھی سکتا ہے، اگر اپنے رب سے اپنی اوقات سے بڑھ کر پانا چاہتے ہو تو اپنی اوقات میں رہو، شکر کرو، توبہ کرو اور ہر وقت اسے یاد رکھو"۔

﴾ایک اہم تقریب کا انعقاد﴿

کراچی میں 8 جولائی کو کراچی کونسل آف فارن ریلیشن اکنامک افیئر ز اینڈ لاء کے زیر اہتمام ایک ظہرانہ جو پاکستان میں مقیم غیر ملکی سفارتکاروں کے اعزاز میں جناب لیفٹیننٹ جنرل (ر) معین الدین حیدر چیئر مین کراچی کونسل آف فارن ریلیشن اور جناب مختار زبیری صاحب جنرل سیکرٹری کراچی کونسل آف ریلیشن کی جانب سے دیا گیا۔اس تقریب کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں چار غیر ملکی سفیر جن میں فرانس کے قونصل جنرل پیری سی لان ایران کے قونصل جنرل عزت مآب جناب مسعود محمد زمانی، بنگلہ دیش کے ڈپٹی ہائی کمشنر جناب ثاقب علی اور سری لنکا کے قونصل جنرل جناب وی ایس سیدات کمار جو سبکدوش ہو کر اپنے ممالک واپس جا رہے تھے اور 3 نئے سفراء جن میں جاپان کے قونصل جنرل جناب مساحاروساتو، چین کے قونصل جنرل جہاں ژانگ جانسگ اور کوریا کے قونصل جنرل جناب ان کی لی پاکستان میں تعینات ہوئے تھے۔

جناب معین حیدر صاحب نے ان نئے اور سبکدوش ہونے والے سفراء جنہوں نے پاکستان میں تعیناتی کے دوران خیر سگالی اور ہر دو ممالک کے درمیان خوشگوار تعلقات اور دوستانہ ماحول بنانے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔سب سے اہم تقریر فرانس کے سبکدوش ہونے والے قونصل جنرل جناب پیری سی لان نے اپنے دوران سفارت پاکستان کے تجربات پر روشنی ڈالی۔انہوں نے پاکستان کے مختلف علاقوں میں جا کر وہاں کے رہنے والوں سے ملاقاتیں کیں۔بہت سے رفاہی اداروں سے مل کر ان پسماندہ علاقوں میں تعلیم، صحت اور ان کی ترقی کیلئے فرانس کی طرف سے بہت کام بھی کئے۔پاکستانی قوم کی بہت تعریف بھی کی۔حکومت کی لاپرواہی، عوام سے بے زاری اور قوم کو غربت میں دیکھ کر ان کو افسوس بھی ہوا۔انہوں نے پاکستانی اداروں کی کرپشن کا ذکر بھی کیا مگر خوش آئند بات وہ ہر جگہ بے خوف خطر آتے جاتے رہے اور بہت سی خوشگوار یادیں خصوصاً کراچی والوں کی مہمان نوازی سے بہت متاثر تھے جنہوں نے ان کو 4 سالوں میں ظہرانے، عصرانے اور عشائیوں پر مدعو کر کے پاکستانی کھانے متعارف

کرائے۔

بنگلہ دیش کے قونصل جنرل جناب ثاقب علی نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ بنگلہ دیش جا کر پاکستان سے مزید تجارت بڑھانے کیلئے دونوں ممالک کے صنعت کاروں اور تاجروں میں رابطے کا کردار ادا کریں گے۔انہوں نے بھی پاکستان کے برادرانہ تعلقات کا خوشگوار انداز میں ذکر کیا اور کہا وہ گاہے بگاہے اپنے دوستوں سے ملنے پاکستان آیا جایا کریں گے۔ایران کے قونصل جنرل جناب مسعود محمد زمانی صاحب نے بھی پاکستان سے برادرانہ تعلقات کی بنا پر بہت اطمینان کا اظہار کیا۔بجلی اور گیس کی ایران کی طرف سے پیشکش کا بھی ذکر کیا۔آخری سبکدوش ہونے والے قونصل جنرل سری لنکا جناب وی ایس سیدات کمار صاحب نے پاکستان کی ترقی سے متاثر ہو کر کہا کہ اس ملک کے پاس ہر قسم کی سہولیات سری لنکا سے بہت زیادہ موجود ہیں مگر اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا ہے۔سری لنکا کے عوام پاکستان کے بہت ہی بہی خواہ ہیں۔سری لنکا نے ہر آڑے وقت میں پاکستان کا ساتھ دیا ان کے 2 کروڑ باشندے بھی پاکستان کی طرح تامل ٹائیگروں کے ہاتھوں دہشت گردی کا شکار رہے۔اب وہ تامل ٹائیگر سے چھٹکارا پا چکے ہیں جس میں بہت بھاری جانی و مالی نقصان ہوا تھا۔انہوں نے کہا بہت جلد پاکستان بھی دہشت گردوں سے چھٹکارا پا لے گا۔البتہ انہوں نے سری لنکا اور پاکستان کے درمیان بہت کم تجارت پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا دونوں ممالک کے صنعت کار اور تاجر حضرات آگے آئیں اور سارک ممالک کے ساتھ مل کر بہتر کارکردگی دکھائیں تا کہ باہمی تجارت سے دونوں ممالک کے عوام ترقی کر سکیں۔

نئے سفراء جن میں چین کے قونصل جنرل، کوریا کے قونصل جنرل اور جاپان کے قونصل جنرل نے صرف تعارفی اظہار خیال کیا۔اس تقریب میں راقم کے علاوہ قائم مقام امریکہ کی قونصل جنرل میری الزبتھ میڈن، جرمنی کے قونصل جنرل ڈاکٹر کرچین برنتھ، جرمنی کے ڈپٹی ہائی مشن اور فرانس کے کمرشل قونصلر کے علاوہ ملائیشیاء کے قونصل جنرل خالد عبدالرزاق، متحدہ عرب امارات کے قونصل جنرل

جناب سہیل متر سعید القطمی، روس کے ڈپٹی ہیڈ مشن کونسٹینٹن، ایران کے کمرشل اتاشی جناب احمد قاسی کے علاوہ تمام پاکستانی نمائندے جن میں فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز اینڈ کامرس انڈسٹریز کے صدر جناب سلطان احمد چاؤلا، پاکستان میں نیوزی لینڈ کے قونصل معین ایم فدا، سندھ صوبائی اسمبلی کے سپیکر جناب نثار احمد کھوڑو، عبرت اخبار کے قاضی اس عابد، سینچری 21 کے جناب سید صلاح الدین حیدر جناب جسٹس ریٹائرڈ سعید الزمان صدیقی، کیپٹن حلیم صدیقی، تھائی لینڈ کے ٹریڈ ایڈوائزر عارف سلیمان کے علاوہ بہت سے سابق سفارتکار، صنعت کار اور نامور شخصیات نے شرکت کی۔

تمام قونصل جنرل حضرات اپنی اپنی گاڑیوں میں بغیر اضافی سیکورٹی مقامی کلب میں تشریف لائے تھے۔ اس تقریب کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ آج کراچی میں ٹارگٹ کلنگ زوروں پر ہے روزانہ آٹھ 10 افراد اس کا نشانہ بن رہے ہیں۔ غیر ملکی سفراء کی ہر جگہ نقل وحمل جاری ہے۔ ہمارے فارن کمیشن کے متعلقہ افراد اس ملک کو دہشت زدہ ملک میں شامل کرا چکے ہیں۔ جبکہ ان سفراء نے ایسی کوئی بات نہیں کی جو ان کے سال یا سالوں کے دوران سیکورٹی کی مشکل پیش آئی ہو پھر کیا وجہ ہے ہمارے سفارتکار پاکستان پر چپکا دہشت گرد ملک کا لیبل اتروانے میں کیوں ناکام ہیں۔ ایسی تقریبات کی قومی ٹیلی ویژن سے تشہیر کیوں نہیں کی جاتی نہ ہی ہمارا میڈیا اس طرف توجہ دیتا ہے۔ اس کلب میں اتنے اہم سفارتکار، صنعت کار، جج حضرات کا جمع ہونا کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ پاکستان بھی ایک محفوظ ملک ہے محض منفی پراپیگنڈہ سے اس کو بدنام کر کے تنہا کرنے کی سازش کے سوا کچھ نہیں۔

﴿پڑوسیوں کے حقوق﴾

ایک ماہ قبل میری صاحبزادی جو لندن میں قیام پذیر ہے اس کو وہاں لندن میں ہسپتال میں ایمرجنسی میں داخل کیا گیا تو مجھے فوری طور پر لندن جانا پڑا۔ برطانیہ میں ہر شہری کے لئے مفت علاج و معالجہ کا بندوبست ہوتا ہے جس کو NHS یعنی نیشنل ہیلتھ سروس کہتے ہیں۔ وہاں کے ہسپتال میں مریضوں کی سہولیات دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہ سرکاری ہسپتال ہیں۔ ہمارے سرکاری ہسپتال تو دور کی بات پرائیویٹ ہسپتال بھی اتنے صاف ستھرے نہیں ہوتے ہر فلور پر مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے مرد اور عورتیں بہت بااخلاق ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر کا تو جواب ہی نہیں مریضوں سے ایسی گھل مل کر علاج کرتی ہیں جیسے واقعی انکی عزیزہ ہوں۔ ٹھہر ٹھہر کر رپورٹیں سناتی ہیں اور جب تک تسلی نہ ہو مریض کو سمجھاتی رہتی ہیں۔ ساتھ ساتھ مریضوں کو بھی ہدایت دیتی ہیں مریضوں کیلئے کھانے پینے کا بھی بہترین انتظام ہوتا ہے ہر مذہب کے مطابق حلال سبزیاں، یہودیوں کے کوشر (Koshar) گوشت کا بندوبست ہوتا ہے۔ مریضوں کو خوش اخلاق عملہ احساس نہیں ہونے دیتا کہ وہ گھر پر ہیں یا ہسپتال میں ہیں آدھے آدھے گھنٹے کے بعد ہر مریض کو آ کر دیکھتے ہیں۔ تمام ادویات بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ مریض کی تیمارداری کیلئے صبح و شام دو گھنٹوں کا وقفہ ہوتا ہے البتہ مریض کے ساتھ کمرے میں کسی کو بھی ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ میری صاحبزادی کا کمرہ الگ تھا میں نے طبیعت کی زیادہ خرابی کی وجہ سے خود یا میری اہلیہ کو ٹھہرنے کی اجازت ڈاکٹر سے مانگی تو اس نے برا سا منہ بنا کر کہا کیا آپ لوگوں کو میرے عملے پر اعتماد نہیں ہے۔ ہمارے فرض میں شامل ہے کہ ہم ہر حال میں مریض کی دیکھ بھال عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ میں لاجواب ہو کر بیٹی کے گھر واپس آ گیا تھوڑی دیر بعد کال بیل بجی میں نے دروازہ کھولا تو ایک نوجوان خاتون نے اپنا تعارف کرایا کہ میں پڑوسن ہوں آپ کون ہیں؟ میں نے بتایا میں صبوحی (میری بیٹی کا نام) کا باپ ہوں اور پاکستان سے اس کو ملنے کیلئے آیا ہوں اس نے مجھے اور میری بیگم کو بڑے ادب سے ہائے ہیلو کہا اور پوچھا کہ صبوحی کی طبیعت اب کیسی ہے کیونکہ اسکو نہیں معلوم

تھا کہ وہ کس ہسپتال میں ہے میں نے بتایا کہ اب طبیعت کافی بہتر ہو رہی ہے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ تین روز اور اس کو ہسپتال میں رہنا پڑے گا اس خاتون نے بتایا کہ وہ یہودی ہے اگر میں اجازت دوں تو وہ سبزیاں یا دال پکا سکتی ہے۔ اسکو معلوم تھا کہ ہم مسلمان غیر مسلم کا گوشت نہیں کھاتے اور یہودی بھی غیر کا پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے میں نے شکریہ ادا کیا تو اس نے ایک پیکٹ دیا اور کہا کہ اس میں کیک ہے جو خود اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے جب میں دوبارہ ہسپتال جاؤں تو صبوحی کو دینا اور کہنا کہ مجھے اسکی بہت فکر ہے خدا اس کو جلد تندرست کر دے اور وہ جلد اپنے گھر آ جائے۔ جاتے جاتے اس نے پھر کہا کہ مجھے یا بیگم کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے بتا دیں۔ شام کو میرے داماد آئے تو میں نے انکو پڑوسن کا کیک دیا اور کہا کہ رات کو جب وہ ملنے جائے تو کیک بھی ہسپتال ساتھ لے جائے۔ ابھی ہم تینوں بیٹھے ہی تھے کہ دوسری پڑوسن بھی آئی اس نے بھی میری بیٹی کے متعلق پوچھا وہ ایک بڑا تھیلا ساتھ لائی تھی اس میں فروٹ تھے اسکا تعلق جاپان سے تھا وہ بھی بہت پریشان تھی۔ میرے داماد نے بتایا کہ یہاں پڑوسی ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں آپس میں میل ملاپ کا یہ حال ہے کہ جب ہم پاکستان جاتے ہیں تو اپنے گھر کی چابی اور گاڑی چابیاں ایک دوسرے کو دے کر جاتے ہیں تا کہ وہ گھر میں اگر کوئی پرندہ یا جانور ہو تو اس کی دیکھ بھال کر سکے اور گھاس اور پودوں کو پانی دے سکیں ایک دوسرے کی ڈاک سنبھال سکیں۔ رات کو ایک بلب بھی جلا دیا جاتا ہے تا کہ کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ اس گھر کا مقیم باہر گیا ہوا ہے۔ یہ پڑوسی آپس میں کھانے پینے اور تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں اور ہر ایک کے تہوار پر ایک دوسرے کو وش کرتے ہیں ایک دوسرے کے بچوں کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں۔ لندن میں ہر مذہب، ہر نسل کے لوگ بستے ہیں انکو اپنے مذہب کی پوری آزادی ہے بہت سے گرجے تو مسلمانوں نے خرید کر مساجد میں تبدیل کر لئے ہیں کسی کو کسی کے مذہب پر اعتراض کرنے کی اجازت نہیں ہے البتہ عبادت گاہوں میں باہر لاؤڈ اسپیکر لگانے کی اجازت نہیں ہے۔ مسجد میں اندرونی حدود میں آپ اسپیکر لگا سکتے ہیں۔ لندن کی کی ہر کاؤنٹی (حلقہ) میں لازمی سرکاری اسکول ہوتا ہے جو اس علاقے کے

رہنے والوں کیلئے بالکل مفت پڑھائی کا بندوبست کرتا ہے۔ O لیول تک تعلیم مفت ہے ہر شیر خوار بچوں کو 14 سال تک دودھ الاونس ملتا ہے، بڑوں کیلئے بیروزگاری الاونس، رہنے کیلئے مفت مکان اور جیب خرچ دیا جاتا ہے۔ ہر علاقے میں مفت سرکاری ہسپتال لازم ہے۔ 24 گھنٹے مفت ایمبولینس سروس کا انتظام کاؤنٹی کرتی ہے جو پراپرٹی ٹیکس وصول کرتی ہے۔ علاقے سے ہر گھر سے ہفتے میں ایک مرتبہ کچرا اُٹھاتی ہے اور علاقے کی صفائی ستھرائی، کھیلوں اور تفریح کیلئے جگہ جگہ بڑے بڑے باغات اور بچوں کیلئے جھولے لگے ہوئے ہیں۔ تین ہفتوں کے بعد لندن سے واپس آ رہا تھا کیونکہ میری بیٹی بھی صحت یاب ہو کر چوتھے دن گھر آ گئی تھی ڈاکٹروں نے تین ہفتے کیلئے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا، دوائیاں اور احتیاط کرنے کا مشورہ دیا تھا میں سوچ رہا تھا کہ یہاں یہودی، مسلمان، عیسائی تین گھروں میں رہتے ہیں۔ الگ الگ ملک کے باشندے ایک دوسرے کے دکھ درد میں صرف پڑوسی کے ناطے ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں وہ بھی غیر ملک میں، ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے پڑوسی سے واقف نہیں۔ ایک دوسرے سے ملنے ملانے سے کتراتے ہیں آج پھر مذہب کی آڑ میں شیعہ سنی مرنے مارنے پر دوبارہ تلے ہوئے ہیں جبکہ اسلام سختی سے غیرب مذہب کے اقلیتی ہونے کے باوجود انکی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے۔ ایک حدیث ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم کو ناحق جان سے مارا تو وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا آج ہمارے ملک کا کیا حال ہے خود ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھوں غیر محفوظ ہو چکا ہے حکومت خود خاموش ہے۔ کرغزستان سے تو وہ پاکستانیوں کو نکال لائی ہے مگر کراچی کے ایک علاقے سے دوسرے علاقے کے لوگوں کا تحفظ فراہم نہیں کر سکتی۔ مہنگائی، لاقانونیت، دہشت گردی سے ہم کم پریشان تھے جو ٹارگٹ کلنگ کی وباء دوبارہ پھیلا رہے ہیں۔ ہمارے وزیر داخلہ کا بیان ہے کہ پاکستان کو ڈی اسٹیبلائز کرنے کا پروگرام ہے تو جناب آپ کی کیا ذمہ داری ہے۔ آپ اس ملک کے وزیر داخلہ ہیں کس بات کی تنخواہیں اور مراعات لیتے ہیں صرف بیان بازی کی؟

﴿یورپ میں گزرے اذیت ناک پانچ دن﴾

پچھلے ہفتے کینیڈا کی سیر کے بارے میں کالم لکھا تھا معلوم نہ تھا کہ اس کے بعد دنیا میں کیا ہونے والا ہے۔کینیڈا سے پاکستان کیلئے روانہ ہوئے اور راستے میں جہاز بدلنے کیلئے ایک دن سوئٹزرلینڈ میں رکنا تھا۔جب دوسرے دن سوئٹزرلینڈ سے روانہ ہونے لگے تو ایئرپورٹ پر غیر معمولی افراتفری دیکھنے میں آئی۔جب کاؤنٹر سے معلوم کیا کہ اتنی بڑی لائنیں اور بھیڑ کیوں لگی ہے تو معلوم ہوا کہ آئس لینڈ میں آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا ہے اس کا لاوا ہوا میں بکھر رہا ہے۔تعجب ہوا ہزاروں میل دور آئس لینڈ سے سوئٹزرلینڈ کا کیا تعلق ہے کہ تمام جہازوں کی آمدورفت بند کردی گئی ہے۔سوئٹزرلینڈ کا ہوائی اڈہ فوری طور پر جہازوں کیلئے چند گھنٹوں کیلئے بند کردیا گیا ہے اس وجہ سے مسافروں کو انتظار کیلئے رکنا پڑے گا۔چند گھنٹے بند کرنے سے مسافروں میں خصوصاً خواتین، بچے، بوڑھے پریشان ہوگئے۔پھر چند گھنٹے بڑھ کر 24 گھنٹوں کا اعلان ہوا۔مسافروں میں بے چینی بڑھتی گئی۔رات تک سوئٹزرلینڈ میں ہوائی کمپنیوں میں طے ہوا کہ مسافروں کو جو ٹرانزٹ مسافر ہیں ہوائی کمپنیاں ہوٹل میں ٹھہرائیں گی۔مگر ہم تو ایک دن رکنے کی وجہ سے اب نئے مسافر تھے ہم اپنے ہی خرچے پر ٹھہریں گے۔ہم واپس اپنے ہوٹل ٹھہرے تو ہوٹل والوں کی چاندی ہوچکی تھی۔منہ مانگا کرایہ طلب کرنے لگے خیر دگنے کرائے پر ایک دن کیلئے رک گئے۔تمام ایئرلائنوں کی طرف سے صرف ایک جواب آرہا تھا کہ اب جب تک انٹرنیٹ سے ہوائی اڈہ کھلنے کا اعلان نہ ہو برائے مہربانی آپ ایئرپورٹ کی طرف ہرگز نہ آئیں۔پہلا دن اسی افراتفری میں گزرا پھر معلوم ہوا کہ یورپ کے تمام ایئرپورٹس غیر معینہ مدت کیلئے بند کردیئے گئے ہیں۔یورپ کے رہنے والے ٹرینوں کی طرف دوڑے کیونکہ یورپ میں ٹرینوں کا جال بچھا ہوا ہے۔2 گھنٹوں سے لے کر بارہ 15 گھنٹوں کا سفر ایک عام بات ہے لہٰذا یورپ جانے والے مسافر تو ٹرینوں میں روانہ ہونے لگے معلوم ہوا کہ ٹرینوں میں بھی کافی رش بڑھ گیا ہے۔2 دن تک کی بکنگ فل ہوگئی۔ہماری طرح ٹرینوں میں لٹک کر یا ٹرینوں کی چھت پر نہیں بیٹھا جاتا کیونکہ تمام ٹرینیں الیکٹرک

سے چلتی ہیں اور ہمیشہ وقت مقررہ پر ہی پہنچتی ہیں۔ہمارا سفر تو یورپ سے بہت باہر یعنی دبئی سے کراچی تک کا تھا۔اس کی وجہ سوائے ہماری قومی ایئرلائن پی آئی اے کے کوئی بھی امریکی یا یورپ سے آنے والی ہوائی کمپنیاں پاکستان کے کسی شہر میں ڈائریکٹ تو کجا براستہ دبئی یا کسی اور گلف سے بھی نہیں جاتیں سب نے اپنے دفاتر تک پاکستان میں بند کردیئے ہیں صرف ان کے مقامی پاکستانی ٹریول ایجنٹ بکنگ کرتے ہیں۔3 دن تک جبری رہنے کی وجہ سے سوئٹزرلینڈ گھومنے کا موقع ملا۔سوئٹزرلینڈ بھی دنیا کے خوبصورت ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔اس ملک کی آبادی صرف ساڑھے سات ملین یعنی آدھی کراچی کے برابر ہے۔لاتعداد پہاڑ، جھیلیں، برف پوش چوٹیاں اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگاتی ہیں۔بالکل ہمارے شمالی علاقہ جات سوات، دیر، چترال، کاغان، کے ٹو سے بہت مشابہت رکھتی ہیں۔ایک زمانے میں تو ہمارے ان علاقوں کو منی سوئٹزرلینڈ کہا جاتا تھا۔جہاں صرف ہمارے ملک کے دوسرے علاقے کے باشندے گرمیاں گزارنے آتے جاتے تھے مگر جب سے طالبان آئے وہ اب اُجڑ کر رہ گئے ہیں۔بدقسمتی تو دیکھئے دنیا کی دوسری بلند ترین پہاڑوں کی چوٹی "کے ٹو" پاکستان میں واقع ہے جس سے ہم بہت زرِمبادلہ کمارہے تھے۔کروڑوں کی رقم پاکستانی سیاحوں سے ہر سال وصول ہوتی تھی۔ہوٹل اور مقامی لوگوں کے روزگار وابستہ تھے مگر وہ سب ایک سال سے ختم ہوچکا ہے۔اس سوئٹزرلینڈ میں لاکھوں غیر ملکی سیاح آتے جاتے ہیں۔بلند ترین پہاڑوں پر چیئر لفٹس لگی ہوئی ہیں۔برف پر اسکیٹنگ ہوتی ہے۔جھیلوں پر لوگوں کا جمگھٹا ہوتا ہے۔اس سوئٹزرلینڈ سے ملحق ایک ریاست ایسی بھی ہے جہاں بادشاہت ہے۔تمام دنیا کے بینکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔اربوں ڈالرز کا لین دین بھی اسی ریاست میں ہوتا ہے جس کیلئے پوری دنیا میں مشہور ہے وہ بھی دیکھا اور 3 دن گزر گئے۔پھر ایئرپورٹ پہنچے تو دیکھا لوگوں کا ہجوم تھا۔ایک تو ہوٹل بھرے ہوئے دوسری طرف کھانے پینے کا سامان بھی وہاں منہ مانگے داموں بک رہا تھا۔بہت سے سیاحوں کے پاس تو پیسے ختم ہوگئے تھے وہ سب ایئرپورٹ پر پڑے ہوئے تھے۔ہوائی کمپنیوں نے بھی مزید سہولتیں دینے سے انکار کردیا۔اس

ائیر پورٹ پر ایک تبلیغی ٹیم کے افراد سے ملاقات ہوئی جو مقامی مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے وہ لوگ بھی کافی پریشان تھے۔ اللہ اللہ کر کے پانچویں دن اعلان ہوا کہ چند پروازیں شروع کر رہے ہیں۔ پھر کیا تھا کاونٹرز کی طرف لوگ دوڑے، قیامت خیز منظر نظر آنے لگا۔ بہت بھاگ دوڑ کے بعد استنبول سے یورپ کی فلائٹ مل رہی تھی تو وہ بھی اسی طرح خوش تھے۔ 10 گھنٹے ائیر پورٹ پر رہنے کے بعد دبئی کی فلائٹ ملی پھر اللہ کا شکر ادا کیا کہ کم از کم اپنے ملک تو جانے کو ملا جہاں سے پھر جہاز پکڑ کر دوسرے دن کراچی کی فلائٹ ملی۔ کراچی روانہ ہونے پر آخری تازیانہ ہماری قومی ائیر لائن والوں نے دبئی سے کراچی آنے پر لگایا۔ ہمارے ٹکٹ بزنس کلاس کے تھے اور چھوٹا جہاز بھیج کر بزنس کلاس کی قیمت لے کر اکانومی (Economy) کلاس میں سفر کرایا۔ ایسی اذیت دیکھنے کے بعد پاکستان کی سرزمین پر پہنچے۔ یہ مناظر تمام زندگی یاد رکھنے کیلئے کافی ہیں۔ یہاں آئے تو معلوم ہوا ہزاروں پاکستانی یورپ جانے کیلئے بے تاب ہیں اس کی وجہ وہ وہاں سیٹل ہیں۔ وہ پاکستان کام سے یا عزیز و اقارب سے ملنے آئے تھے۔ ان کو اگلے ایک ہفتے میں بھی فلائٹ نہیں مل رہی ہیں کیونکہ ہمارے جہاز بہت کم یورپ جاتے ہیں ان کی مشکلات ابھی باقی ہیں۔ وہ کب اپنے اپنے کاموں پر پہنچیں گے اللہ کو معلوم ہے۔ ایسا لگتا ہے آتش فشاں کا لاوا آئس لینڈ میں نہیں پوری دنیا پر گرا تھا۔ کھربوں ڈالر اس کی نذر ہو گئے۔

﴿کینیڈا کی سیر﴾

امریکہ سے ملحق کینیڈا جانے کا اکثر اتفاق رہتا ہے اس سال گرمیاں آنے سے قبل اس ملک میں جانے کا اور ایک ماہ رہنے کا موقع ملا۔ بہت قریب سے اس ملک کا مطالعہ کیا۔ دنیا میں جنت کا گمان ہوتا ہے بہت مہذب قوم ہے۔ اتنا بڑا ملک ہے جس میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک جانے میں 10 دس گھنٹوں کا سفر درکار ہوتا ہے۔ ایک کروڑ اسکوائر کلومیٹر والے ملک کی آبادی صرف ساڑھے تین کروڑ سے بھی کم ہے۔ خوبصورت سڑکیں، مکانات ہی نہیں قدرتی حسن سے مالا مال دریا، جھیلیں، پہاڑ، نہریں، آبشار، سمندر، جنگلات سب کچھ اس ملک میں موجود ہے۔ جمہوریت کی مثال دی جا سکتی ہے۔ اسلام کے بتائے ہوئے انسانی حقوق اگر صحیح معنوں میں کسی ملک میں رائج ہیں تو کینیڈا سب سے آگے نظر آتا ہے۔ بچوں کے ہی نہیں اس ملک میں عورتوں کے حقوق دیکھنے کے قابل ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جانوروں، حیوانوں، چرند، پرند سب کے حقوق قانون میں نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے پالتو جانور کو بھی نہیں مار سکتے اور نہ ہی بھوکا مار سکتے ہیں۔ اگر پولیس کو معلوم ہو جائے تو آپ کو سزا ہو سکتی ہے۔ ایک مرتبہ رات کا کھانا کھا کر گھر لوٹ رہا تھا۔ راستے میں رات کے 12 بجے پولیس کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سامنے ایک ہرن کسی گاڑی سے ٹکرا کر زخمی پڑا تھا ایمبولینس بھی ساتھ کھڑی تھی۔ ایک ڈاکٹر اس کا معائنہ کر رہا تھا اور جس گاڑی سے ٹکرایا اس کے ڈرائیور سے تفتیش کی جا رہی تھی حالانکہ ساتھ والے جنگل سے نکل کر وہ خود سڑک پر آیا تھا، سڑک کے کنارے بورڈ لگا تھا "یہاں ہرن سڑک پر آ سکتا ہے لہٰذا آہستہ گاڑی چلائی جائے"۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ گاڑی والا اسپیڈ سے چلا رہا تھا تو اس کا چالان ہوگا اور پھر جرمانہ بھی ہو سکتا ہے۔ گاڑی والا اگر رات کے اندھیرے میں نہ رکے اور زخمی جانور مر جائے تو پولیس اس کی پوری طرح تفتیش کرتی ہے اور کھوج لگاتی ہے کس گاڑی سے ٹکرایا ہوگا۔ اس ملک میں آپ اپنے بچوں کو بھی نہیں مار سکتے اگر بچے نے اپنے ٹیچر سے شکایت کر دی تو یہ ٹیچر کا فرض ہے کہ وہ پولیس کو اطلاع کرے پھر والدین کو تھانے میں بلا کر پولیس تنبیہ کرتی ہے یا اگر پھر وہ ماریں تو بچے کو اپنی حفاظت

میں لے لیتی ہے اور ماں باپ جو بھی اس میں ملوث ہوگا اس کو قید و جرمانہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے حقوق مرد کے برابر ہوتے ہیں۔ آپ اپنی بیوی سے زبردستی نہیں کر سکتے اگر عورت خوشی سے حقوق زوجیت نہ ادا کرے تو آپ اس سے زبردستی نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ خلافِ قانون اور عصمت دری تصور ہوگا۔ ایک دعوت میں گئے تو ایک دوست نے بتایا۔ ان کے دوست کے ہاں دعوت تھی ایک مہمان نے میزبان کے لڑکے کو جو بہت خوبصورت تھا اس کے گال پکڑ کر پیار کر دیا بچے کو برا لگا اس نے دوسرے کمرے میں جا کر پولیس کو (911) پر فون کر دیا پولیس آئی لاکھ میزبان نے پولیس سے اپنے مہمان کو بچانے کی کوشش کی مگر پولیس نے اس میزبان کو ڈانٹ دیا اور بچے کے کہنے پر اس مہمان کو تھانے لے گئے اور مقدمہ درج کر لیا۔ حالانکہ مہمان خود پولیس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتا تھا۔ کو ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا مگر قرائن قیاس ہے کہ اس مہمان کو سزا ہو سکتی ہے۔ بچوں کی پیدائش سے ہی بچوں کا وظیفہ حکومت مقرر کر دیتی ہے۔ اسی طرح 65 سال کے بعد ہر کینیڈین کا پنشن بحال ہو جاتا ہے اور مرتے دم تک اس کو سینئر سٹیزن تصور کیا جاتا ہے۔ تمام سرکاری ٹرانسپورٹ مفت مہیا کی جاتی ہے ہر شہری کا مفت علاج معالجہ ہوتا ہے۔ اگر کسی شہری کا ملک میں علاج ممکن نہ ہو تو اپنے خرچے پر امریکہ یا یورپ جہاں علاج ممکن ہو حکومت کرواتی ہے۔ کینیڈا میں تمام مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اس لئے تمام مذاہب کی مکمل آزادی ہے۔ ہر طبقہ، ہر فرقے کو آزادی کے ساتھ اپنی اپنی عبادات کرنے کی اجازت ہے۔ اس سال محرم میں تو اہل تشیع کو محرم میں جلوس نکالنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ پولیس اسکارڈ اس جلوس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ امن اور سکون کا نام کینیڈا۔ 2 اڑھائی سو کلومیٹر کا سفر تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ دنیا کا سب سے بڑا (Mall) بھی کینیڈا میں واقع ہے جو ساڑھے پانچ سو کلومیٹر پر واقع ہے۔ سب سے بڑا آبشار بھی کینیڈا میں "نیاگرہ فال" کے نام سے مشہور ہے جسے دیکھنے لاکھوں سیاح باہر سے کینیڈا آتے ہیں۔ ہر 50 کلومیٹر کے اندر خوبصورت جھیلیں واقع ہیں ان کے کناروں پر خوشنما گھر بنے ہوئے ہیں۔ ٹورنٹو سے 250 کلومیٹر پر ایک دریا جزیرہ نما "ہزار آئیر لینڈ" کے نام سے مشہور

ہے۔ جس پر ہزاروں گھر بنے ہوئے ہیں جو جزائر کی شکل میں واقع ہیں۔ بہت مہنگے گھر ہیں اور صرف گرمیوں میں مالک مکان چھٹیاں گزارنے جاتے ہیں۔ یہ کینیڈا کے امیر ترین لوگوں کے ہیں صرف 5 ماہ کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ جن پر صرف بڑی لانچوں یا بوٹس کے ذریعے آیا جا سکتا ہے۔ خشکی کے علاوہ کوئی اور ذریعہ آمد و رفت ممکن نہیں ہے۔ کینیڈا میں 7 ماہ بہت سخت سردی بارشیں اور برفباری ہوتی ہے۔ درجہ حرارت نقطہ انجماد سے 25-20 تک کم ہو جاتا ہے۔ بس یہی 7 ماہ تکلیف دہ ہوتے ہیں بقایا 5 ماہ ہر طرف ہرا ابھرا ہوتا ہے۔ کینیڈا کی فی کس آمدنی 35 ہزار کینیڈین ڈالر ہے جو تقریباً امریکن ڈالر سے 5 فیصد کم ہوتے ہیں۔ اس مناسبت سے مہنگائی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک درجن اورنج جو کینیڈا میں پیدا ہوتے ہیں 8 سو روپے میں ملتے ہیں۔ ایک درمیانی تربوز 500 روپے میں اور ایک کلو پپیتا 300 روپے میں ملتا ہے۔ اسی طرح سبزیاں 300 روپے کلو سے کم نہیں ملتیں۔ خواہ کدو، بھنڈی، کریلا ہی کیوں نہ ہو۔ مرغی کا گوشت فی کلو ملتا ہے۔ حلال گوشت مسلمان 100 روپے مہنگا کر کے بیچتے ہیں۔ یہاں حلال اور حرام کی بہت احتیاط ہوتی ہے۔ اسلامی سینٹر بہت متحرک ہیں۔ یہاں تقریباً سوا لاکھ پاکستانی باشندے بستے ہیں انتہائی ڈسپلن میں رہتے ہیں۔ جمعہ اور بقرہ عیدوں پر مساجد بھری ہوتی ہیں۔ ہر لحاظ سے پاکستان سے زیادہ بہتر اور اسلامی اقداروں میں زندگی گزارتے ہیں۔ ایک ماہ کے دوران بہت اچھے اچھے مقامات دیکھنے کو ملے مگر ایک آدھ پولیس کی گاڑی نظر آئی۔ البتہ کسی بھی جگہ پولیس والا دیکھنے میں نہیں آیا۔ لوگ خود قانون کی حفاظت کرتے ہیں۔ حکومت کی حکمرانی قائم و دیدہ ہے ہر چیز مہنگی ہے حتیٰ کہ پاکستان سے بھی زیادہ مہنگا پیٹرول ہے اس کی وجہ کینیڈا پیٹرول تو پیدا کرتا ہے مگر آئل ریفائنری امریکہ میں ہے آنے اور جانے سے وہ امریکہ سے بھی مہنگا پڑتا ہے اور امریکی معاہدے کے مطابق کینیڈا اپنے ملک میں ریفائنری نہیں لگا سکتا ہے۔ اسی طرح امریکہ کینیڈا سے بجلی خریدتا ہے کینیڈا ہر صورت امریکہ کو ناراض نہیں کر سکتا کیونکہ امریکہ 70 فیصد مال کینیڈا سے خریدتا ہے جبکہ کینیڈا امریکہ سے 51 فیصد امپورٹ کرتا ہے۔ گویا کینیڈا کی معیشت امریکہ کی مرہون منت ہے۔ کینیڈا دنیا کا

واحد ملک ہے جس کی اس دباؤ والی معیشت میں پراپرٹی کے دام کم نہیں ہوئے بلکہ بہت جگہ دام بڑھ گئے ہیں۔اس کی وجہ کینیڈین حکومت اضافی مکانات نہیں بنانے دیتی جتنی ضرورت ہو اتنے ہی مکان بن سکتے ہیں۔ہماری طرح بلا ضرورت کوئی مکان نہیں بنتا اور اسی طرح پراپرٹی ٹیکس بھی بہت زیادہ ہیں۔انکم ٹیکس بھی دنیا بھی دنیا میں سب سے زیادہ یعنی 55فیصد تک ہوتا ہے البتہ سیلز ٹیکس صرف 7فیصد تک ہے۔ہر شخص ٹیکس دیتا ہے اور حکومت بہتر سروس دینے کی پابند ہے۔جانوروں کے حقوق پر یاد آیا میں اپنے دوستوں کے ہمراہ "ہزار آئی لینڈ" دیکھنے گیا تو سڑک کے کنارے ایک سرکار بورڈ پر تحریر تھا کہ ایک کتا گم ہوگیا ہے۔اس کتے کی بیماری کا حوالہ تھا کہ وہ 10 دن سے فلاح بیماری میں مبتلا ہے اور اس کو 8 گولیاں فلاں دوا کی دی گئی ہیں اور اسکا 28 دن کا علاج باقی ہے۔کتا بہت فرینڈلی ہے اگر کسی صاحب کو ملے تو براہ مہربانی نزدیکی تھانے میں مطلع کرے یا کم از کم اس کا علاج ضرور کرائے ورنہ وہ مر جائے گا۔کینیڈا میں دو بڑی قومیں ہیں ایک انگریزی بولتی ہے تو دوسری فرانسیسی بولی جاتی ہے جو الگ الگ ملک بنانا چاہتی ہیں۔ہر دس سال بعد ان کا ریفرنڈم ہوتا ہے پچھلے ریفرنڈم میں ان کو 49فیصد ووٹ ملے تھے اگر 50فیصد زائد ووٹ مل جائیں تو وہ بھی اپنا ملک الگ کرلیں گے۔یہ جمہوری روایت کی حد ہے۔اگر آپ الگ ہونا چاہتے ہیں تو بے شک اکثریت کی بنیاد پر آپ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔کینیڈا کو بیرونی لیبر اور ہنر مند ہر وقت درکار ہوتے ہیں۔اس لئے امیگریشن ہر وقت کھلی ہے آپ ان کے قوائد پورے کریں تو وہاں کی شہریت مل سکتی ہے۔پچھلے 9/11 میں جب امریکہ نے بہت سختیاں کیں تو پاکستانیوں کیلئے کینیڈا نے انسانی کردار ادا کرتے ہوئے اپنی سرحدیں کھول دیں اور بارڈر پار کیمپ بھی لگائے اور انہیں کینیڈا میں آنے کی اجازت بھی دے دی۔ایک ماہ کا پتہ نہیں چلا کہ کیسے گزر گیا جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے مگر ہر کام خود کرنا پڑتا ہے کوئی گھریلو نوکر نہیں ہوتے۔کھانا پکانا ہی نہیں، گھر کی صفائی ستھرائی بھی خود کرنی پڑتی ہے۔گھر کے باہر کی برف بھی خود ہٹانا پڑتی ہے۔سردی کا موسم نہ ہو تو یہ جنت سے کم نہیں ہے۔

﴿امریکہ میں کرسچن ملیشیاء گروپ کا انکشاف﴾

آج پوری دنیا دہشت گردی کا شکار ہے دن بدن دہشت گرد اپنا گھیرا بڑھا رہے ہیں۔کل تک القاعدہ، طالبان، مجاہدین اور طرح طرح کے نام اسلام کے ساتھ جوڑ کر سننے میں آتے تھے۔ان کو 9/11 کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جا چکا ہے۔افغانستان اور عراق جنگیں رونما ہو چکی ہیں۔کھربوں ڈالرز اس کی نذر ہو چکے ہیں۔دنیا کی معیشت کو بھی اس نے ہلا کر رکھ دیا ہے مگر امریکہ میں پہلی ایف بی آئی نے گزشتہ ہفتے امریکہ کی ایک ریاست مشی گن میں ایک گروپ Hutaree کے نام سے دہشت گردی پھیلانے والا تھا جو اپنے آپ کو کرسچن ملیشیا گروپ بھی کہتا ہے اس کے 9افراد کو گرفتار کرلیا جس نے ایک پولیس افسر کو پہلے قتل کرنا تھا پھر اس پولیس آفیسر کے جنازے میں شریک ہونے والے دیگر افسران کو نشانہ بنایا تھا مگر ایف بی آئی کی بروقت کاروائی نے اس کو ناکام بنا دیا۔اسلام کے بعد یہ پہلا مذہبی جنونی افراد کا گروپ سامنے آیا ہے جو کافی عرصہ سے مشی گن کے جنگلات میں نشانہ بازی اور دہشت گردی کی ٹریننگ لے رہا تھا۔اس کا دائرہ کار ابھی تک پوری طرح پتہ نہیں چل سکا۔امریکہ کے سب سے بڑے سراغ رسانی ادارہ ایف بی آئی اس گروپ سے تفتیش کررہے ہیں۔اس گروپ کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ اب بائبل کے مطابق بہت جلد دنیا میں آنے والے ہیں اور عیسائیت کے مخالف لوگوں کو وہ کیفر کردار تک پہنچائیں گے کیونکہ لوگ اب عیسائیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور حکومت ان کی پشت پناہی کررہی ہے وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی نشانہ بنانے والے تھے۔اس گروپ کے پکڑے جانے پر میڈیا نے ایسا زور وشور نہیں دکھایا جیسے اگر کسی اسلامی گروپ کے انکشاف یا گرفتاریوں پر امریکہ اور یورپ میں دکھایا جاتا ہے۔البتہ عیسائی مذہبی تنظیموں نے اس گروپ کو کرسچن کا نام استعمال کرنے کی مذمت کی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ عیسائی اور عیسائی مذہب کسی کو قتل کرنے کی ترغیب تو کجا نقصان بھی پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا۔یہ اس مذہب کو بدنام کرنے کی سازش ہے اس گروپ میں تمام عیسائی گورے افراد ہیں جنہیں مذہبی جنونی لگاؤ ہے۔9افراد میں ایک خاندان کے سربراہ جو اس گروپ کے

بھی سربراہ ہیں بیوی اور دو بیٹے شامل ہیں ۔اچھا ہوا یہ گروپ اپنے ابتدائی مراحل میں پکڑا گیا اور معصوم شہری اور پولیس کے افراد اس کا نشانہ بننے سے رہ گئے ۔آج کل دہشت گردی بھی ایک کامیاب کاروبار بن رہا ہے جس کی آڑ میں اسلحہ اور پیسہ دونوں وافر مقدار میں مل جاتا ہے ۔اس دہشت گردی کی وجہ سے آج معصوم عوام مشکلات کا شکار ہے ۔ائیر پورٹس پر گھنٹوں قطار میں لگ کر سیکورٹی کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ سامان کی تلاشی اور پھر جامہ تلاشی جیسے اذیت طلب مراحل سے گزر کر جہاز تک رسائی ہوتی ہے اور اب تو بڑے بڑے ائیر پورٹس پر اسکینگ مشینیں لگ رہی ہیں جس سے ہر مرد و خواتین کو گزرنا ہوگا۔ پہلے ہوائی جہاز کا سفر سب سے آسان سمجھا جاتا تھا مگر دہشت گردی کی وارداتوں کی وجہ سے اب سب سے مشکل ہو چکا ہے۔ کہیں کہیں تو ہمارے پاکستانیوں کو پانچ گھنٹے پہلے بلایا جاتا ہے، سامان کی تلاشی مشینوں اور کتوں کی مدد سے لی جاتی ہے۔ بچوں اور عورتوں کو بہت دشوار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے مگر دہشت گرد پھر بھی اس کا توڑ نکالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اب اسکینگ کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ سب سے زیادہ جانچ پڑتال امریکہ آنے اور جانے والوں سے کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ابھی تک امریکہ میں دہشت گردی یا خود کش حملے نہیں ہو سکے ۔ان کی سیکورٹی ایجنسیاں بہت محتاط رہتی ہیں اور عوام کو دہشت گردی سے بچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں ۔اوبامہ انتظامیہ کے آنے کے بعد اب پاکستان کے مطابق ان کی پالیسیوں میں بھی نمایاں تبدیلیاں آئی ہیں۔ خصوصا وزیر خارجہ اور ہمارے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کے دورے سے بہت مسائل حل ہونے کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں ۔امریکہ کے موجودہ ذمہ داران پاکستان کو اپنا اصلی پارٹنر تصور کرنے لگے ہیں ۔مالی امداد کے وعدوں میں بھی اضافہ ہو چکا ہے ۔اب وہ ڈو مور کی بات بھی نہیں کرتے اور بھارت کو بھی مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اپنے پڑوسی ممالک سے اچھے تعلقات پیدا کرے ۔ان کو اب یہ احساس ہو چکا ہے کہ پاکستان خود دہشت گردی کا شکار ہے ۔افغانستان سے ملحقہ علاقے اب دہشت گردوں سے پاک ہو چکے ہیں اور پاکستانی فوج نے بہت کامیابیاں حاصل کیں اور کافی جانی و مالی نقصانات بھی

اُٹھائے مگر دہشت گردوں کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے اور امن قائم کرنے کیلئے دن رات ایک کر دیئے اور کامیابی حاصل کر لی۔

قوم کو 18 ویں ترمیم کا مسودہ منظور کر کے ہمارے سیاست دانوں نے ایک مرتبہ پھر بہترین مثال قائم کی ہے امید ہے کہ آئندہ بھی مفاہمت کی مثال برقرار رہے گی مگر حکومت نے ایک بار پھر پیٹرول کی قیمتوں میں اضافہ کر کے قوم کو مایوس کیا ہے جبکہ دنیا میں پیٹرول کی قیمتیں پانچ سالوں کیلئے منجمد کرنے کی باتیں ہو رہی ہین ۔ہم 150 ڈالر کے نرخ کے زمانے سے بھی زیادہ دام دے رہے ہیں ۔اسکا جواز ہماری حکومت کے پاس بھی نہیں ہے۔

﴾مسلمان کب تک غلامی یا جی حضوری کرتے رہیں گے﴿

لندن میں گذشتہ ماہ ایک پاکستانی دوست سے ملاقات ہوئی، باتوں باتوں میں اس نے بلغاریہ (سابقہ سوشلسٹ یورپی ملک) آنے کی دعوت دی۔وہاں وہ کنسٹرکشن کا کام کرتا ہے۔آفس اس نے لندن میں بنایا ہوا ہے۔میں نے پوچھا کیا خصوصیت ہے جو میں بلغاریہ آؤں کیونکہ یہ سوشلسٹ ملک تھا بہت غربت تھی میں نے 30 سال پہلے وہاں جا چکا تھا۔اس نے کہا کہ اب وہ ملک غریب نہیں رہا۔یورپی یونین نے اس کو اپنے ساتھ شامل کرلیا ہے اور 2 سال کے بعد یہ شینگین ممالک میں شامل ہوجائے گا جس کی وجہ سے تمام یورپی ممالک تک بلغاریہ کی رسائی ہو جائے گی۔لندن سے بلغاریہ آنے جانے کا کرایہ بھی بہت کم ہے تاکہ دیگر یورپی ممالک کے افراد اس خوبصورت سستے ملک کی سیاحت کو ترجیح دے کر اس کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لاکھڑا کریں۔صرف 250 پاؤنڈ کا واپسی کا ٹکٹ بزنس کلاس کا خریدا اور اپنے دوست کے ساتھ بلغاریہ کے دارالخلافہ صوفیہ جانے کا پروگرام بنایا۔جانے والے دن دوست نے بتایا ہم کو لندن سے باہر ایک چھوٹے سے ایئرپورٹ سے روانہ ہونا ہے۔ٹیکسی والے نے ایئرپورٹ تک جانے کے 100 پاؤنڈ مانگے جبکہ بلغاریہ تک جس کا فلائی ٹائم ساڑھے تین گھنٹے تھا 125 پاؤنڈ ایک طرفہ بزنس کلاس بنتا تھا عجیب سا لگا۔میرے دوست نے کہا چلو کوئی بات نہیں میں کرایہ دے دیتا ہوں مگر مجھے لندن سے باہر کا ایک چھوٹا ایئرپورٹ عجیب لگ رہا تھا کہ نیا ایئرپورٹ، نئی ایئرلائن جس کا نام بھی میں نے نہیں سنا تھا اس سے ستم ہوائی ٹکٹ جو میں نے اپنے کریڈٹ کارڈ سے خریدا تھا ناقابل واپسی تھا ساتھ ساتھ ارجنٹ ویزہ فیس بھی 80 پاؤنڈ نقد وصول کی گئی تھی۔سوچا چلو زندگی ایک نئے تجربے سے دوچار ہو رہی ہے یہ تجربہ بھی کرلو۔اللہ کا نام لے کر صبح ہی صبح لندن کی تیز بارش میں دوست کے ہمراہ اسٹینڈ فورڈ ایئرپورٹ روانہ ہوگیا۔ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد ایک بہت چھوٹا ایئرپورٹ نظر آیا چند چھوٹی گمنام ایئرلائنوں کے کاؤنٹر بنے ہوئے تھے صرف ایک ہال تھا ہم دونوں بھیگتے ہوئے کاؤنٹر پر پہنچے ایک ہی کاؤنٹر تھا البتہ میرا دوست بزنس کاؤنٹر

کا طریقہ جانتا تھا وہ لائن میں سب سے آگے جا کھڑا ہوگیا۔کاؤنٹر کی لڑکی ایک مینجر کو فارغ کرنے کے بعد میرے دوست سے مخاطب ہوئی میرے دوست نے میرا اور اپنا ٹکٹ پیش کردیا اس نے ٹکٹ لے کر فوراً دو بارڈنگ کارڈ دے دیئے اس پر Priority لکھا ہوا تھا ہم چیکنگ کرا اندر پہنچے۔جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا دو قطاریں تھیں ایک پر Priority لکھا تھا بزنس کلاس کا کوئی ذکر نہیں تھا البتہ دیگر لائن بہت لمبی تھیں جبکہ Priority پر صرف چار مینجر تھے جن میں دو ہم شامل تھے۔جہاز البتہ نیا تھا اور بڑا تھا۔نوجوان چاک و چوبند ایئرہوسٹس تھیں۔ہمارے بورڈنگ کارڈ لے کر وہ آگے بزنس کلاس جانے کے بجائے جہاز کے درمیانی حصے میں جہاں ہنگامی راستہ (Emergency Exit) لکھا ہوتا ہے جن کی سیٹوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہوتا ہے ان سیٹوں پر لاکر بٹھا دیا گویا یہ کھلی سیٹیں بزنس کلاس یا Priority کلاس بنا کر عوام سے دس فیصد اضافی کرایہ وصول کرلیا جو 40 سال میں ایک نیا تجربہ تھا۔جہاز وقت پر اُڑا اور صوفیہ سوا تین گھنٹے میں پہنچ گیا۔راستے میں جہاز میں کھانے پینے حتیٰ کہ چائے اور پانی کے بھی دگنے پیسے وصول کیے گئے۔جہاز میں فلم بھی پیسوں کے عوض دکھائی گئی۔ایئرپورٹ بہت بڑا اور جدید تھا۔30 سال پہلے تو ایئرپورٹ پر پورے شیشے بھی نہیں ہوتے تھے، کاؤنٹر ٹوٹے پھوٹے ہوتے تھے مگر معلوم ہوا کہ یورپی یونین ممالک نے ان کی بھرپور امداد کی کہ وہ عوام کی زندگی کا معیار بلند کریں۔اگرچہ صوفیہ جدید اور پرانا شہر ویسا ہی ٹوٹی پھوٹی عمارتوں اور سڑکوں سے پرانا بلغاریہ لگ رہا تھا۔آہستہ آہستہ پورے شہر کو وہ نئی عمارتوں اور سڑکوں کو ہائی وے میں تبدیل کرنے میں حکومت دن رات لگی ہوئی ہے۔عوام بہت خوش ہے اب وہ آزادانہ پورا یورپ بغیر ویزہ آ جا سکتے ہیں جو سوشلسٹ دور میں ناممکن تھا۔میرے دوست نے انڈسٹری کے وزیر سے ملوایا اس نے کہا کہ بلغارین حکومت نئے نئے انویسٹرز کو بڑی پرکشش مراعات دے رہی ہے جس میں سستی زمین، بجلی، گیس اور ویزے سان وِنڈو آپریشن میں 30 دن جاری ہوجاتے ہیں۔اگر آپ 3 لاکھ یورو کی سرمایہ کاری کریں تو وہ فوراً رہائشی ویزہ 5 سال کا جاری کردیا جاتا ہے۔اگر آپ وہ سرمایہ 3 سال تک وہیں رہنے دیں اور

وہاں نہ رہنا چاہیں تو 3 سال بعد بلغاریہ کا پاسپورٹ جاری کر دیا جائے گا اب آپ اپنا سرمایہ منافع بینک سے نکلوا سکتے ہیں اور پوری دنیا میں .E.U قوانین کے تحت بغیر ویزے نہ صرف آجا سکتے ہیں بلکہ پورے یورپ میں اپنی رہائش رکھ سکتے ہیں۔ وہاں جا کر مجھے احساس ہوا کہ آج سے 10 بارہ سال پہلے یہ یورپی یونین بنانے کا عمل چند بڑے بڑے امیر ممالک جرمنی، فرانس، اٹلی، بلجیم، ہالینڈ، نیدرلینڈ، اسکنڈونیویا، ممالک سویڈن، ناروے، اسپین، ڈنمارک وغیرہ سے شروع ہوا پھر پرتگال اور سوشلسٹ ممالک اس میں آکر ملتے گئے۔ اپنی اپنی کرنسیاں ختم کر کے صرف یورو کا اجراء ہوا۔ ان غریب سوشلسٹ ممالک کو امیر ممالک نے بھرپور امداد اور ٹیکنالوجی سے مالا مال کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ آج 40 سے زائد ممالک مل کر آپس میں ایک ملک اور ایک کرنسی بن کر ایک مذہب یعنی عیسائی اپنی معیشت بہتر بنا چکے ہیں اور دیگر غریب ممالک شامل ہونے والے ہیں مگر ایک بہت بڑا اسلامی ملک ترکی جس کی آبادی 20 ملک سے زیادہ ہے اور یورپ میں واقع ہے۔ اس کو وہ یورپی یونین میں شامل نہیں کرتے کیونکہ اس کا مذہب اسلام ہے بس یہی رکاوٹ ہے جبکہ یہی بلغاریہ 1929ء تک ترکی کی سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا اور آج بھی یہاں دوسری بڑی آبادی مسلمانوں کی ہے جو ترک ہیں۔ ہم دنیا کے 56 اسلامی ممالک جن کی آبادی پوری یورپی یونین سے کہیں زیادہ ہے ہم تیل اور گیس میں خود کفیل ہیں۔ آج تک ایک امت کے ماننے والے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ہماری کرنسیاں الگ الگ، ہماری زبانیں الگ الگ، ہم خود ایک دوسرے کو امیر ممالک میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ ویزوں اور دیگر پابندیاں لگا کر ایک دوسرے سے الگ الگ راہیں بنا چکے ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی مین پاور ہونے کے باوجود بیشتر ممالک غربت کی نچلی سطح سے بھی گر کر جہالت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو گرا کر اپنا مقام بنا رہے ہیں کیا یہ تیل اور گیس پیدا کرنے والے مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو نہیں سوچنا چاہیے کہ ہم مسلمان کیوں تقسیم ہیں اور یہ عیسائی کیوں ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے غربت مٹانے میں ایک دوسرے کی مدد کر

رہے ہیں اور پوری دنیا پر چھاتے جا رہے ہیں۔ ہمارا مستقبل کیا ہے صرف ان کی غلامی یا جی حضوری؟ اب تو دہشت گردی کی چھاپ بھی لگ چکی ہے کب اور کون ہماری آنکھیں کھولے گا۔

استنبول کی سیر

پچھلے ہفتے راقم نے ترکی کے شہر ازمیر میں اعزازی قونصل کونشن کی روداد لکھی تھی جسے قارئین نے کافی پسند کیا اور راقم کو کئی خطوط اور ای میلز میں ایسے معلوماتی کالم لکھنے کی استدعا کی تھی۔اس کونشن کے ایک ترک اعزازی قونصل جنرل جو استنبول میں رہتے تھے مجھے استنبول آنے کی دعوت دی راقم نے حامی بھر لی۔اس سے قبل بھی استنبول جاتا رہا ہوں مگر گذشتہ 10 سال میں ترکی نے معاشی طور پر زبردست ترقی کر لی۔خصوصاً کنسٹرکشن میں تو دنیا کے چند ممالک کی صف میں گنا جاتا ہے۔بڑی بڑی عمارتیں اور شاہراہیں تو قابلِ دید ہیں۔استنبول کا نیا ہوائی اڈا بھی اس میں شامل ہے جس میں بیک وقت دو ڈھائی سو جہازوں کے اُترنے کی گنجائش ہے۔ایک زمانے میں ترکش ایئر لائن بہت چھوٹی ایئر لائنوں میں شمار ہوتی تھی اور ہماری قومی ایئر لائن پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائن کا شمار بڑی کامیاب ہوائی کمپنیوں میں ہوتا تھا۔پھر پی آئی نے ترکش ایئر لائن کو نئے سرے سے ترقی دی۔آج وہ دنیا کی بڑی ایئر لائنز میں شمار ہو رہی ہے اور ہم دوسرے اور تیسرے درجے کی ایئر لائنز میں شمار ہوتے ہیں۔تقریباً 50 فیصد اسٹاپس (Stations) ہم نے کم کر دیئے ہیں جہاز بھی ہمارے پرانے اور ناکارہ ہو رہے ہیں۔اربوں روپے خسارے میں بھی جا چکے ہیں۔اس کے برعکس ترکش ایئر لائن اب دنیا کے ہر بڑے شہر میں آ جا رہی ہے اور اس کا ہوائی بیڑہ بھی ہم سے 20 گنا بڑا ہو چکا ہے۔ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ نے 600 سال دنیا پر حکومت کی اور پھر سمٹ سمٹ کر صرف ترکی تک محدود ہو گئی۔اس کی وجہ آخری دور میں سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ اور بادشاہ بڑے بڑے محلوں اور عیاشیوں میں لگ گئے۔آخری خلیفہ کے تین بڑے بڑے محل تھے۔ایک انقرہ دوسرا ازمیر اور تیسرا استنبول میں واقع تھے۔جس کو 1923ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک کے آنے کے بعد ان تینوں کو قصرِ صدارت کیلئے ایک چھوٹے سے حصے کو زیر استعمال رکھا گیا جہاں پہلے صدر مصطفیٰ کمال رہائش پذیر تھے۔وہ محل استنبول کا سب سے خوبصورت محل سمجھا جاتا تھا۔جب مصطفیٰ کمال پاشا کا انتقال ہوا تو انہوں نے تینوں محل عوام کیلئے وقف کر دیئے۔آج

دنیا بھر سے لاکھوں سیاح ان محلوں کو دیکھنے آتے ہیں ہم نے بھی اس محل کی سیر کی یہ محل 1843 میں سلطان عبدالمجید نے تعمیر کروایا تھا۔اس کی تعمیر میں 13 سال لگے۔بہت خوبصورت، جدید اور ترک اسٹائل دونوں آرٹ پائے جاتے ہیں۔اس محل کی ڈیڑھ لاکھ مربع فٹ کنسٹرکشن کی ہے جس میں 248 کمرے ہیں۔44 بڑے بڑے ہال ہیں اور 68 بیت الخلا کے ساتھ ساتھ 6 ترکش حمام ہیں۔حمام آج کے زمانے میں SOANA باتھ کی طرح ہوتے ہیں۔اس محل میں زنانہ علاقہ جہاں خواتین رہتی تھیں اس کو حرم کہتے ہیں وہاں کوئی غیر مرد نہیں جا سکتا تھا صرف اس وقت کے بادشاہ اور اس کی فیملی کیلئے مخصوص ہوتا تھا۔اس محل میں کئی حصے تھے جس میں مہمانوں کیلئے 27 کمرے وقف تھے۔جس میں بادشاہ کے مہمان ٹھہرائے جاتے تھے۔محل کے حرم کی تمام ذمہ داریاں مادرِ ملکہ کی ہوتی تھیں۔جس خاتون کو باہر جانا ہوتا ملکہ سے اجازت لے کر ہی باہر جا سکتی تھی۔بادشاہ کی 4 بیویاں ہوتی تھیں اور لاتعداد کنیزیں، لونڈیاں الگ ہوتی تھیں۔جو حرم میں الگ الگ حصوں میں رہائش پذیر ہوتی تھیں۔اس محل میں ایک بہت بڑا ہال نیلے رنگ کا بھی تھا۔ترک باشندے نیلے رنگ کا بہت خیال رکھتے ہیں جس میں نظر بٹو بھی شامل ہے جو ہر گھر میں نمایاں گول پتھر سے بنا لٹکا ہوا نظر آئے گا۔ان کا خیال ہے کہ یہ حاسدوں کی نظر سے بچاتا ہے۔اس نیلے ہال میں رمضان کی تقاریب اور عید، بقر عید کی تقاریب کیلئے وقف ہوتا تھا۔صرف ایک کمرہ کمال اتاترک نے اپنے ذاتی استعمال میں رکھا تھا ہم نے وہ کمرہ بھی دیکھا۔10 نومبر 1938ء میں کمال اتاترک کا اس کمرے میں انتقال ہوا۔اس بستر کو ترکی کے لال جھنڈے سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔اس کمرے کے ساتھ ان کا اسٹڈی روم بھی تھا جس میں کتابیں تھیں۔ایک بہت بڑا ہال جس میں تقریباً 10 ہزار افراد کی گنجائش تھی شاہی تقریبات کیلئے استعمال ہوتا تھا۔سردیوں کے دنوں میں اس کو گرم کرنے کیلئے تین دن درکار ہوتے تھے پھر تقریب منعقد ہوتی تھی۔البتہ پورے سال گرمیوں میں 40 فٹ کی اونچائی اور کھڑکیوں کی وجہ سے یہ محل سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے قدرتی ٹھنڈا رہتا تھا۔بڑے بڑے فانوس قابلِ دید آج تک لگے ہوئے

ہیں۔ جاپانی طرز کے کمرے بھی بنے ہوئے ہیں۔ ایک سرخ ہال ہے اس کے بھی نقش ونگار قابلِ دید ہیں۔ اس پنک ہال میں مادرِ ملکہ کی رہائش ہوتی تھی۔ قالینوں سے مزین پورا حصہ بہت خوبصورتی سے سجایا گیا ہے اور آج بھی ایسا لگتا ہے نیا بنا ہوا ہے۔ جبکہ ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں جگہ جگہ فرنچ آرٹ بھی نمایاں ہیں۔

اس محل کے دروازے پر ہر چار گھنٹے کے بعد ایک سپاہی کی تبدیلی کی جاتی ہے اس سپاہی کے ہاتھ میں بندوق ہے اور یہ چار گھنٹے تک بغیر پلک جھپکائے ایسا کھڑا ہوتا ہے جیسے اسٹیچو ہو عوام اس کے پاس کھڑے ہو کر تصویر کھچواتے ہیں۔ محل کے بڑے بڑے دالان اور راہ داریوں پر چل چل کر سیاح تھک جاتے ہیں ان کے ستانے کیلئے کرسیاں اور بنچیں رکھی گئی ہیں۔ ہر 15 منٹ کے بعد گائیڈ کی موجودگی میں جو انگریزی اور ترکی زبان میں گروپ کی شکل میں سیاح روانہ ہوتے ہیں۔ ایک گھنٹے کا ٹور ہوتا ہے 25 یورو یعنی 3000 روپے داخلے کا ٹکٹ ہوتا ہے۔ صبح ہی سے سیاحوں کی بسیں بھر بھر کے اس محل کو دیکھنے آتی ہیں جس سے اربوں ڈالر صرف سیاحت کی مد میں ترکی کی معیشت مضبوط ہو رہی ہے۔ استنبول کو مسجدوں کا شہر بھی کہتے ہیں لاتعداد بہت خوبصورت طرز کی مساجد قطار در قطار بنی ہیں۔ خصوصاً ایک بلیو مسجد جس میں ایک لاکھ افراد کی گنجائش ہے عیدین اور جمعہ کیلئے بہت موزوں ہے۔ یہاں بھی پرانے ترک طرز کے میناروں سے مرقع بلیو رنگ کی مسجد ہے۔ اس کو دیکھنے بھی سیاح دور دور سے آتے ہیں۔ استنبول دراصل ایشیاء اور یورپ کا سنگم ہے۔ ایشیاء کی طرف پرانے مکانات اور بلڈنگیں ہیں جبکہ یورپ کی طرف استنبول بالکل جدید طرز پر تعمیر کیا ہے دونوں سروں کو ملاتا ہے۔ تمام دن رات عوام ایک سے دوسرے سرے پر آتے جاتے رہتے ہیں۔ جنوب میں اس استنبول کے علاقے میں حضرت ایوب انصاریؓ کا مزار ہے بہت پرانا شہر ہے جس طرح استنبول یورپی نمونہ طرز پر بنا ہوا ہے۔ اس مزار کے علاقے میں بہت سادہ گاؤں طرز کا شہر ہے۔ یہاں خواتین باپردہ اور مرد بہت مذہبی رہتے ہیں۔ غربت بھی ہے مگر سادگی سے طرز زندگی عام ہے۔ جب قسطنطنیہ (استنبول کا پرانا نام) امیر

معاویہ کے دور میں فتح ہوا تھا تو حضرت ایوب انصاریؓ بہت بیمار تھے پھر بھی اس فوج کے ہمراہ پانی کے جہاز میں یہاں پہنچے۔ حضرت ایوب انصاریؓ وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضور ﷺ سے سن رکھا تھا کہ جو فوج قسطنطنیہ فتح کرے گی وہ تمام کی تمام جنتی ہوگی۔ اتفاق سے دورانِ جنگ ان کا جہاز میں انتقال ہو گیا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی لاش سمندر میں نہ ڈالی جائے بلکہ قسطنطنیہ کی سرزمین میں دفن کی جائے۔ اللہ کی شان لاش جہاز میں سلامت رکھی رہی اور جب مسلمان قسطنطنیہ فتح کر کے داخل ہوئے تو انہوں نے حضرت ایوب انصاریؓ کو اس علاقے میں دفن کر دیا اور اس کے ساتھ مسجد بھی ہے۔ یہاں بھی لاکھوں مسلمان ان کی قبر کی زیارت کرتے ہیں الغرض 4 دن استنبول میں خوب سیر کی ایک بڑے جزیرے پر بھی گئے جس کا نام پرنس آئی لینڈ ہے۔ یہاں صرف گھوڑے کی سواری کی اجازت ہے آلودگی سے پاک رکھنے کیلئے وہاں ہر قسم کی گاڑیوں پر پابندی ہے۔ یہ بہت بڑا خوبصورت جزیرہ ہے یہاں لوگ خصوصاً سی فوڈ جو بہت تازہ ہوتا ہے کھانے آتے ہیں۔ ترک پاکستانیوں سے بہت محبت سے پیش آتے ہیں اور پاکستان کو اپنا دوسرا گھر تصور کرتے ہیں۔ میرے میزبان نے بھی دل کھول کر استنبول کی سیر کرائی جو عرصے تک یاد رہے گی۔ واپسی پر میں نے اس کو پاکستان آنے کی دعوت دی جو اس نے خوشی خوشی قبول کر لی۔ ہم بھی اپنے وطن عزیز میں خیریت سے واپس آ گئے۔

﴿نویں ورلڈ کانفرنس اعزازی قونصلر﴾

پچھلے ہفتے میں کالم نہیں لکھ سکا مجھے ترکی کے شہر ازمیر میں 9ویں ورلڈ کانفرنس برائے اعزازی قونصلر میں شرکت کیلئے جانا تھا جہاں دنیا بھر سے اعزازی قونصلر جنرل شریک ہو رہے تھے۔ میرا یہ پہلا تجربہ تھا یہ کانفرنس ہر تین سال بعد مختلف ممالک میں ہوتی ہے۔ مجھے پاکستان میں جبوتی کے اعزازی قونصلر جنرل کی حیثیت سے دونوں ممالک کی نمائندگی کرنی تھی۔ یہ کانفرنس تو صرف 2 دن کی تھی مگر مدعوعین کی اضافی تفریح کیلئے 2 دن ترکی کے مختلف شہروں اور عجائب گھر اور تاریخی مقامات کی سیر کا پروگرام تھا۔ میں گزشتہ 3 دہائیوں سے ترکی جاتا رہا ہوں۔ 98 فیصد مسلمانوں کی آبادی والے ترک باشندے ہمیشہ سے پاکستان اور پاکستانیوں سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ پہلی مرتبہ 30 سال پہلے حج کرکے جب ترکی گیا تھا جس جس ترک دوست کو معلوم ہوتا کہ میں حج کرکے آیا ہوں تو وہ بے اختیار میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر عقیدت سے ایسے چومتے تھے جیسے میں کوئی بڑا پیر ہوں۔ دراصل ہم پاکستان اور انڈونیشیا کے مسلمان عین جوانی میں حج کرتے ہیں اور ترک اکثریت زندگی کے آخری دنوں میں بڑھاپے میں میاں بیوی ایک ساتھ حج کرتے ہیں۔ ترکی کے تین بڑے شہر جس میں استنبول جس کی آبادی کراچی کے برابر 15 ملین، انقرہ 5 ملین اور ازمیر کی آبادی 4 ملین ہے۔ جو خوبصورتی کے لحاظ سے پہلے نمبر پر آتا ہے۔ اس کی بھی بڑی عجیب وجہ بیان کی جاتی ہے۔ 1923ء میں ترکی سلطنت عثمانیہ جو 6 سات سو سال سے حکومت چلا رہے تھے بادشاہت ختم کرکے عوامی جمہوریت میں تبدیل ہو گیا تھا جس کے پہلے صدر کمال اتاترک (اتاترک کے معنی ترکوں کے باپ) باقاعدہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے بادشاہی فرمان ختم کرکے نئے معاہدے کرنے کی شرائط عائد کر دیں۔ ترکی میں قدیم یونانی باشندے ازمیر میں اکثریت میں آباد تھے۔ نئی قیادت کے خلاف واپس یونان چلے گئے اور جاتے جاتے دو تہائی شہر کی عمارتیں جو ان کی ملکیت تھیں نذرِ آتش کر دی گئیں جس کی وجہ سے ازمیر کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اس وجہ سے جدید بلند و بالا عمارتیں، سمندر اور پہاڑوں کے اطراف

میں خوبصورتی میں اضافہ کرتی نظر آتی ہیں۔ ایک طرف سمندر کے ساتھ ساتھ قطار در قطار رہائشی بلڈنگیں ہیں تو سمندر سے ملے پہاڑ ازمیر کو جنت نظیر بنا رہے ہیں۔ پہاڑی سلسلہ تقریباً ہمارے دریائے سوات کے کنارے شہر منگورہ سے لگتا ہے۔

پہلے دن ہمیں 100 کلومیٹر دور ایک قدیم شہر برگام کے شہر ایکروپولس (Acropolics) جو ہمارے ہزاروں سال پرانے کھنڈراتی شہر موہنجو دڑو اور ہڑپہ کی طرح ہے جہاں دنیا کی سب سے پرانی لائبریری اور 10 ہزار افراد کی گنجائش کا تھیٹر جو بالکل تباہ ہو چکا ہے۔ ان کے بچے کھچے محلات، گرجا گھر اور سات قدیم ترین گرجہ گھر سے بالکل ملحق مسجد دکھائی گئی۔ اس پرانی اور پہلی لائبریری کی تمام کتابیں جب مصر کی ملکہ قلوپطرہ اپنے ساتھ واپس جاتے ہوئے زبردستی لے گئی اور قاہرہ کے عجائب گھر میں وہ محفوظ ہیں۔ کچھ اسکندریہ کی سب سے بڑی لائبریری کو دے دی گئیں۔ بہت سے گرجے اور مسجد ایک دوسرے سے ملحقہ کلچر قدیم ترکی میں پایا جاتا ہے۔ دنیا کی پہلی فارمیسی بھی انہی کھنڈرات میں برآمد ہوئی جس میں قدیم ترین نشان سانپ کو لپٹا ہوا دکھائی دیتا ہے اس عمارت پر کندہ تھا۔

دوسرے دن بھی تمام اعزازی قونصلر جنرل کو پولیس اسکاڈ میں افیسس (Epheses) کے پہاڑی علاقے میں جو 120 کلومیٹر دور واقع ایک عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق جب حضرت عیسیٰ کو پھانسی دی گئی تو بی بی مریم ان کی والدہ حضرت عیسیٰ کے پادری سینٹ جان کے ساتھ دشمنوں سے بچنے کیلئے یہاں آ گئیں اور یہیں ان کا انتقال ہوا تو ہر سال 15 اگست کو خصوصاً دنیا بھر سے عیسائی ان کی رہائش گاہ پر شمع جلانے اور گرجے کی زیارت کیلئے آتے ہیں۔ ویسے بھی یہ خوشنما پہاڑی علاقہ بہت پرسکون جگہ پر واقع ہے جہاں سال بھر عیسائی اور مسلمان سیاح دیکھنے آتے ہیں۔ یہاں پہاڑ کے نیچے ایک عجائب گھر بھی دکھایا گیا اس علاقے کی سب سے بڑی خوبی چوڑی چوڑی شاہرائیں ہیں۔ دونوں طرف شہر اور سرسبز کھیت اور باغات آباد ہیں۔ ترک اپنے قائد کمال اتاترک کی دل سے عزت اور عقیدت رکھتے ہیں جگہ جگہ ان کے خوبصورت مجسمے (Statue) لگے ہوئے ہیں۔ ترک مسلمان ہماری

طرح فرقوں میں نہیں بٹے ہیں صرف شیعہ اور سنی ہیں اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔لبرل مسلمان ہیں ان کی حالت بھی 25 تیس سال پہلے ہماری طرح خستہ تھی۔ایک دوسرے سے لڑتے تھے آئے دن لڑائیاں ہوتی تھیں پھر انہوں نے اپنی پوری توجہ اپنے ملک اور عوام کی بہتری کی طرف موڑ دی۔آج وہ 7 کروڑ انسانوں کا ملک بہت ترقی کر کے 700 ارب ڈالر ایکسپورٹ کر رہا ہے۔ہم 16 کروڑ باشندے اپنے ہی ہاتھوں اپنے پیارے ملک کو تباہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔صرف ازمیر میں 7 یونیورسٹیز اور سینکڑوں اسکول ہیں۔95 فیصد پڑھا لکھا ترکی آج یورپی یونین میں صرف اس لئے شامل نہیں کیا گیا کہ وہ مسلمان ہیں۔اس اعزازی قونصلر کونشن میں 48 ممالک کے قونصلر جنرل شریک ہوئے۔تمام ممالک کے نمائندے دنیا پر بڑے بڑے امیر ممالک کی ہٹ دھرمیوں اور اپنی محرومیوں کا رونا رو رہے تھے۔2 دن صبح شام تقاریر میں گزر گئے اس اعزازی کونشن میں ازمیر کے گورنر بھی آئے ان کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا وہ اکیلے آئے۔تقریر کی اسی طرح ان کی طرف سے دوپہر کا کھانا سادگی سے دیا گیا نہ کوئی ہل چل مچی نہ اخبار والے ان کی طرف دوڑے۔اسی سادگی سے دوسرے وزراء بھی آئے تقریر کی، کھانا کھایا، فوٹو گروپوں کے ساتھ کھنچوائے۔اس کونشن میں سب سے بڑا ڈیلیگیٹ پاکستان سے آیا تھا جس میں 9 اعزازی قونصلر جنرل تھے۔دنیا بھر میں اعزازی قونصلر جنرلوں کو بہت سی مراعات ملتی ہیں خصوصاً 35 ممالک میں تو اعزازی قونصلروں کو غیر ملکی ڈپلومیٹ والی مراعات ملتی ہیں مگر پاکستان دنیا کا شاید واحد ملک ہے جہاں صرف پروٹوکول ملتا ہے کوئی مراعات نہیں۔1972ء میں پی پی پی کی جب حکومت آئی تو اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) نے تمام اعزازی قونصلر جنرل کی مراعات یکدم ختم کر دیں۔آج ہمارے ملک کی موجودہ صورتحال کے پیش نظر صرف 25 فیصد غیر ملکی قونصلر جنرل اور ایمبیڈر رہ گئے ہیں۔75 فیصد ملک چھوڑ کر اعزازی قونصلر بنائے گئے ہیں اگر یہ صورتحال بہتر نہ ہوئی تو بقایا بھی سیکورٹی کے ڈر سے چھوڑ جائیں گے ۔موجودہ حکومت کو چاہیے کہ تمام اعزازی قونصلر کی واپس لی جانے والی مراعات اور ان کو غیر ملکی

قونصلروں کی طرح اعزازات بحال کرے جو اقوام متحدہ کی چارٹر کے مطابق دیگر ممالک میں رائج ہیں۔ترکی کی ترقی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ترکش ایئر لائن کو ہماری قومی ایئر لائن PIA نے بنا کر دی تھی۔آج ان کے پاس PIA سے 20 گنا زیادہ ہوائی بیڑہ ہے۔وہ دنیا کے 160 شہروں میں آ جا رہی ہیں۔دنیا کے تمام ایئر لائنز ان کے شہر میں آ جا رہی ہیں۔یورپ، امریکہ، کینیڈا سے ایک بھی غیر ملکی فلائٹ نہ پاکستان آتی ہے نہ یہاں سے جاتی ہے جبکہ کراچی دنیا میں سب سے بڑا ہوائی اڈہ ہوتا تھا جو مغرب اور مشرق کو ملاتا تھا۔یہاں سے گزرے بغیر کوئی ایئر لائن مکمل نہیں ہوتی تھی۔سب کے دفاتر یہاں قائم تھے آج ان کے پاکستانی ایجنٹ صرف بکنگ کرتے ہیں۔ہے کوئی جو اس طرف بھی توجہ دے؟

﴾چرچل کے چار سوال﴿

دوسری جنگ عظیم زور و شور سے جاری تھی جرمنی کا پلہ بھاری تھا برطانیہ کی فوجیں پسپا ہو رہی تھیں۔ہٹلر کے جہاز روز لندن پر جب چاہتے بمباری کر رہے تھے۔لندن کی سڑکیں ویران ہو چکی تھیں۔غذا کی قلت بھی شروع ہو چکی تھی، کھانے کی اشیاء پر راشن بندی ہو رہی تھی، عوام مایوس ہو چکے تھے۔ایسے میں لندن کے چند صنعت کار، وکلاء، پروفیسرز، فلاسفرز پر مشتمل ایک وفد اس وقت کے وزیراعظم چرچل سے ملنے وزیراعظم کی سرکاری رہائش گاہ 10 ڈاؤن اسٹریٹ پہنچا اور برطانیہ کے عوام کی مایوسیوں سے ان کو آگاہ کیا اور پوچھا جناب وزیراعظم صاحب برطانیہ کا مستقبل کیا ہے۔ہر کوئی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہا ہے۔مایوسی برطانیہ کے شہریوں کا مقدر بن چکی ہے۔آدھے گھنٹے تک چرچل ان تمام لوگوں کے خدشات سنتے رہے اور عادت کے مطابق ان کا سگار ان کے منہ میں دبا رہا جب وہ سب کچھ کہہ چکے تو چرچل نے ان سے پوچھا کیا تمہاری عدالتوں میں انصاف مل رہا ہے انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا بالکل مل رہا ہے پھر چرچل نے سوال کیا کہ کیا تمہارے تعلیمی ادارے اسی طرح تعلیم دے رہے ہیں انہوں نے اس کی بھی تائید کی پھر اس نے پوچھا تمہارے حکمرانوں پر تمہیں بھروسہ ہے۔انہوں نے کہا بے شک ہے ہمیں اپنے حکمرانوں پر پورا بھروسہ ہے آخر میں پوچھا کیا تمہاری ثقافت اسی طرح زندہ ہے انہوں نے کہا بے شک اسی طرح زندہ ہے پائندہ ہے۔چرچل نے منہ سے سگار نکالا اور کہا کہ میرے ہم وطنوں جاؤ عوام کو بتا دو دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تم آرام سے اپنا کام کرو ہماری مسلح افواج اپنا کام کر رہی ہے شکست ہی دشمن کا مقدر رہے گی۔پوری دنیا نے دیکھا ہارتا ہوا برطانیہ جرمنی سے بازی لے گیا اور ہٹلر جیتی جتائی جنگ بُری طرح ہار گیا اور اپنی شکست برداشت نہ کر سکا اور اس نے خودکشی کر لی۔برطانیہ میں 70 پچھتر سال گزرنے کے بعد آج بھی ان کی عدلیہ کی مثالیں دی جاتی ہیں۔پولیس آج بھی اسی طرح ایماندار ہے۔تعلیمی ادارے اسی طرح تعلیم کے فروغ میں لگے ہوئے ہیں مگر افسوس ہمارا ملک او ردوسری جنگ عظیم کے بعد آزاد ہوا۔ہماری عدلیہ حکمرانوں کا آج پہلی مرتبہ گھیرا تنگ کرنے پر لگی ہے پھر بھی کچھ نہیں کر پا رہی ہے۔حکم نامے ضرور جاری ہو رہے ہیں مگر اس کی عمل درآمد کی تازہ مثال چینی پہلے سے بھی زیادہ مہنگی اور ناپید ہو رہی ہے۔سرکار اشیاء کے نرخ مقرر کرتی ہے اور دکاندار اس کو ہنسی ہنسی میں ٹال جاتے ہیں اور کہتے ہیں جاؤ اور سرکاری اداروں سے خرید و۔رہا تعلیم وہ جس کا اسلام نے سب سے پہلے اور اہم درس دیا آج اسی اسلام پسندوں کے ہاتھوں گذشتہ ایک ہفتے سے کھل اور بند ہو رہے ہیں۔ہمارے آنے والے معماروں کو ہم بزدل بنا کر گھر بٹھا رہے ہیں۔کیا ہو جاتا اگر ایک دو اسکول انکی زد میں آ جاتے کیا سوات میں اسکول تباہ کرنے سے ہماری افواج نے گھٹنے ٹیک دیئے؟ بلکہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا انہوں نے تھانوں کو نشانہ بنایا تو کیا ہم نے پولیس کو گھر بٹھایا۔ہم اپنی ثقافت کے خود آپ بڑے دشمن بن چکے ہیں کہیں ہم ان کو اسلام پسند، کہیں شدت پسند کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا رہے ہیں عجیب اتفاق ہے۔جہاں امریکن محافظ ہیں وہیں سب سے زیادہ شدت پسند ابھر رہے ہیں اور وہی ممالک غیر محفوظ ہو چکے ہیں۔عراق، افغانستان، پاکستان اس کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔چند سال پہلے کہا جا رہا تھا کہ افغانستان اور عراق کے بعد پاکستان کا نمبر ہے۔اس وقت کے حکمران کہہ رہے تھے کہ پاکستان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ حکمران خود عدلیہ کو تباہ کرنے اور اسکولوں کو اور مدرسوں کو بند کرنے پر تلے ہوئے ہیں آج کہا جا رہا ہے کہ تعلیمی ادارے کے مالکان خود سیکورٹی کے ذمہ دار ہونگے۔بہت سے سرکاری اسکولوں کی تو دیواریں تک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔صرف سندھ میں ہزاروں اسکولوں کی حفاظت کون کرے گا۔جس ملک میں عدلیہ آزاد نہ ہو اس ملک کا مستقبل کیا ہوگا۔مجھے رہ رہ کر سر ونسٹن چرچل کے وہ چار سوال یاد آ رہے ہیں جس کے چاروں کا جواب ہاں تھا اور ہمارے چاروں سوالوں کا جواب ''ناں'' میں ہے تو پھر ہم اپنے مستقبل کے بارے میں ذرا بھی شرمندہ نہیں۔آج جرمنی اپنی غلطیوں سے سبق سیکھ کر ایک مضبوط قوم بن چکا ہے اسی طرح جاپان بھی اپنی شکست کے بعد بھی مضبوط ترین قوم میں تبدیل ہو چکا ہے۔ہم اپنی غلطیوں سے سبق کب سیکھیں گے؟ عوام کی اطلاع کیلئے سر ونسٹن چرچل ایک مکمل سیاستدان ہی نہیں ایک مفکر بھی تھے۔

ایک امیر ترین ملک

مسلمان ملکوں میں ایک بہت چھوٹا ملک برونائی دارلسلام جس کی آبادی 4لاکھ سے بھی کم ہے اور جس کے صدر سلطان ال بلکیا ہیں ان کا شمار دنیا کی سب سے امیر ترین شخصیات میں ہوتا ہے جن کی صرف تیل کی آمدنی تقریباً 3ہزار ملین یورو ہے پاکستانی کرنسی میں سالانہ 3 کھرب روپے مختی ہے جبکہ پاکستان دنیا میں تیسرا بڑا ملک ہے جس کی آبادی 16 کروڑ سے زائد ہے ۔اس کا سالانہ بجٹ 10 کھرب سے کچھ زیادہ ہے ۔صدر برونائی کا محل دنیا کے سب سے بڑے محلوں میں شمار ہوتا ہے ۔اس محل میں صرف 1788 کمرے ہیں جس میں 257 کمروں کے باتھ روم سونے اور ڈائمنڈ سے آراستہ ہیں ۔اس محل میں 110 گاڑیوں کے کھڑے کرنے کی گنجائش ہے ۔مہمانوں کیلئے 650سٹیوٹ کمرے اضافی بھی موجود ہیں جس کے ہر کمرے میں 2 کروڑ روپے کی لاگت سے صرف فرنیچر رکھا گیا ہے ۔سلطان برونائی کو سونے اور جواہرات سے بہت لگاؤ ہے ۔ان کے کپڑوں میں سونے کی کشیدہ کاری (Embriodry)ضرور ہوتی ہے ۔ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے یہ سونے کا چمچا منہ میں لے کر پیدا ہوئے ہیں ۔ان کے پاس 6 چھوٹے جہاز ، 2ہیلی کاپٹر اور 747جمبو جہاز بھی ہیں ۔اس جہاز کی مالیت 100ملین ڈالر ہے ۔انہوں نے اس جہاز کو گھر کی آسائش کیلئے 150ملین ڈالر خرچ کئے ۔جس کمرے میں سلطان برونائی رہتے ہیں اس کے بستر بھی سونے سے آراستہ ہیں ۔ان کے جہازوں میں ٹیبل اور کرسیوں میں سونے کا استعمال کیا گیا ہے ۔بہت شاہ خرچیلے ہیں ۔تمام کٹلری بھی سونے کی بنی ہوتی ہے ۔ایک سے ایک بڑھ کر مہنگی گاڑیاں جن کا شمار 5ہزار سے زائد ہے ۔بعض گاڑیاں ان کی فرمائش پر ڈیزائن کی جاتی ہیں تا کہ وہ صرف منفرد گاڑیوں میں گھومیں ۔ایک اندازے کے مطابق 531 مرسڈیز، 367 فراریز، 362 بنٹلے، 185بی ایم ڈبلیو، 177جیگوار، 160پورشے اور 130 رولس رائز ہیں ۔سلطان برونائی کی بیٹی کی شادی پر 14دن تقریبات منعقد کی گئیں جس میں 25ممالک کے سربراہوں نے شرکت کی۔

اس ضیافت پر 5ملین ڈالر یعنی 40 کروڑ روپے خرچ کیے گئے اور پورے ملک میں جشن منایا گیا ۔ان کی صاحبزادی کے ملبوسات میں بھی سونے جواہرات جڑے ہوئے تھے حتیٰ کہ پھولوں کے گل دستے بھی سونے اور جواہرات سے جُڑے ہوئے تھے ۔شادی پر جو تاج پہنایا گیا وہ بھی سونے اور جواہرات سے بنوایا گیا ۔اس لاگت کا اس کو علم نہیں ہے وہ سلطان کی طرف سے پیش کیا گیا تھا۔

برونائی کی 67فیصد آبادی مالے (Malay)باشندوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ 15فیصد چائنیز اور 18فیصد مکس آبادی ہے جو اس کے پڑوسی ممالک کے باشندے پر مشتمل ہے اس لئے وہاں 3زبانیں بولی جاتی ہیں ۔سرکاری زبان مالے ہے ۔انگریزی اور چینی زبان بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے ۔اکثریت مسلمانوں کی ہے جو دو تہائی ہیں ۔جبکہ ایک تہائی عیسائی اور بدھ مت کی ہے ۔93فیصد پڑھے لکھے افراد ہیں ۔40لاکھ روپے فی کس آمدنی سالانہ ہے اس میں ڈیڑھ لاکھ مزدور بھی شامل ہیں جو اس ملک میں کام کرتے ہیں اس ملک کی سب سے بڑی آمدنی تیل کی پیداوار ہے جو سلطان برونائی کی ذاتی ملکیت ہے ۔اس کے علاوہ ڈیڑھ بلین کی اشیاء ایکسپورٹ کی جاتی ہے جس میں چاول، سبزیاں، لائیو اسٹاک شامل ہیں جبکہ برونائی میں ڈیڑھ بلین کی امپورٹ ہوتی ہے جن میں کیمیکل، مشینریز، کھانے پینے کی اشیاء شامل ہیں ۔ملک میں صرف 2ٹیلی ویژن نیٹ ورک اور 10 ریڈیو اسٹیشن ہیں ۔4لاکھ آبادی کے پاس صرف ڈیڑھ لاکھ موبائل فون ہیں ۔برونائی کے صدر کا بھائی کے ساتھ وراثت کا جھگڑا ہے ان پر اربوں ڈالر غبن کا الزام ہے اسی طرح برونائی سے اور ملائیشیاء سے بھی تیل کی پیداوار پر 2003ء سے جھگڑا چل رہا ہے ۔اس کے پڑوس میں جاپان، سنگاپور اور انڈونیشیا ہیں ۔سب سے حیرت انگیز بات اتنے امیر ترین ملک میں 4فیصد بے روزگار لوگ بھی رہتے ہیں ۔برونائی دارلسلام 1984ء میں برطانیہ سے آزاد کیا گیا تھا جبکہ سلطان حسن ال بلکیا 1967ء سے حکومت کر رہے ہیں ۔حکومت مفت علاج کے علاوہ کھانے کی اشیاء آدھی قیمت پر مہیا کرتی ہے ۔برونائی دارالسلام بہت خوبصورت ملک ہے جس میں شراب کی ممانعت ہے اور شراب خانوں پر پابندی ہے ۔ملک میں امن ہی

امن ہے۔بادشاہت بھی ہے جمہوریت نہیں ہے۔ملک کا میڈیا مخالف پروپیگنڈا نہیں کر سکتا۔سیاحت بھی بہت ہے۔ہر لحاظ سے بہترین نظام نافذ ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ ہمارا ملک 16 کروڑ آبادی ہونے کے باوجود اتنے چھوٹے ملک سے کتنا پیچھے ہے جبکہ ہمارے ملک میں بھی تیل پیدا ہوتا ہے۔زمین کے اندر جواہرات کے پہاڑ ہیں،ملک سرسبز ہے مگر عوام درجنوں چینی کے کارخانوں،آٹے کی ملوں کے باوجود لائن میں لگے ہوئے ہیں۔اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ہمارے ماضی اور آج کے حکمران اس مسئلے کو حل کیوں نہیں کر سکے۔

سب سے بڑی لندن میں واردات

اس وقت میں لندن کی سب سے بڑی شاپنگ اسٹریٹ گھوم رہا ہوں۔جس کا نام بونڈ (Bond Street) ہے۔یہ سنٹرل لندن کی سب سے مہنگی شاپنگ مارکیٹوں میں شمار ہوتی ہے۔جہاں دنیا بھر سے سیاح آ کر ان بڑی بڑی دکانوں سے شاپنگ کرنے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ان میں سلے سلائے سوٹ،جیولری،کاسمیٹکس،گھڑیاں اور ڈیپارٹمنٹل اسٹورز کی بھرمار ہے۔ایسا لگتا ہے شاید یہاں مفت سامان فروخت ہوتا ہوگا۔مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے یہاں تو دام پوچھنا بھی اس علاقے کی ہتک سمجھی جاتی ہے۔صرف دیکھیں،پسند کریں اور پیک کروا کر اپنا کریڈٹ کارڈ دیں اور باہر آجائیں یہی آپ کے امیر ہونے کا بھرم ہے۔چاروں طرف اس کے ٹیوب اسٹیشن (انڈر گراؤنڈ ٹرینیں) ہیں اگر آپ نے سنٹرل لندن میں شاپنگ نہیں کی تو سمجھیں آپ ٹورسٹ نہیں بلکہ مقامی باشندے ہیں مقامی باشندے یہاں خریداری نہیں کرتے کیونکہ یہاں سب سے مہنگے داموں میں مال فروخت کیا جاتا ہے اس کے آگے پیچھے تھیٹرز،مادام تساؤ کا عجائب گھر،کیسینوں،سینما گھر الغرض ہر تفریح مہیا ہوتی ہے۔کھانے کے طرح طرح کے ریسٹورنٹس صبح سے لے کر رات گئے تک کھلے رہتے ہیں۔اسی بازار میں ایک بہت بڑی جیولری کی دکان بھی واقع ہے جس میں اربوں روپے کے سونے کے زیورات اور ڈائمنڈ،جم طرح طرح کے قیمتی پتھروں کا اسٹاک ہوتا ہے۔آج اُس دکان سے کافی دور تک پولیس نے گھیراؤ ڈالا ہوا تھا کوئی بھی آگے نہیں جا سکتا تھا بھیڑ تھی کہ بڑھتی چلی جا رہی تھی ہر کوئی اپنی بولی بول رہا تھا کوئی کہہ رہا تھا شاید آگے ٹریفک کا ایکسیڈنٹ ہوا ہوگا۔کسی کا خیال تھا کہ کوئی دہشت گرد پکڑا گیا ہوگا۔کسی کو آگے جانے کی اجازت نہیں تھی صرف پولیس کی گاڑیاں ایمبولینس آ جا رہی تھیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا واقعہ ہوا ہے جو اتنی بھیڑ زدہ علاقے میں پولیس نے گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ہم صرف گھومنے نکلے تھے لہٰذا گلیوں سے گزر کر آگے بڑھ گئے۔شام کو جب واپس اُس علاقے سے پھر گزرے تو اُس جیولری کی دکان کے باہر لوگ جمع تھے۔پولیس اور ایمبولینس واپس جا چکی تھیں پوچھنے پر

معلوم ہوا صبح اس دکان پر بہت بڑا ڈاکہ پڑا۔ دو نہایت خوش پوش نوجوان سوٹ بوٹ پہنے ہوئے آئے سیلز مین اُن کے قیمتی کپڑوں سے اندازہ لگا چکے تھے کہ وہ یقیناً ارب پتی ہونگے انہوں نے مہنگے مہنگے سونے کے زیورات ڈائمنڈز قیمتی پتھر پسند کیے اور جب سب جمع کر کے انہوں نے جیب سے پستولیں نکالیں تو سیلز مینوں کو دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونے کا حکم دیا دھمکی دی خبردار اگر کسی نے ہلنے یا اُن کو روکنے کی کوشش کی تو وہ جان سے ہاتھ دھولے گا۔ سیلز مین گھبرا گئے وہ ایسی واردات کے عادی نہیں تھے نہ انہوں نے ایسی واردات کبھی دیکھی تھی نہ سنی تھی کیونکہ یہ دکان تمام کیمروں اور آہنی دروازوں سے لیس تھی۔ بہر حال وہ دونوں خوش پوش نوجوانوں نے زمین پر اُس پستولوں سے فائر کیے اطمینان سے دروازے کھولے باہر نکلے اُن کی گاڑی اُن کا انتظار کر رہی تھی بیٹھے اور یہ جا اور وہ جا یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ اس سڑک پر گاڑی کھڑے کرنے کی اجازت نہیں ہوتی کیسے یہ واردات ہوئی کس نے اس میں حصہ لیا کیونکہ جب تک اُس دکان کا کوئی فرد ملوث نہ ہو یہ واردات نہیں ہو سکتی۔ اس واردات کی داستان دوسرے دن کے اخبار میں شائع ہوئی تمام ٹی وی چینلز سے اُن دونوں کے خاکے اور فوٹیج بار بار دکھائی جا رہی تھی کیسے وہ اندر داخلے ہوئے کیسے انہوں نے سامان پسند کیا جمع کیا پھر پستول دکھا کر باہر آ گئے اس سامان کی مالیت 65 ملین پاؤنڈ یعنی 100 ارب روپے بتائی جاتی ہے جو صرف آدھے گھنٹے کی واردات میں ہوئی سب سے اصل بات یہ تھی کہ پولیس نے بڑے فخر سے کہا کہ اس واقعہ میں کوئی زخمی نہیں ہوا۔ اسکاٹ لینڈ پولیس اس پوری واردات کی تفتیش کر رہی ہے کیونکہ یہ لندن میں ہونے والی چوری کی سب سے بڑی واردات ہے اور بظاہر حلیے اور بات چیت سے یہ بھی معلوم کیا گیا کہ اس واردات میں مقامی افراد ملوث ہیں اور وہ بہت جلد وہ قانون کے شکنجے میں آ جائیں گے اب جگہ جگہ ان کے فوٹو پوسٹر لگائیں گے عوام سے انہوں نے اپیل کی ایسے حلیے کے افراد جہاں بھی ہوں پولیس اسٹیشن مطلع کریں ابھی تک اُن کی گرفتاری پر کوئی انعامی رقم کا اعلان نہیں ہوا ہے۔ پولیس حیران ہے اتنے حفاظتی اقدامات کے ہوتے ہوئے یہ دونوں نوجوان کیسے دیدہ دلیری سے واردات

کرنے میں کامیاب ہو گئے یقیناً انہوں نے بہت باریک ماسک پہنے ہونگے ان کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ اُن کی تمام حرکات و سکنات سیکنڈ ٹو سیکنڈ کیمروں میں محفوظ ہو رہی ہوگی چند ہی منٹ بعد پولیس حرکت میں آئے گی میڈیا کو کہانی ملے گی۔ عوام حیرت زدہ ہونگے پھر وہ کہاں چھپیں گے۔ گاڑی کا نمبر تو فوراً ہی پتہ چل جائے گا۔ لندن کی عوام ہمیشہ پولیس سے تعاون کرتی ہے کیونکہ لندن پولیس عوام کا بڑا احترام کرتی ہے۔ پاکستان اور بھارت کی پولیس کی طرح بتانے والے کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے کہ شاید یہ کوئی ڈرامہ کر رہا ہو مگر وہاں ایسا نہیں ہوتا۔

جس وقت میں صبح کے لندن والے اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا خدا کی قدرت اُس میں ایک خبر اور چھپی تھی کہ لندن پولیس نے 40 سال پرانی لندن کی سب سے بڑی ٹرین ڈکیتی کے مجرم کو انسانی ہمدردی میں رہا کر دیا کیونکہ اُس کو ڈاکٹروں نے کینسر کا مریض قرار دیتے ہوئے بتایا وہ کسی وقت بھی مر سکتا ہے کینسر آخری اسٹیج تک پہنچ چکا ہے اس شخص نے 10 سال پہلے باوجود اس حقیقت لندن پولیس ٹرین ڈکیتی کیس کے کسی بھی مجرم کو گرفتار نہیں کر سکی تھی۔ اس مجرم نے پولیس اسٹیشن پہنچ کر اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا تھا۔ اس کو 40 سال کی سزا سنائی بھی گئی مگر صرف 10 سال بعد انسانی ہمدردی آڑے آ گئی اور وہ رہا ہو گیا۔ نہ جانے یہ لندن جیولری ڈکیتی کے مجرم کب پکڑے جائیں گے کیونکہ یہ بھی لندن کی تاریخ میں سب سے بڑی ڈکیتی ہے۔ سوچیے اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان اس واردات میں ملوث ہوتا تو؟ یہ ہم مسلمانوں کیلئے ایک سبق ہے سوچیے؟

﴾ایک مسلمان ملک ملیشیاء میں کیا دیکھا﴿

9/11 کے بعد دنیا بہت تبدیل ہو رہی ہے خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ بہت تعصبانہ ہوتا جا رہا ہے۔ پاکستان تو اب عراق، ایران اور افغانستان کی طرح ریڈ زون میں تبدیل کر دیا گیا ہے اس کی وجہ سے غیر ممالک کے باشندے پاکستان نہیں آ جا رہے ہیں۔ ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد تو وہ پاکستان کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں پوری دنیا میں میڈیا اُن کو بہت بھیانک صورتحال بتا رہا ہے۔ ملیشیاء سے ایک یورپین کمپنی جس کا پلانٹ ملیشیاء میں ہے اکتوبر کے آخر میں ان کا تجارتی وفد پاکستان آ رہا تھا۔ ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد اُس کے ہیڈ کوارٹر نے پاکستان آنے سے معذرت کر لی اور تجویز دی کہ راقم کو ملیشیا آنا ہوگا ورنہ کنٹریکٹ منسوخ کر دیا جائے گا۔ راقم کو دبئی میں کام تھا لہٰذا براستہ دبئی ملیشیاء کا پروگرام بنانا پڑا۔ 2 ہفتے تک دبئی سے کوالالمپور کی فلائٹ میں بزنس کلاس کی سیٹ نہیں مل سکی تو کراچی سے ڈائریکٹ قومی ایئر لائن میں سیٹ بک کروائی تو فوراً مل گئی آدھے سے زیادہ جہاز خالی تھا۔ کراچی سے ہفتہ میں صرف 2 فلائٹیں جاتی ہیں جبکہ دبئی سے 12 فلائٹیں صرف امارات کی جاتی ہیں اُن میں جگہ نہیں ملتی خالی جہاز دیکھ کر بہت دکھ ہوا کیونکہ ملائیشیاء نے پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے لئے ویزہ کی پابندی ختم کر کے ائیرپورٹ پر ہی ویزے کی سہولت دے رکھی ہے۔

9/11 کے بعد ملیشیاء کی حکومت نے یہ آسانی مہیا کر رکھی ہے پھر بھی ہمارے جہاز خالی جا رہے ہیں اس کی وجہ صرف پاکستان کا نام دہشت گرد ممالک میں شامل ہونا ہے جبکہ ہمارے ملک میں نہ کوئی جنگ رہی ہے میڈیا نے ساری دنیا کو ڈرا رکھا ہے باقی رہی سہی کسر ایمرجنسی نے پوری کر دی۔

عوام کی اطلاع کیلئے تحریر کر رہا ہوں کہ ملیشیاء ہم سے 10 سال بعد 1957ء میں آزاد ہوا یہ بھی اسلامی ملک ہے جس میں 60 فیصد آبادی ملائیشین مسلمان 25 فیصد چائنیز بدھ مذہب، 10 فیصد بھارتی ہندو اور 5 فیصد دیگر مذاہب کی اقلیتی قومیں آباد ہیں۔ تمام قومیں امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں آج تک اُن میں مذہب اور قومیت کے نام پر جھگڑا نہیں ہوا۔ 1980ء میں ڈاکٹر مہاتیر محمد نے اقتدار

سنبھالا اور معاشی اصلاحات کیں۔ غیر ممالک جن میں یورپی اور جاپانی کمپنیوں نے اپنے اپنے جدید پلانٹ لگائے اُس وقت اُن کا سکہ رنٹ (Ringut) ہمارے ساڑھے تین روپے میں ملتا تھا۔

ڈاکٹر مہاتیر محمد 5 مرتبہ وزیراعظم بنے بصرف 25 سال مہاتیر محمد کے اقتدار میں آج رنگٹ 20 روپے تک پہنچ گیا۔ چھوٹے چھوٹے مکانات اور دفاتر کی جگہ کوالالمپور اور دیگر شہروں میں بڑی بڑی عمارتیں اور دنیا کا سب سے بڑا ٹوئین ٹاور آج ملیشیاء میں تعمیر ہو چکا ہے۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی کمپنیوں کے پلانٹ بنیادی صنعتیں آج ملیشیاء میں بن چکی ہیں اور صرف پام آئل بنانے والا ملک ترقی کر کے انڈسٹریل اسٹیٹ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ بڑی بڑی سڑکیں، ہائی ویز، انڈر بائی پاس اور اوورہیڈ پلوں کی تعمیر سے مسلمان ممالک میں سب سے بڑا ایڈوانس ترقی پذیر ممالک میں شامل ہو چکا ہے۔ 100 فیصد تعلیم یافتہ ممالک میں شمار کیا جاتا ہے تعلیم مفت اور کمپلسری ہے ہر بچے کو اُس کی اپنی زبان کے علاوہ ملیشیاء کی زبان میں تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے اگر والدین بچے کو اسکول نہ بھیجیں تو والدین کو سزا دی جاتی ہے اور سب سے بڑی وجہ یہی تعلیمی نظام تھا جس نے ملیشیاء کو آج ہم سے پچاس سال آگے پہنچا دیا ہے۔ سیاست آزاد ہے مگر تعصب کی سیاست کی اجازت نہیں ہے۔ ٹیکنالوجی میں آج وہ کوریا اور جاپان کے ہم پلہ بن چکا ہے۔ تمام قوموں کو اپنی اپنی مذہبی تعلیم دینے کی اجازت ہے اسی طرح ملیشیاء میں عید، دیوالی، چائنیز نیو ایئر، کرسچن کو کرمس کی چھٹیاں سرکاری طور پر منائی جاتی ہیں اور سرکاری چھٹیاں بھی اُس حساب سے ہوتی ہیں۔ فری ایکسپورٹ زون بھی ہیں مگر تمام مشینوں پر کوئی ڈیوٹی نہیں ہے۔ حکومت بہت سستے داموں پر پلانٹ لگانے کیلئے زمینیں فراہم کرتی ہیں تو دوسری طرف بڑی بڑی عمارتیں عوام کے رہنے کیلئے بھی زمینیں بلڈروں کو دی جاتی ہیں تاکہ سستی اور اچھی رہائش عوام کو ملتی رہیں کم از کم تنخواہ 20 ہزار روپے (پاکستانی) ہے آسان اقساط پر ہر ایک کو رہائش دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسی وجہ سے عوام ڈاکٹر مہاتیر محمد کو اپنا رہنما سمجھتے ہیں جن کی وجہ سے ملیشیاء نے بے مثال ترقی کی اس سال ملیشیاء 50 سالہ جشن منا رہا ہے اور ہم 60 سالہ جشن بھی نہ منا سکے۔ پیٹرول جو